ٹیکسلا کے
قدیم مسلمان خاندان

اور

مذہبی کارکنوں کی 30 سالہ دینی
10 سالہ سیاسی خدمات

مرتبہ:

صلاح الدین فاروقی

(دینی وسیاسی کارکن)

ناشر

مکتبہ نعمانیہ مدرسہ عبیدیہ زاہدیہ

ٹیکسلا کے قدیم مسلمان خاندان

اور

مذہبی کارکنوں کی 30 سالہ دینی و 10 سالہ سیاسی خدمات

مرتبہ:

صلاح الدین فاروقی

(ایک عام دینی و سیاسی کارکن)

شائع کردہ:

مکتبہ نعمانیہ مدرسہ عبیدیہ زاہدیہ

جامع مسجد نفیس بالمقابل مغل مارکیٹ ٹیکسلا

ٹیکسلا کے قدیم مسلمان خاندان

اور

مذہبی کارکنوں کی 30 سالہ دینی و 10 سالہ سیاسی خدمات

نام کتاب	ٹیکسلا کے قدیم مسلمان خاندان
مرتبہ	صلاح الدین فاروقی
صفحات	208
قیمت	-/200 روپے
طبع اول	ربیع الاول ۱۴۳۹ھ، دسمبر 2017ء
ناشر	مکتبہ نعمانیہ مدرسہ عبیدیہ زاہدیہ

ملنے کے پتے

مکتبہ نعمانیہ مدرسہ عبیدیہ زاہدیہ

جامع مسجد نفیس بالمقابل مغل مارکیٹ ٹیکسلا

0314-5141390, 0321-5141394

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
01۔	تحدیث نعمت وپیش لفظ، محل وقوع	7
02۔	پرانے مذاہب وحکمران	12
03۔	ٹیکسلا میں مسلمانوں کی آمد	14
04۔	عہد سلاطین کے معروف ماریگلی علماء	15
05۔	مغل دور کے علاقائی علماء وصوفیاء	16
06۔	مغلیہ دور کے آخری عہد میں دوروحانی وعلمی مراکز	17
07۔	بیسویں صدی سے پہلے علاقہ وٹیکسلا کے قابل ذکر بااثر مسلمان خاندان	26
08۔	علاقہ میں گوجروں کی آمد	27
09۔	سرائے کالا کا پرانا شیخ خاندان	32
10۔	سادات خاندان	32
11۔	ٹیکسلا میں آمدہ کشمیری خاندان	38
12۔	گھیلا کے شیخ ،ٹھیکیدار خاندان	38

13-	گھیلا خورد کا ہرج ملک خاندان	41
14-	موہڑہ شاہ ولی شاہ کے میر، بٹ اور کشمیری ٹھیکیدار خاندان	42
15-	انیسویں صدی کے حالات کا مختصر جائزہ	45
16-	بیسویں صدی کے پہلے نصف میں مذہبی طبقے کا کردار	46
17-	ریل پٹڑی کی بچھائی نعمت غیر مترقبہ	57
18-	زمین کی واگزاری اور مرکزی عیدگاہ کا قیام	57
19-	علامہ مشرقی کی خاکسار تحریک اور انصار المسلمین ٹیکسلا	59
20-	تنظیم اہلسنت پاکستان کا قیام	74
21-	بیسویں صدی کے نصف اول میں انگریز حکومت کے ٹیکسلا کے لئے مفید اقدامات	76
22-	انگریز کے طرز حکومت کے علاقہ پر اثرات	77
23-	بیسویں صدی کے نصف اول کا سیاسی ماحول	81
24-	بیسویں صدی کے پہلے نصف کی معاشرتی و معاشی حالت	81
25-	مذکورہ عرصہ کی تعلیمی حوالہ سے کیفیت	82
26-	آزادی کے قبل ٹیکسلا کا مذہبی و روحانی ماحول	83
27-	آزادی سے قبل تک چند قابل ذکر شخصیات	86
28-	تقسیم ہند سے پہلے دوسرے مذاہب کی صورتحال	91
29-	انیسویں اور بیسویں صدی کے طاعون	92
30-	آزادی کے اعلان کے بعد نقل مکانی کی کیفیت	93

31۔	پاکستان بننے کے بعد کی ابتدائی صورتحال	94
32۔	بیسویں صدی کے نصف اول کا جائزہ	97
33۔	آزادی کے بعد طاقت و دولت کے مراکز کی منتقلی	99
34۔	بیسویں صدی کے نصف آخر کے حالات	105
35۔	قادیانیوں کے خلاف تحریک ختم نبوت۔ (1953ء)	106
36۔	دینی و سیاسی جماعت جمعیت علمائے اسلام کی تشکیل	117
37۔	انجمن شبان اسلام کا قیام	117
38۔	آزادی کے بعد سے 1961 تک کے چند اہم قابل ذکر واقعات	117
39۔	بلدیاتی سیاست و انتخابات	120
40۔	جمعیت علماء اسلام پاکستان	124
41۔	جمعیت علمائے اسلام ٹیکسلا کا قیام	129
42۔	پاکستان اور عالمی صورتحال	132
43۔	جمعیت علمائے اسلام کے دو حصوں میں بٹنے کا المیہ	145
44۔	استاد مولانا محمد صدیق شہید	146
45۔	مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی شہید	151
46۔	والد محترم استاد روشن دین مرحوم	153
47۔	مولانا قاضی شمس الدین احمد قریشیؒ	159
48۔	جناب حافظ محمد رفیق مرحوم	152

49۔	ٹیکسلا کے دیگر قابل ذکر خاندان، ذاتیں وشخصیات	190
50۔	اعوان خاندان	191
51۔	کھٹڑ خاندان	194
52۔	دلزاک خاندن	195
53۔	ڈھبیاں اور موہڑہ ملیاراں (گانگو بہادر) کا ملک خاندان	197
54۔	بابو ملک محمد شفیع مرحوم	198
55۔	گانگو جمعہ کا قریشی خاندان	199
56۔	جیون روڈ ٹیکسلا کے بٹ، میر اور شیخ خاندان	201
57۔	ٹیکسلا کے مغل خاندان	202
58۔	حاجی احمد دین مرحوم المعروف حاجی صاحب بدھو والے	203
59۔	ٹیکسلا کے ہنر مند و دستکار خاندان	204
60۔	کتاب کے مواد کے متعلق چند باتوں کی وضاحت اور ذاتی تجزیہ	205

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحدیث نعمت و پیش لفظ

اللہ جل شانہ کا فضل و احسان ہے کہ اس ذات باری تعالیٰ نے راقم السطور کو ایک عہد نبھانے کی توفیق عطا فرمادی ہے جو چند ماہ قبل کچھ احباب سے کیا تھا۔ پیش لفظ کے طور پر ابتداء میں ہی یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ مرتبہ معلومات زیادہ تر سنی سنائی ہیں۔ نہ تو یہ ایک تحقیقی مقالہ ہے اور نہ ہی مستند معلومات۔ اس لئے مستقبل میں کوئی بھی شخص ان معلومات کو حوالہ کے طور پر پیش نہ کرے البتہ متعلقہ حضرات اگر تصحیح کرانا چاہیں تو مرتب کو مطلع فرمادیں تا کہ اس کا مناسب تدارک کیا جاسکے۔

یہ کتاب شائع کرانے کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی ہے کہ اس وادی میں مسلمانوں کی مستقل آبادی اور گزشتہ دو چار صدیوں کے حالات پر مشتمل کوئی دستاویز کتابی شکل میں مطبوعہ موجود ہونے کا علم نہیں ہوسکا۔ اگر چہ مرتب کسی درجہ میں بھی مطلوبہ صلاحیت نہیں رکھتا جو ایسی دستاویز شائع کرنے کیلئے بنیادی تقاضا ہے۔ بہر حال اس خیال سے کہ " گندم اگر بہم نہ رسد، بھس غنیمت است " کچی پکی معلومات اکٹھی کردی ہیں۔

اس حقیقت کے اظہار میں بھی مجھے کوئی امر مانع نہیں ہے کہ مجھ میں " تصنیفی صلاحیت " نہ ہونے کے برابر ہے البتہ " تالیفی کام " تقریباً پچاس سال سے تھوڑا بہت کرتا رہا ہوں جس کا اجمالاً تذکرہ درج ذیل ہے:۔

1) سب سے پہلے غالباً 1967ء میں اپنی تنظیم "انجمن شبان اسلام کے تعارف" کے نام سے ایک کتابچہ مرتب کر کے شائع کیا۔

2) حضور خاتم النبیین علیہ وسلم کی " ختم نبوت " کے اعزاز پر ڈاکہ مارنے والے " جعلی مدعی نبوت " کی تردید کے لئے 74-1973ء میں 9 عدد کتابچے مختلف عنوانات پر مرتب کر کے شائع کرائے۔

3) اسی مقصد کیلئے دسمبر 1973ء میں چنیوٹ میں ہونے والی سالانہ سہ روزہ ختم نبوت کانفرنس میں ہونے والی مشاہیر کی تقاریر ریکارڈ کر کے تحریر کیں اور ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد میں چھپوائیں جواب کتابی شکل میں بھی چھپ گئی ہیں۔

4) ایچ ایم سی ٹیکسلا میں تشکیل کردہ "انجمن محبان رسولؐ" کی طرف سے 78-1977 میں "محبت رسول"، "سنت رسول کریمؐ" اور فضائل واحکام رمضان المبارک (تین کتابچے) اور اپنے محسن ومربی مفسر قرآن حضرت قاضی محمد زاہد الحسینی نور اللہ مرقدہ کے آخری پارے کی تین سورتوں کے چھ دروس پر مشتمل تین کتابچے "انسان اور انسانیت"، "انسان کا بدخواہ نمبر 1"، "انسان کا بدخواہ نمبر 2" ٹیپ ریکارڈ سے سن کو من وعن تحریر کر کے شائع کرائے۔

5) حضرت قاضی صاحب مرحوم کے مدینہ مسجد اٹک میں روزانہ بعد نماز فجر دیئے جانے والے درس قرآن کو "تفسیر عثمانی" کے انداز میں ٹیپ شدہ کیسٹوں سے سن کر "بیاض" کی شکل میں تحریر کیا اور الحمد للہ سال ڈیڑھ سال میں مکمل کر کے مسودہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین صاحبزادہ گرامی حضرت قاضی محمد ارشد الحسینی صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں 21 مئی 2006ء کے دن پیش کر دیا جو ایک ہزار صفحات پر مشتمل تھا۔

6) اپنے دوسرے محسن ولی کامل "حضرت مولانا محمد داؤد قدس اللہ سرہ" کی سوانح حیات 2014ء میں تقریباً ڈیڑھ سو صفحات کی حامل تفصیل کے برابر مرتب کی ہے اور اب ان کے اپنے مقرر کردہ جانشین برائے امامت وخطابت صاحبزادہ گرامی کے حوالے کر دی ہے اس لئے کہ مالی وسائل نے خود شائع کرنے کی اجازت نہیں دی۔

7) اسی سال اپریل میں مرزائیوں کو قومی اسمبلی کی طرف سے غیر مسلم قرار دینے سے ایک دن قبل یعنی 6 ستمبر 1974ء کی رات کو راولپنڈی میں ہونیوالی "ختم نبوت کانفرنس" میں ہونے والی عمائدین ملت کی تقاریر کو کیسٹوں سے سن کر تحریری شکل دی جس کو "عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت" جماعت کے روح رواں محترم ومکرم حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب زید

لطفہم نے کمال مہربانی اور احسان فرماتے ہوئے انتہائی قلیل مدت میں پرانی شائع شدہ تقاریر (لولاک) کے ساتھ تین سو صفحات پر مشتمل کتاب بعنوان "مشاہیر کے خطبات ختم نبوت" میں شائع کر دیا۔ یہ کتاب اب تک ہزار ہا مسلمانوں تک پہنچ چکی ہے اور صرف پاکستان میں ہی نہیں پوری دنیا میں جہاں جہاں ختم نبوت کے مراکز موجود ہیں یہ کتاب پہنچ چکی ہے اور ماہنامہ "لولاک" جو تقریباً بیس ہزار کی تعداد میں چھپتا ہے اس کے تقریباً پانچ، چھ شماروں میں اس کتاب اور مرتب کا تعارف بڑے خوبصورت انداز میں تفصیلاً اور اجمالاً چھپ چکا ہے اس طرح الحمد للہ ٹیکسلا شہر کا نام دنیا بھر میں اس حوالے سے بھی مشہور ہو گیا ہے۔ الحمد للہ علی ذالک وجزاھم اللہ خیراً۔

8) ٹیکسلا میں "شعوری زندگی" کی گزشتہ نصف صدی میں ہونے والے دینی و سیاسی کاموں کی تفصیل جن میں ذاتی طور پر شریک رہا بھی 2014ء میں مرتب کرنی شروع کی ہے اور کافی حد تک مسودہ مکمل کر لیا تھا لیکن چند ماہ قبل اشاعت سے پہلے یہ خیال آیا کہ "دھرتی ماں" اور ان مرحومین کا بھی کچھ حق ہے جو 1964ء سے پہلے (جو میرے شعوری دور کی ابتداء ہے) دینی، سیاسی و فلاحی خدمات انجام دیتے رہے ہیں اسی لئے یہ کتاب مرتب کی اور پہلی جلد کے طور پر شائع کی جا رہی ہے۔

اگرچہ میں نے مقامی اخبار "نوائے سنگتراش" کے 20 اگست 2017ء کے شمارے میں ایک اشتہار اور بعد میں سوشل میڈیا کے ذریعہ "ٹیکسلا کے قدیمی خاندانوں" سے معلومات فراہم کرنے اور مرتبہ مواد کو دیکھ لینے کی اپیل کی تاکہ کوئی "سقم" نہ رہے لیکن "رسپانس" مایوس کن رہا۔ بہرحال چند احباب نے بھرپور تعاون اور رہنمائی کی تو مجھے حوصلہ ہوا اور موصولہ شجرات و معلومات کو ترتیب دے کر ایک نامکمل مسودہ تیار کر لیا جو پیش خدمت ہے۔

مذکورہ تعاون کرنیوالے مہربانوں میں جناب نور محمد علی ایڈووکیٹ صاحب اور نور محمد انقلابی صاحب (بھوئی گاڑ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ میں ان کا بہت ممنون ہوں۔ اسی طرح اصیاں کے ملک محمد جان صاحب نے "پنجاب کی ذاتیں" نامی کتاب مہیا کر کے

میری بہت سے مشکلات آسان کر دیں۔ مسودہ پر تنقیدی نظر ثانی میں میرے نصف صدی کے محسن و محبؒ حضرت شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی صاحب دام ظلہم، برادر عزیز جناب فرخ محمود مغل صاحب اور نور محمد علی ایڈووکیٹ صاحب نے بہت باریک بینی سے اور عرق ریزی سے تصحیح اور توثیق کر کے قابل قدر تعاون کیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ کمپوزنگ میں عزیزم امجد نسیم صاحب نے بہت زیادہ محنت کی ہے۔ جزاہ اللہ خیراً۔

آخر میں دوبارہ گزارش ہے کہ یہ ایک "نامکمل دستاویز" ہے جو قدیم آباد سارے خاندانوں کا احاطہ نہیں کر پائی۔ اسی طرح خاندانوں و شخصیات کے "تذکرہ" میں تقدیم تاخیر بھی موجود ہے جو عمداً نہیں کی گئی بلکہ "ناتجربہ کاری" و "عدم صلاحیت" کی وجہ سے ہو گئی ہے۔ متعلقہ حضرات اس سے "صرف نظر" فرمائیں۔ موجودہ دور کے باصلاحیت، تعلیم یافتہ اور باوسائل نوجوانوں سے اپیل ہے کہ اس کتاب کو اپنے لئے ایک "عمل انگیز" کی حیثیت دیں اور اور محنت و کاوش سے ایک "مبسوط دستاویز" تیار کر کے شائع کرائیں جو آنے والی نسلوں کو ماضی سے آگاہ اور وابستہ رکھ سکیں۔

قارئین سے عرض ہے کہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ دوسری جلد بھی مکمل کر سکوں جس میں 1964ء کے بعد ہونے والے حالات و واقعات اور معروف ہونے والی شخصیات و خاندانوں کا اس میں تذکرہ کر دوں تا کہ تقریباً ایک صدی کے حالات مکمل ہو جائیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے میری محنت کو قبول کرنے، خلوص نیت عطا فرمانے، صحت و عافیت اور حسن خاتمہ کی طلب بھی کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

طالب دعا راقم السطور

صلاح الدین فاروقی ٹیکسلا

12 ربیع الاول 1439 ہجری

1 دسمبر 2017ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

زیرِ تذکرہ" ٹیکسلا شہر" اور" وادی ٹیکسلا" ایک مشہور تاریخی علاقہ ہے جو ہزاروں سال سے آباد و برباد ہوتا چلا آیا ہے۔ تاریخ نویسوں نے تقریباً پانچ سو سال قبل مسیح سے اس کے حالات قلمبند کئے ہوئے ہیں اور کئی کتابیں چھپ چکی ہیں ہمارا موضوع تاریخ نہیں بلکہ اس خطہ میں مسلمانوں کی آمد اور دینی و مذہبی حلقے کی خدمات جلیلہ ہیں اور وہ بھی آج سے صرف ایک صدی قبل سے موجودہ دور تک محیط ہیں البتہ تعارف کیلئے مختصر تذکرہ محل وقوع اور قدیم مذاہب کا کیا جارہا ہے تاکہ تاریخی و مذہبی پس منظر قاری کے پیشِ نظر رہے۔

محل وقوع:۔

پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد کا شمالی حصہ زیادہ تر مارگلہ کے پہاڑی سلسلے پر مشتمل ہے جس کی دوسری طرف وادیٔ ٹیکسلا واقع ہے جو ہر سہ اطراف سے پہاڑوں میں گھری ہوئی ہے۔ یہ پیالہ نما خوبصورت اور سرسبزو شاداب وادی سطح سمندر سے تقریباً اٹھارہ سو فٹ بلند ہے اور طول وعرض تقریباً 15×20 کلومیٹر ہے۔ وادی کے مشرق میں مری اور ہزارہ کی پہاڑیاں واقع ہیں اور شمال میں تقریباً چار ہزار فٹ بلند" سرڑا" کا مشہور پہاڑ واقع ہے۔ اسی طرح" متھیال" نام کا ایک اور پہاڑی سلسلہ مشرق میں ہزارہ کی پہاڑیوں کے پہلو سے نکل کر مغرب میں ٹیکسلا کے جدید شہر پر آکر ختم ہوجاتا ہے۔

وادی کے شمال میں دریائے ہرو واقع ہے جو کشمیر کے پہاڑوں سے نکل کر مذکورہ" سرڑا" پہاڑ کے ساتھ ساتھ شرقاً غرباً چلتا ہوا اور چھچھ کے علاقہ سے ہوتا ہوا دریائے سندھ میں مل جاتا ہے اس کے علاوہ چند پرانے نالے" کالا"،" دھمرا"۔" بہوڑا" وغیرہ بھی ہیں جو وادی کو سیراب کرتے ہوئے دریائے ہرو میں مل جاتے ہیں۔

تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ پرانی انسانی آبادیاں پہاڑوں کے دامن اور دریاؤں کے کنارے واقع ہوتی تھیں لہٰذا وادیٔ ٹیکسلا کو بھی" سرڑا پہاڑ" اور" دریائے ہرو" کی وجہ سے انسانوں نے اپنا مستقر بنایا۔

پرانے مذاہب وحکمران:۔

قبل مسیح دور میں سکندر اعظم کے حملہ کے وقت ٹیکسلا پر ہندو" راجہ امبھی" حکمران تھا جس نے اطاعت قبول کی اور یونانی گورنر کو اختیارات دیدیئے اس دور کے بعد" موریہ عہد حکومت" شروع ہوا جس نے" بدھ مت" کو فروغ دیا اور اس دور میں یہ وادی علم وحکمت، آرٹ، سنگتراشی، اور اچھی ثقافت کا مرکز تھی۔ موجود جی ٹی روڈ اسی عہد کی شاہراہ اعظم کا ایک حصہ ہے جولیاں کے قریب" بدھ یونیورسٹی" کے آثار بھی اسی عہد کے ہیں موریہ عہد کے بعد" باختری یونانی" اور پھر" ساکا" قبائل کا زمانہ آیا اس کے بعد" پہلوی" سرداروں نے تسلط جمالیا۔ ان کو" کشانوں" نے یہاں سے نکالا کشانوں کا ایک سردار" کنشک" بھی" بدھ مت" کا پیروکار تھا اور اُس نے اس وادی میں بدھ کے مجسمے، سٹوپے اور خانقاہیں تعمیر کی ہیں جو اب" آثار قدیمہ" کا حصہ ہیں۔ ان کے بعد ایرانی، ساسانی اور اور" کیدار کشان" حکومت کرتے رہے پھر" گپتا خاندان" کی گرفت رہی اس دوران ایک اور حملہ آور خاندان نے یہاں لوٹ مار، قتل وغارت اور درندگی کا بازار گرم کئے رکھا اور یہ دور طلوع اسلام یعنی چھٹی عیسوی صدی کے زمانے کا تھا۔

630ء میں ٹیکسلا" سلطنت کشمیر" کا ایک معمولی سا قصبہ تھا۔ اس کے بعد سلطان محمود غزنویؒ کی آمد 1000ء تک خطہ ٹیکسلا کابل کے" ترک شاہی" اور" ہنڈ" کے" ہندو شاہی" خاندان کے زیر اثر رہا اور 1013ء میں اسلامی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ سلطان محمود غزنویؒ کے ہمراہ" البیرونی" مشہور مورخ بھی ہندوستان آیا تھا اس نے اپنی شہرہ آفاق کتاب" مالالہند" میں اس وادی کا نام" تکشاسلا" اور پہاڑ کا نام" ماریکلہ" درج کیا تھا۔ مغلوں کے عہد میں یہ علاقہ" کالا پانی" اور" کالا کی سرائے" کے نام سے جانا جاتا تھا اور سکھوں، انگریزوں کے دور میں" سرائے کالا" کے ساتھ ساتھ گھیلا خورد، ڈھیری شاہاں، عثمان کھٹڑ، خرم گجر اور خانپور اِس علاقہ کے بڑے دیہات تھے۔

اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دورِ غزنوی میں مسلمانوں کی آمد کے وقت یہاں" ہندومت" اور" بدھ مت" زیادہ آبادی کا اور" سکھ مت" محدود تعداد کا مذہب تھا جن کی عبادت گاہوں کے آثار قدیمہ ابھی تک موجود ہیں (مذکورہ بالا معلومات برادرم ملک نور محمد علی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ وصدر ہسٹاریکل سوسائٹی ٹیکسلا کے مرتبہ مسوّدہ سے لی گئی ہیں)

ٹیکسلا میں مسلمانوں کی آمد:۔

جیسا کہ گذر چکا ٹیکسلا کے علاقہ میں تاریخی روایات کے مطابق مسلمانوں کی آمد سلطان محمود غزنویؒ کے حملوں کے دوران ثابت ہوتی ہے۔ جو عیسوی کیلنڈر کے مطابق اس کی" الف ثانی" یعنی دوسرے ہزار سالہ دور کی ابتداء تھی۔ سلطان موصوف حملوں کے دوران اپنے طریقت کے شیوخ کو ساتھ رکھتے تھے سلسلہ چشتیہ کے حضرت علیؓ کے پانچویں خلیفہ ابو محمد بن ابی احمدؒ سومنات کے جہاد میں ستّر سال کی عمر میں خدّام سمیت سلطان محمود غزنویؒ کے لشکر میں شریک تھے اور انکی روحانی سرپرستی بھی کررہے تھے۔ سلطان محمود غزنویؒ کو تصوّف کے سلسلہ چشتیہ کے" سلاطین" میں شمار کیا جاتا ہے۔ وہ شریعت کے احکامات کی بہت پابندی کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں کئی واقعات تاریخ میں موجود ہیں اسی لئے آج کے دور تک سلسلہ چشتیہ کا ایک مقبول وظیفہ" ختم ہفت سلاطین" معمول بہ ہے کہ سات سلاطین کو مقررہ دن" سورۃ یٰسین" کو ایک خاص طریقے سے پڑھ کر ایصال ثواب کیا

جائے اوران کے طفیل اپنی حاجات کیلئے دعا کی جائے۔سلطان محمودغزنویؒ کیلئے اتوار کا دن مخصوص ہے۔سلطان موصوف کے سترہ حملوں کے چونکہ 1013ء میں یہاں اسلامی سلطنت قائم ہوگئی تھی۔اسلئے اس علاقہ میں انہوں نے اپنا کوئی نمائندہ ضرور مقرر کیا ہوگا۔جو یہاں اُن کے ساتھ آئے ہوئے مسلمانوں میں سے یہاں آباد ہوجانیوالوں اور مسلمان ہوجانے والوں کی رہنمائی اور قیادت کرے اسی طرح دینی تعلیم کیلئے بھی علماء یا صوفیاء میں سے کسی کو یہاں ضرور ٹھہرایا ہوگا۔اگر چہ میرے سرسری مطالعے یا حاصل کردہ معلومات سے ایسا سراغ نہیں ملالیکن علاقہ میں موجود پرانے دینی تعلیم کے اداروں اور مزارات یہ نشاندہی ضرور کرتے ہیں۔

"کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی ÷ ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے۔

برادرِ محترم جناب نور محمد نظامی صاحب ساکن بھوئی گاڑ ضلع اٹک جو قومی ادارہ تحقیق،تاریخ وثقافت اسلام آباد کے ریسرچ سکالر ہیں کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق اُن کے گاؤں میں واقع مرکزی جامع مسجد غزنوی دور کی تعمیر کردہ ہے۔جو 1785ء کے بعد بہت بڑا دینی وعلمی مرکز بنا اور اُس سے برّصغیر کے چوٹی کے مشائخ،علماء وفضلاء نے تعلیم و تربیت حاصل کی اور دینی،ملی، تبلیغی،تدریسی،سماجی،تحریکی اور رفاہی قابل ذکر خدمات انجام دیں جس کی تفصیل آگے آرہی ہے اسی طرح ایک علمی شخصیت "مولانا عبداللہ عباسی "کے بھی اس علاقہ میں اِسی دور میں آکر آباد ہونے کا ذکر مشہور ہے۔

مغل بادشاہ ہمایوں کے دور 1545ء میں میاں جیو احمد صاحب کا بھی ذکر ملتا ہے۔جو بھوئی گاڑ کے بہت بڑے عالم تھے اور انہوں نے تاریخ بھوئی (پوہی) کتاب بھی لکھی تھی اسی طرح 1670ء میں مولانا اللہ دیا صاحب بھی جو سیّد آدم بنوریؒ کے خلیفہ تھے اس علاقہ میں مقیم رہے۔دور جہانگیری میں حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے ایک خلیفہ شیخ کریم الدین جو "باباحسن ابدالی" کے نام سے مشہور تھے اور جن کے ہاں حضرت مجدّد الف ثانیؒ بھی تشریف لاتے تھے ٹیکسلا کے شمال میں ملحقہ پرانے قصبہ عثمان کھٹڑ کے رہائشی تھے۔ خواہشِ مرشد کے دوران خواب میں ایک بزرگ کی زیارت کرائی گئی تو تلاشِ مرشد میں پھرتے پھراتے سرہند پہنچ گئے ایک صوفی منش نے حضرت مجدّد الف ثانیؒ کا پتہ بتایا، ملاقات ہوئی تو خواب والا دکھایا گیا حلیہ حقیقت بن کر سامنے موجود تھا یعنی گوہر مقصود حاصل ہوگیا،چنانچہ بیعت ہوئے،ذکر واشغال سیکھے خصوصی توجہات حاصل ہوئیں پھر خلافت ملی اور اپنے علاقہ کو مستفید کرتے ہوئے 1640ء میں وفات پاکر اپنے گاؤں میں ہی مدفون ہوئے۔(بحوالہ تاریخ وتذکرہ خانقاہ سرہند شریف صفحہ 507)۔

مغلیہ دور کے آخری عہد میں دو روحانی وعلمی مراکز کا قیام:۔

1) روحانی مرکز: اٹھارہویں صدی کے آخر میں "گڑھی افغاناں" گاؤں میں جو درّانی عہد میں آباد ہوا صوابی کے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے اخوندزادہ محمد انور شاہ بن سیّد احمد شاہ ہزارہ،چھچھ اور بہوئی پنڈ گاؤں سے ہوتے ہوئے آکر آباد ہوئے اور علمی مرکز کے ساتھ ساتھ روحانی اصلاح کیلئے خانقاہ قائم کی۔غالباً 1807ء میں آپکی وفات اور "سمّوں گاؤں" کے قبرستان میں تدفین کے بعد اُن کے صاحبزادہ گرامی پیر فاضل شاہؒ صاحب مسند نشین ہوئے جن کی وفات غالباً 1875ء میں ہوئی اور بعد میں اُن کے برادرزادہ "پیر عبداللہ شاہ" جانشین مقرر ہوئے۔اور زمانہءِ حال تک یہ "پیرخانہ" آباد ہے جس کے متوسّلین ملک کے دور دراز علاقہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔اس مرکز کی سب سے بڑی خوبی ان کا بے مثال قدیم کتب خانہ ہے۔جس سے متلاشیان علم دور دور سے آکر استفادہ کرتے ہیں۔بڑے بڑے نامور مفسرین،مصنفین،ادیب،تاریخ نگار اور کالم نگار یہیں سے معلومات حاصل کرتے ہیں،ماضی قریب میں یہاں کے صاحبزادہ پیر اکرم شاہ صاحب سیاسی طور پر "جمعیت علمائے پاکستان" میں کافی متحرک رہے ہیں۔

اسی مرکز کے بانی "پیر فاضل شاہ" صاحب چونکہ "لاولد" تھے اسلئے اُن کے ایک جانثار مخلص مرید "حکیم عبدالرحمٰن مرحوم" نے اپنا ایک بیٹا "حکیم فضل الٰہی مرحوم" ان کی خدمت کیلئے وقف کردیا جس کو "پیر صاحب" نے اپنا متبنّٰی بنالیا،تربیت کی،سمّوں میں رہائش بنادی اور مستقبل میں پھر انکی اولاد نے علاقہ بھر میں بے مثال خدمات سرانجام دیں۔علاقہ بھر کا نقشہ وماحول بدل کر رکھ دیا جس کی تفصیلات آئندہ صفحات میں آرہی ہیں۔

2) علمی مرکز:۔

"حافظ شیخ احمد قریشی" غالباً 1785ء میں اپنے وطن اصلی میانہ موہڑہ نزد دولتالہ تحصیل گوجر خان سے بھوئی گاڑ تشریف لائے اور غزنوی دور کی تعمیر شدہ مسجد میں ڈیرہ لگایا اور دین کی خدمت میں مصروف ہوگئے۔جلد ہی یہ تعلیمی مرکز برّصغیر کے "طالبان علم" کی امیدوں کا مرکز بن گیا یہاں سے علمی استفادہ کرنیوالے مشہور مشائخ،صوفیاء وعلماء کی فہرست بڑی طویل ہے۔چند ممتاز حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں جناب پیر فاضل شاہ صاحب،پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریفؒ،مولانا انور شاہ صاحبؒ،مولانا رسول خان ہزاروی صاحب،مفتی محمد حسن صاحب امرتسری،خواجہ فقیر احمد صاحب،میرا شریف پنڈی گھیب اور اُن کے جانشین مولانا احمد خان صاحب،مکھڈ شریف کے سجادہ نشین حضرات،مولانا گل شیر صاحب ملھوالی،مولانا نور محمد صاحب ملھوالی،مولانا اسحٰق صاحب خطیب ہزارہ،مولانا عبدالحنان ہزاروی،مولانا شمس الدین درویش ہزارہ،مولانا نذر الرحمٰن صاحب،مولانا عبدالغفور ہزاروی،مولانا سید ضیاء الدین صاحب سلطان پور،مولانا محبوب عالم صاحب،مولانا محمد جان صاحب،مولانا محمد داؤد صاحب،مولانا محمد صدیق صاحب شہید،مولانا

مفتی عبدالرحمٰن صاحب ہزاروی وغیرہ۔ ان میں سے چند حضرات کے تفصیلی حالات آئندہ صفحات میں مذکور ہیں۔

حافظ شیخ احمد قریشی کے تین بیٹے تھے قاضی محمد شفیع صاحبؒ، محمد عبداللہ صاحبؒ، اور مولانا امیر حمزہ صاحبؒ۔ موخر الذکر کی اولاد و احفاد سے اللہ تعالیٰ نے ہر شعبے میں بہت کام لیا ہے اور اب بھی لے رہے ہیں۔ آپ کے چار بیٹے عبدالنبی، محمد یوسف، احمد دین اور غلام ربانی تھے، احمد دین صاحب کے بھی چار، پانچ فرزند تھے فرید الدین صاحب، محمد غوث صاحب، محبّ النبی صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب (جو ہمارے ناظرہ اور تجوید کے استاد قاری عبدالرحمٰن صاحب کے والد گرامی تھے۔ قاری صاحب موصوف کافی عرصہ ٹیکسلا میں امامت اور تدریس کے بعد قلندر آباد نزد ایبٹ آباد میں تعلیم قرآن کے فرائض انجام دیتے رہے)۔

مولانا غلام ربانی صاحب کے تین بیٹے مولانا مفتی عبدالحی صاحب، مولانا قاضی ضیاء الدین صاحب اور قاضی شمس الدین صاحب تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے دین کے ہر شعبے میں بہت کام لیا ہے اور اب بھی ان کی اولاد و احفاد مختلف شعبوں میں قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مولانا ضیاء الدین صاحب کے صاحبزادے ٹی، آئی، پی ہریپور میں، مولانا قاضی شمس الدین صاحب کے فرزند حسن ابدال اور واہ کینٹ، جب کہ مولانا مفتی عبدالحی صاحب کے بیٹے اور چھ پوتے اپنے آبائی گاؤں بھوئی گاڑ، ہری پور، رہبر کالونی نزد ایچ ایم سی ٹیکسلا میں مساجد، مدارس اور حکمت کے دواخانوں کے ذریعے دینی و رفاہی کام کر رہے ہیں۔ تفصیل کی یہ کتاب متحمل نہیں البتہ ٹیکسلا شہر میں خدمات کے حوالہ سے مولانا قاضی شمس الدین صاحب اور مولانا مفتی عبدالحی صاحب کے بارے میں کچھ تفصیلات آئندہ صفحات میں آ رہی ہیں۔

مذکورہ دو مشہور مراکز کے علاوہ بدھو گاؤں کے ماہر منطق "بابا محمد دین" کا درس بھی پورے برصغیر میں مشہور تھا۔ اور گڑھی افغاناں کا "قاضی خاندان" بھی دینی علوم کی تعلیم کے حوالے سے ممتاز حیثیت رکھتا تھا بالخصوص فتاوٰی "قضاۃ" کے معاملے میں ان کو فیصلہ کن اتھارٹی کی حیثیت حاصل تھی اِس خاندان کے جدِ امجد اخوندزادہ قاضی سید محمود بن معین الدین تھے جو چکوال سے ہزارہ کے علاقہ میں آئے اور اُن کی اولاد نے ایبٹ آباد سے گڑھی افغاناں تک مختلف مقامات پر خدمات انجام دیں۔ سکھوں کے دور میں انہیں میں سے قاضی زاہد محمود یا قاضی ضیاء الدین صاحب گڑھی میں آئے اور ایک مسجد میں ڈیرہ لگایا جو مسجد قاضی والی مشہور ہوگئی۔ پیر فاضل شاہ صاحبؒ اور بہت سے نامور علماء و فضلاء آپکے شاگرد تھے غالباً 1870ء میں وفات پا کر سمّوں کے قبرستان میں مدفون ہوئے آپکے ایک بیٹے قاضی محمد شعیب صاحب فاضل دیوبند تھے۔ اور دوسرے قاضی منور صاحب تاحیات اس مسجد میں مصروف عمل رہے اور دینی و ملّی خدمات کے علاوہ جمعیت علمائے اسلام کے بھی سرگرم رکن رہے۔ اب بھی اس مسجد میں درس نظامی کا مدرسہ دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔

اسی طرح گڑھی افغاناں کے قریب ملپور گاؤں میں بھی ایک مذہبی گھرانہ دینی علوم کی درس و تدریس کیلئے قیام پذیر رہا جس کے نامور سپوت ولی کامل، استاذ العلماء، شیخ الحدیث بانی جامعہ اشرفیہ لاہور مولانا مفتی محمد حسین امرتسری عالمی شہرت کے حامل ہیں، آپ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلفیہ مجاز بھی تھے۔ آپکے والد محترم مولانا اللہ داد صاحب ہزارہ سے تشریف لاکر پہلے موضع بھلیسر میں دینی خدمات انجام دیتے رہے پھر ملپور لائے گئے آپ خواجہ سلمان تونسویؒ کے مرید تھے، اتمان زئی قبیلہ سے تعلق تھا، بھوئی گاڑ کے علمی مرکز میں زیر تعلیم بھی رہے تھے اور وہیں سے شادی بھی کی تھی، آپکے پانچوں فرزند عالم و فاضل تھے جو خود بھی اور ان کی اولاد بھی ملک کے مختلف مقامات پر خدمات انجام دیتے رہے اور دے رہے ہیں۔

ٹیکسلا شہر میں مذہبی و علمی شخصیات و خاندانوں کی آمد:۔

بعض روایات کے مطابق برصغیر میں مسلمان حکمرانوں کے دور میں غالباً 1440ء کے لگ بھگ سکھر سندھ کے علاقہ سے پہلے مذہبی و روحانی رہنما پیر سید فتح حیدر صفدر خان صاحب الموسوم بہ شاہ حیدر صفدر وعظ و تبلیغ کیلئے آئے اور شہر کے وسط میں اونچی جگہ جسے ڈھیری کہا جاتا ہے وہاں ڈیرہ لگایا اُس وقت اُس جگہ جوگی رہتے تھے اور اِس آبادی کا نام "ڈھیری جوگیاں" تھا۔ ان جوگیوں نے آپ کی مزاحمت کی تو آپ نے اُن کو مقابلہ کی دعوت دی۔ وہ جادوگر تھے انہوں نے اپنے کرتب دکھائے تو شاہ صاحب نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی کرامت کے ذریعے ان کو ذلّت آمیز شکست دی جس پر وہ آپ کے وہاں رہنے پر راضی ہوگئے۔

دوسری روایت کے مطابق آپ کا خاندان غزنی سے جلال آباد وغیرہ سے ہوتا ہوا ملتان آ کر آباد ہوا اور وہاں سے آپ کو وہاں کے پیروں نے ٹیکسلا بھجوایا۔ یہاں قیام کے دوران آپ کی کرامتیں دیکھ کر کئی ہندو مسلمان ہوگئے۔ اور مسلمان آپ کے عقیدت مند بن گئے۔ آپ کی اولاد خود کو "نقوی" شمار کرتے ہیں دوسرے "شاہ عبدالعزیز مشہدی بن شاہ عبدالغالب" یا "عبداللہ غازی" موضع سید کسراں تحصیل چکوال سے اشاعتِ دین اور اصلاحِ مسلمین کیلئے تشریف لائے جنہوں نے موجودہ محلّہ مشہدی میں قیام کیا۔ آپ کی اولاد "کاظمی" کہلاتی ہے یہ دونوں بزرگ سادات خاندان تھے، سنّی مسلک تھا اور شاہ کہلواتے تھے اُن کے آنے کے بعد اس آبادی کا نام "ڈھیری جوگیاں" کے بجائے "ڈھیری شاہاں" پڑ گیا۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہریپور کے قریب مشہور دیہات "ڈھینڈہ" کے سادات جو "ڈھینڈہ کے شاہ" کہلاتے تھے اور تبلیغ دین کیلئے مشہور تھے اُن کا خاندان بھی سید کسراں تحصیل چکوال سے آ کر ڈھینڈہ میں آباد ہوا تھا۔ اور اس خاندان کا ایک فرد "شاہ محمد" ملتان کے مشہور قریشی خاندان کے عبدالمالک قریشی صاحب کا داماد بنا جس خاندان

کا تعلق حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کی اولاد سے ہے اور اسی خاندان کے دو مشہور سیاسی افراد، "سجاد حسین قریشی "صاحب اور موجود سجادہ نشین "شاہ محمود قریشی" ہیں تو غالب امکان ہے کہ "حیدر صفدر صاحب" کو انہوں نے ہی ٹیکسلا بھیجا ہو اسلئے کے ڈھینڈہ گاؤں والے شاہ خاندان کا ٹیکسلا میں بہت اثر ورسوخ تھا اور وہ تبلیغ ووعظ کیلئے یہاں آتے تھے ۔جس کی تفصیل آئندہ صفحات پر آ رہی ہے۔

تیسرا مذہبی خاندان انیسویں صدی کی ابتداء میں جب انگریزوں نے فتوحات کر کے برصغیر پر قبضہ شروع کیا "مانکیالہ نزد گوجرخان" سے ٹیکسلا آ کر دینی خدمت میں مصروف ہوا جسے ہمیشہ "وڈے استاد" کے نام سے موسوم کیا جاتا رہا۔ان کی موجودہ نسل سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اُن کے آباؤ اجداد سری نگر سے افغانستان کسی دینی مسئلے کے حل کیلئے بلوائے گئے اور وہ وہیں مقیم ہو گئے مسلمان فاتحین کے دور میں افغانستان سے آ کر "مانکیالہ" میں آباد ہوئے اور وہاں سے ٹیکسلا آئے ۔قرین قیاس یہ ہے کہ جیسا آگے خاندانوں کے ٹیکسلا آنے کا ذکر آئے گا غالباً "گھیلہ کلاں" سے جب گوجر برادری کا ایک قبیلہ ٹیکسلا آ کر آباد ہوا تو وہی اس خاندان کو یہاں لے کر آیا۔سب سے پہلے جو بزرگ ٹیکسلا آئے ان کا اسم گرامی "میاں عبدالقادر" بتایا جاتا ہے اُن کے صاحبزادے میاں محمد اعظم کے دو بیٹے تھے اُن میں سے ایک "میاں نور محمد صاحب" مرکزی جامع مسجد کے امام وخطیب بنے اور دوسرے "میاں محمد جی" مانسہرہ ہزارہ کے پٹواری تھے جن کے فرزند "میاں فضل دین" تھے "میاں فضل دین" کو "میاں پھجا" بھی کہا جاتا تھا انگریز فوج سے ریٹائرڈ جمعدار تھے۔ اس بناء پر انگریز حکمرانوں سے کافی زمین اپنے نام الاٹ کروائی جو "ہنجیرہ قبرستان" کے قریب واقع ہے۔ان کے تین بیٹے استاد محمد جان، استاد عبدالعزیز اور سرور تھے جو ٹیکسلا کے محلّہ گھیلا خورد کی" گلی استاداں والی" میں ہی قیام پذیر رہے اُن میں سے غالباً کوئی بھی کسی مسجد کے امام وخطیب نہیں رہے بلکہ عصری تعلیم حاصل کر کے اپنا اچھا وقت گذارتے رہے۔ان کی اکثر اولاد یہاں سے منتقل ہو گئی ہے۔البتہ "استاد عبدالعزیز" کے تین بیٹے اور "استاد محمد جان" کے دو تین پوتے اسی آبائی گلی میں تاحال مقیم ہیں۔

اول الذکر مرکزی جامع مسجد کے امام وخطیب "میاں نور محمد صاحب" کے چاروں فرزند شہر کے وسط میں واقع چار مسجدوں میں امامت وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔اُن میں سے "میاں امیر احمد صاحب" کے صاحبزادے "علاؤالدین صاحب" مرحوم 1936ء میں مرکزی جامع مسجد میں امام وخطیب تعینات ہوئے اور 1980ء کی دہائی میں بوجہ ضعف وبیماری اس ذمہ داری سے الگ ہوئے۔

مذکورہ چاروں بزرگوں کی اولاد واحفاد میں سے فی الوقت کوئی ایک بھی اکابر کے معمولات کا امین نہیں ہے البتہ ربیع الاول کے میلاد النبی ﷺ کے جلوسوں کا اہتمام اور اپنی قیام گاہ پر مستقل، ہفتہ وار مجلس ذکر کا انعقاد کرتے ہیں۔ جو پیر علاؤالدین صدیقی نیریاں شریف کے سلسلہ میں مروّج ہے اسلئے کہ مولانا علاؤالدین صاحب کے پوتے اس سلسلہ میں بیعت ہیں۔

چوتھا مذہبی وعلمی خاندان موہڑہ شاہ ولی شاہ میں آباد" قاضی خاندان" شمار ہوتا ہے جن کے جدامجد قاضی نور محمد غالباً فاضل دیوبند تھے۔کتابوں کا قابل ذکر ذخیرہ بھی ان کے پاس موجود تھا اسی محلّہ کی مسجد میں فرائض انجام دیتے رہے ان کی اولاد میں سے " قاضی محمد رفیق صاحب" بلا کے حافظہ والے تھے اور بیسیوں کتابوں کے حوالے زبانی نہایت روانی سے بیان کرتے۔کسی واقعہ میں جیل کاٹنے کے بعد واہ فیکٹری میں ملازم ہو گئے اور تاحیات مذہبی وتحریکی سرگرمیوں میں بھی حتی الوسع شرکت کرتے رہے۔خاندان کے ایک اور سپوت بھی بھرپور مجاہدانہ زندگی گذار کر کا اپنا مقصد زندگی حاصل کر کے رب کے حضور پہنچ گئے۔فی الوقت خاندان کا کوئی اور وارث مذہبی سرگرمیوں کیلئے قابل ذکر نہیں ہے۔

پانچواں مذہبی خاندان ٹیکسلا کے محلّہ مکراں میں ہزارہ سے منتقل ہو کر آباد ہونیوالا "استاد یٰسین صاحب" کا قابل ذکر ہے جو انیسویں صدی کے آخر میں یا بیسویں صدی کی ابتداء میں غالباً 1880ء میں تشریف لائے اُن کی اولاد میں سے بڑے بیٹے "استاد غلام ربانی صاحب" کی مذہبی وتعلیمی خدمات قابل قدر ہیں آپ کی اکثر اولاد نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا۔اور اب تیسری نسل اپنی حدتک مصروفِ عمل ہے۔دوسرے فرزند "استاد غلام محی الدین صاحب" خود بھی کسی حدتک ملازمت کے ساتھ ساتھ مذہبی سرگرمیوں میں مصروف رہے البتہ ان کے اکلوتے صاحبزادے "استاد غلام جیلانی" نے زیادہ کام کیا اور اب ان کے ایک فرزند بھی عالم دین بن کر مصروف عمل ہیں۔اِن حضرات کی خدمات کی تفصیل آئندہ صفحات پر آتی رہے گی۔

چھٹا خاندان "محلّہ عنایت شاہی" کی مسجد میں امامت کے فرائض ادا کرنے کیلئے لایا جانیوالا "استاد عزیز الرحمٰن" صاحب کا ہے۔جو گاؤں بھیرہ نزد جولیاں سے تعلق رکھتا ہے۔سب سے پہلے استاد صاحب موصوف کے ماموں "استاد عبدالرحمٰن صاحب" مذکورہ مسجد میں متعین ہوئے۔اور انہیں رہائش کیلئے مستقل طور پر جگہ اسی محلّہ کے سنی سادات نے ہدیہ کی۔اپنے ماموں کی وفات کے بعد استاد عزیز الرحمٰن صاحب نے بھی کافی عرصہ تقریباً ربع صدی اُن کی نیابت کی۔آپ بہت علم دوست اور باذوق علمی شخصیت تھے۔اپنی معیشت کا انحصار اپنے کاروبار پر رکھا۔اُن کی اولاد میں سے اب ایک بھی جانشین مذہبی خدمات انجام نہیں دے رہا،البتہ اُن کے مرحوم بھائی "حافظ مبارک" صاحب کی اس پورے علاقہ کیلئے خدمات بے مثال ہیں سینکڑوں حفاظ ان کے شاگرد ہیں اور قابل ذکر تعداد اب بھی تدریس حفظ وتجوید قرآن کی خدمات انجام دے رہی ہے۔اولاد واحفاد میں بھی دینی ذوق موجود ہے اور غالباً ایک بیٹا اور پوتا حافظ قرآن بھی ہیں۔حافظ صاحب موصوف گذشتہ صفحات میں مذکورہ ملپور گاؤں میں طویل عرصہ حفظ کرانے کی خدمت انجام

دیتے رہے۔سموں کے علمی خاندان کے "مولانا محمد جان صاحب" سے والہانہ قلبی تعلق تھا اُن کے شاگرد بھی تھے اور حافظ صاحب کی کوئی گفتگو "استادجی فرماتے تھے" سے خالی نہیں ہوتی تھی۔

بیسویں صدی عیسوی سے پہلے کے علاقہ اور ٹیکسلا کے قابل ذکر با اثر مسلمان خاندان:۔

گذشتہ صفحات میں مذکورہ عرصہ کے روحانی، دینی و علمی مراکز کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے "بیسویں صدی" کے ایسے مراکز و شخصیات کے تذکرہ سے قبل دنیاوی لحاظ سے قابل ذکر افراد و شخصیات کا تعارف بھی حالات کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے تا کہ مذہبی طبقے کی خدمات کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔

انگریزوں کے برصغیر پر قبضہ سے قبل جو انیسویں صدی کے آغاز سے شروع ہوا وادی ٹیکسلا اور گردونواح میں سکھوں کے دور حکومت میں (جو یہاں 1849ء تک رہا) تین مشہور ریاستیں تھیں۔پہلی سب سے بڑی ریاست خانپور کے "گکھڑ" خاندان کی جو تقریباً دوسوا دوسو دیہات پر مشتمل تھی دوسری ریاست شمال میں منگ (کوٹ نجیب اللہ) خاندان اور جنوب میں موضع حصار کے چوہدریوں کا خاندان اس کے علاوہ مغرب میں واقع واہ گاؤں کا کھٹڑ خاندان بھی بہت با اثر تھا جن کی خانپور کے گکھڑ خاندان سے رشتہ داری تھی۔

غالب امکان کے مطابق یہ مذکورہ خاندان مسلمان حکمرانوں کے با اعتماد معاون و مددگار ہونے کی وجہ سے اِن علاقوں کے مالک بنائے گئے۔جواُن حکمرانوں کو افرادی قوت فراہم کرنے کے علاوہ ہر طرح کی مالی، جانی، اخلاقی مدد بھی مہیا کرتے تھے۔اس علاقہ سے سکھوں کی عملداری ختم کرانے کیلئے واہ کے کھٹڑ خاندان نے انگریز حکمرانوں اور افواج کو ہر طرح کی عسکری و مالی امداد فراہم کی جس کی وجہ سے 1849ء میں پنڈی سے لیکر حسن ابدال تک کا علاقہ سکھوں سے خالی کرا لیا گیا۔اور انگریز کی عملداری قائم ہوگئی۔انگریز حکمرانوں نے برصغیر کی آزادی بلکہ بعد تک اِس خاندان کی بھرپور سرپرستی کی حتٰی کہ آزادی سے قبل اِس خاندان کے "سر سکندر حیات" پنجاب کے وزیر اعظم بنے۔خاندان کے مختلف افراد کو خان بہادر، نواب بہادر، سر، سردار، اعزازی سیشن جج، اسسٹنٹ کمشنر، پولیٹیکل ایجنٹ، ڈسٹرکٹ کونسلر، منصف، میر منشی وغیرہ کے اعزازت اور عہدے دیئے گئے علاقہ بھر میں اس خاندان کا ہر طرح کا اثر و رسوخ رہا۔۔

علاقہ میں گجروں کی آمد:۔

روایات کے مطابق مغلیہ دور میں خانپور کے گکھڑ خاندان کی کسی حکم عدولی کی وجہ سے اُس وقت کے مغل بادشاہ نے برصغیر کے کسی علاقہ سے اپنی وفادار گجر برادری کو اِس علاقہ میں لاکر آباد کیا اور مذکورہ گکھڑ خاندان کی زیر قبضہ زمینوں میں خاصہ رقبہ گجر برادری کے قبضہ میں دیدیا۔اِس برادری کے سربراہ کو غالباً "بڈھا گجر" کہا جاتا تھا۔بعد میں گجروں کی چار اقسام میں بٹ جانے کے بعد جاٹ گجر، بجاڑ یا چاڑ، گھیلہ گجر، چھاچھی یا چیچی گجر یا بالفاظ دیگر طُرف چاڑ، طُرف مٹھا، طُرف بہادر اور طُرف گھیلہ امتیازی ناموں میں سے گجر جاٹ یا طُرف چاڑ اور طُرف مٹھا کو بڈھا گجر کی نسل سے ہی شمار کیا جاتا ہے۔

جو گھیلا کلاں سے اس علاقہ میں آکر گھیلہ خورد آباد کرنیوالے "گھیلا گجروں" سے پہلے ہی یہاں کی زمینوں کے مالک و قابض تھے۔"گھیلہ کلاں" مغل بادشاہ شاہ جہان کے دور میں گجرات کاٹھیاواڑ کے گجروں کو لا کر آباد کیا گیا اور وہاں کے سربراہ "ملک مالو شہید" کا بیٹا ملک سلیم ٹیکسلا آکر آباد ہوا۔

سکھوں کی عملداری کے دور میں مذکورہ گجر خاندانوں کا کوئی قابل ذکر کردار ہمارے علم میں نہیں آسکا البتہ انگریزوں کے دور حکمرانی میں گھیلہ گجروں میں سے وائسرائے کونسل کے رکن اور انعام خور "ملک گوہر دین" کا فعاّل کردار قابل ذکر ہے جو انہوں نے "ریاست حصار" کے چوہدریوں سے قتل کے ایک مقدمہ میں ان کے بھرپور تعاون، محلّہ عنایت شاہی کی مسجد کے تنازعہ میں اہل سنت کی امداد اور ٹیکسلا کے کشمیری خاندان کے قابل ذکر کردار ٹھیکیدار حاجی رحمت دین صاحب سے دوستی اور باہمی مشورہ سے ٹیکسلا میں سیاسی و سماجی خدمات، مرکزی عیدگاہ کیلئے نیلامی میں لی گئی زمین خرید کر وقف کرنے جیسے کاموں میں ادا کیا۔آپ کو انگریز حکمرانوں نے پانچ گاؤں اور دو مربعے الاٹ کئے۔آپکی نرینہ اولاد نہ تھی البتہ بھائی "ملک سردار" کی اولاد در اولاد ابھی تک ان مواضعات کی مالک و مختار ہے۔اسی طرح ان کے ایک بہنوئی "ملک کریم حیدر" بھی ٹھیکیدار تھے۔فتح جنگ کے جاگیر داروں نے اس علاقہ میں جو ناجائز قبضے زمینوں پر کئے ہوئے تھے اور اپنے بدمعاش کارندوں کے ذریعے تیار فصلیں بزور قوت چھین کر لے جاتے تھے۔اسی خاندان کے اک بہادر فرزند "بابا احمد" نے ان سے 1863ء میں لڑائی کرکے آزاد کرائے۔مزارعین کو ان کے ظلم سے نجات دلائی، اس لڑائی اور قبضہ کا مقدمہ دہلی میں "وائسرائے ہند کے پاس چلا گیا اور وائسرائے نے بابا احمد کے حق میں فیصلہ دے دیا۔اس لئے کہ موصوف جنگ کیلئے انگریز کو اسلحہ، گھوڑے اور افرادی قوت مہیا کرتے تھے۔انہی خدمات کی وجہ سے نسلاً بعد نسلٍ گجر خاندانوں میں انگریز حکمرانوں کے ذیلدار جیسے با اختیار نمائندے کے بعد دوسرے درجے کے "نمبردار" کافی پائے جاتے ہیں۔

گھیلا گجروں سے پہلے آباد گجروں کی نسل میں سے ملک اسماعیل صاحب ایک آدھ بار کونسلر بھی بنے اور ملک امیر عالم صاحب بہت با اثر اور فعال تھے حکمرانوں سے بھی تعلقات تھے

اور مقامی با اثر شخصیات اور خاندانوں سے بھی۔ایک لحاظ سے انہیں "بادشاہ گر" بھی کہا جاسکتا ہے۔کئی اہم مواقع پر آپنے بہت موثر کردار ادا کیا۔بعض واقعات کا تذکرہ آئندہ صفحات میں آجائے گا۔

جو گجر خاندان مذکور ہو چکے ہیں وہ مسلمان حکمرانوں کے دور میں یہاں آباد ہوئے۔سکھوں کے دور حکومت میں گجروں کا بجاڑ قبیلہ دریائے سواں کے کنارے آباد ایک قصبہ سے آکر ٹیکسلا کے جنوب میں واقع موضع پنڈ گوندل میں آباد ہوا،سکھ حکومت سے مالیہ کے عوض زمین لی لیکن مقامی سکھوں نے مزاحمت کی بہرحال لڑائی کے بعد گجر خاندان نے قبضہ کرلیا۔

یہ خاندان بنیادی طور پر سنٹرل ایشاء سے تعلق رکھتا ہے۔وہاں سے آکر باجوڑ ایجنسی میں آباد ہوئے پھر چلتے چلاتے یہاں پہنچ گئے ایک لحاظ سے پرانے آباد گجروں کے مقابلے میں "یہ مہاجر گجر" تھے جو باہر سے آکر آباد ہوئے۔

اس خاندان کے ملک عالم شیر صاحب نے ٹیکسلا شہر میں آباد گھیلا گجروں کے ہاں شادی کی سسرال نے مرکزی مسجد کے شمال میں مکان بنا کردیا اور کافی زمین بھی دی آج اس مکان میں شہر کا مشہور دینی مدرسہ "سراج المدارس" کے نام سے علوم دینیہ کے فروغ میں مصروف ہے بلکہ "سلسلہ نقشبندیہ مجدّدیہ" کی خانقاہ بھی ہے جس کا تفصیلی تذکرہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

یہاں آباد اس گجر گھرانے کی دو خواتین بھی حافظہ تھیں جن کے والد "ملک سردار" بھی حافظِ قرآن تھے جو زمینوں میں ہل چلاتے ہوئے خوش الحانی سے تلاوت کرتے تھے۔ان ہی میں سے نیک طینت افراد کی اولاد میں سے "ملک عالم شیر" کے پوتے "حاجی ملک محمد سلیمان صاحب ولد ملک نور دین" ٹیکسلا کی مشہور و معتبر شخصیت تھے۔اولاد کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا، رفاہی کام، غریب پروری، صلح جو کردار ادا کرکے اچھی شہرت کے مالک بنے۔ایک بیٹے ملک کریم حیدر کو مولانا محبوب عالم صاحب کے مشورے پر شیخ محمد جان کے ہمراہ بہاولپور تعلیم کے لئے بھجوایا۔جس نے ایف اے کے بعد فوج میں نوکری کرلی اور جمعدار بنا۔آپکے ایک پوتے ملک فخر الدین نے ہالینڈ سے ایم، بی، اے کیا مختلف ممالک میں رہے اور اب واپس اپنے شہر میں آگئے ہیں۔ایک دوسرے بیٹے ملک فضل دین تعمیراتی ٹھیکیدار تھے جنہوں نے 1890ء کے لگ بھگ انگریزوں کی سندھ میں چھاؤنی بنائی بل لینے سے قبل فوت ہوگئے تو انگریز حکمرانوں نے کم سن بیٹے کو بل جو غالباً 13 ہزار پانچ سو روپے تھا دلوا دیا۔

سرائے کالا کا پرانا شیخ خاندان:۔

سرائے کالا میں آباد ایک پرانا شیخ خاندان بھی قابل ذکر ہے جو سکھ مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوئے۔ان میں سے بابا "عبدالحق المعروف بابا ڈھیرو" زمیندار تھا۔اور سرائے کھولا اور کالا کی کافی زمینوں کا مالک تھا تجارت و بہادری میں بھی معروف تھا بلکہ "بستہ ب" میں نام بھی شامل تھا۔نرینہ اولاد نہ تھی شیخ سرور اور شیخ اللہ دین ان ہی کے خاندان سے تھے، شیخ اللہ دین کے والد پہلے فوج میں تھے واپس آکر ایک بس خرید لی تھی بابا ڈھیرو کے "اجی فیروز" پوٹھواری کے بیٹوں شیخ محبوب اور شیخ یعقوب سے بہت قریبی تعلقات تھے۔اور اپنی ساری زمین ان کے نام کرادی تھیں۔یہ شیخ خاندان باجرے کا کاروبار کرتا تھا اور دور دور تک سپلائی کا کام تھا۔اسی خاندان کے دو سپوت شیخ محبوب اور شیخ ساجد بلدیاتی اداروں میں کونسلر بھی منتخب ہوئے۔

سادات خاندان:۔

مذکورہ گجر اور شیخ برادری کے علاوہ شہر کے مشرقی حصہ میں آباد "سادات برادری" غالباً سابقہ صفحات میں مذکور پیر حید صفدر کے یہاں آباد ہونے پر ہی ٹیکسلا آئی ہوگی۔معلومات کے مطابق ان کے جدامجد "شاہ ولی شاہ" تھے جن کے پڑپوتے "شاہ رحمٰن ولد سید احمد شاہ" ٹیکسلا کی معروف شخصیت تھے۔وہ انگریز کے خطاب یافتہ اور غالباً ان کے والد ضلع کونسل کے رکن تھے۔شاہ صاحب موصوف انگریز فوج میں بھرتیاں بھی کراتے تھے۔فی سپاہی پانچ روپے انگریز حکمران معاوضہ دیتے تھے جبکہ اس وقت سپاہی کی ماہانہ تنخواہ 14 روپے مقرر تھی اور اپنے دور میں شہر کے صرف دو میٹرک پاس نوجوانوں میں شامل تھے جبکہ دوسرے ٹھیکیدار "شیخ رحمت دین صاحب" جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

موصوف لاولد تھے البتہ ان کے بھائی سجاد شاہ کی اولاد سید مصطفیٰ حسین شاہ اور سید ریاض حسین شاہ ٹیکسلا کی معروف شخصیات بنیں۔یہ خاندان سردار کہلاتا ہے۔اور یہ دونوں بھائی بلدیہ اور یونین کونسل کے چیئرمین اور ناظم بھی رہے اوّل الذکر غالباً 67-1966ء ڈسٹرکٹ کونسل کے ممبر بھی رہے۔اور یہ کوشش ملک میر عالم صاحب نے بلدیاتی انتخاب کے دوران کی تھی۔

آئندہ صفحات میں موصوف کا تذکرہ بعض معاملات کے ذکر میں آئے گا۔

ان کے علاوہ "باوا امداد شاہ صاحب" بھی قابل ذکر شخصیت ہیں جو صلح کل، امن پسند، اور طبقہ شرفاء میں شمار ہوتے تھے انگریز کے دور میں جنگلات کے "بہروزہ" کے ٹھیکے لئے ہوئے تھے۔کافی مالدار تھے لیکن نرینہ اولاد نہ تھی۔انگریز کے دور میں اسی "سادات برادری" کے "کرم حسین شاہ" صاحب پہلے "ذیلدار" مقرر ہوئے ان کے بیٹے "غلام اصغر شاہ

" بھی ذیلدار تھے جنھوں نے اپنی اولاد کواعلٰی تعلیم سے فیضیاب کیا۔ایک صاحبزادے " کرنل رضا" تھے جنہوں نے 81-1980ء میں " شیعہ، سنی" تصادم کے بعد دوقتل ہونے کے نتیجے میں پیداشدہ کشیدگی ختم کرانے کیلئے بہت مثبت کردارادا کیا، "مصالحت کرائی "امن کمیٹی قائم کی اور نفرت کی فضا کوختم کرایا۔دوسرے صاحبزادے "سید صغیر حسین شاہ" قومی اتحاد کی طرف سے صوبائی اسمبلی کے امیدوار بھی بنے۔اورتیسرے فرزند "سید صفدر شاہ ذیلدار" ٹیکسلا کی برادریوں کی ہردلعزیز شخصیت تھے بڑے بڑے حکومتی عہدیداروں سے قریبی تعلقات تھے۔سیاسی طور پر بھی بہت بااثر تھے اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کیلئے کوشاں رہتے تھے۔چونکہ "ذیلدار" کے خطاب کے ساتھ انگریز حکومت کی طرف سے کافی زیادہ زمین ملا کرتی تھی اس لئے یہ خاندان اس لحاظ سے بہت وسیع رقبہ کا مالک تھا۔ذیلداری کی نسبت سے خاندان کے کئی افراد نمبردار بھی مقرر ہوئے۔

" کرم حسین ذیلدار صاحب" کے بھائی "نظام دی شاہ عرف بگا شاہ" بھی بڑے علم دوست اور سمجھدار شخص تھے ان کے دو بیٹے بڑے اونچے سرکاری عہدوں پر فائز ہوئے اب پوتوں میں سے بھی ایک جج اور ایک وکیل ہیں آپ کے کشمیری ٹھیکیدار حاجی رحمت دین صاحب سے بہت قریبی تعلقات تھے۔

مذکورہ بزرگ پیر حیدر صفدر صاحب کے علاوہ دوسرے بزرگ جوشہر کے شمال مغرب میں مقیم تھے ان کا خاندان "مشہدی" کہلاتا ہے۔اوراس خاندان میں سے بھی ایک شخص "بلدیاتی کونسلر" منتخب ہوا۔اس کے علاوہ ڈھیری شاہاں میں آباد سادات برادری میں سے بھی نمبردار خاندان اور کونسلر منتخب ہونے والے بااثر اشخاص تھے جن کا تذکرہ بھی آگے آئے گا۔

موہڑہ شاہ ولی شاہ سے سادات گھرانے کا ایک منفی شہرت کا حامل کردار بھی قابل ذکر ہے جواپنے زور بازو کے بل پر پسماندہ خاندانوں کے نوجوانوں کواپنی اراضی وغیرہ سے کاموں کیلئے بیگار پرلے جاتا تھا اور معمولی معاوضہ یا کچھ بھی نہ دے کرواپس بھیج دیتا دوسرے لفظوں میں ان سے غلاموں جیسا سلوک کیا جاتا۔علاقہ بھر کے اوراسی طرح کے مقامی بدمعاش افراد موصوف حلقہ اثر میں شامل تھے۔اسی رویے اور زعم میں موصوف نے آخری عمر میں کشمیری خاندان کے ایک محنت کش کوسرائے کالا زیارت کے قریب تیل بیچنے سے منع کیا۔حکم عدولی پراُسے سبق سکھانے کیلئے "حواریوں" کے ہمراہ موقع پر گیا قدرت مظلوموں کے انتقام لینے کا فیصلہ کرچکی تھی وہاں موجود گجر برادری اور گھیلہ کی شیخ برادری کے جرات مند نوجوانوں نے "سرعام" موصوف کی پٹائی کردی۔کوئی "حواری" مزاحمت نہ کرسکا اس "عزت افزائی" کا دکھ لئے موصوف اپنے گھر میں نظر بند بنے اوراگلے جہان حساب دینے کیلئے روانہ ہوگئے۔اس واقعہ کے درعمل میں موصوف کے علاقائی حواریوں نے بے عزتی کے ذمہ دارافراد کو "پیتل چوری" کے ایک بے بنیاد مقدمے میں پھنسوا کر انتقام لیا۔اس طرح باہمی دشمنی کی ایک بنیاد پڑ گئی۔

سادات کا ایک اور خاندان " گڑھی سیداں" ضلع ہزارہ سے آکر محلّہ مکراں میں آباد ہوا۔ان کا تعلق بھی پیر "حیدر صفدر" کے خاندان سے ہی تھا۔اس خاندان کے "سید رنگ شاہ صاحب" بھی ٹھیکیدار تھے اور مالی پوزیشن بھی مستحکم تھی ان کے دادا مذکورہ گاؤں سے آکر یہاں مقیم ہوئے تھے۔ان کے دوسرے بھائی "سید طالب شاہ" صاحب جن کے صاحبزادے سید محمود حسین شاہ صاحب موجود میونسپل کمیٹی کے چیئرمین ہیں اور پہلے بھی کچھ عرصہ کیلئے یونین کونسل ٹیکسلا کے عبوری چیئرمین رہے تھے۔ان کے بارے میں تفصیلی تذکرہ آئندہ صفحات میں دینی حلقے کی خدمات کے ضمن میں آئے گا۔ایک لحاظ سے ٹیکسلا میں آباد پہلے مذکورہ سادات خاندانوں "ذیلداروں" اور "سرداروں" کے مقابلے میں یہ "مہاجر سادات" تھے۔

رنگ شاہ صاحب کے بیٹے "ملازم شاہ صاحب" متوازن مزاج کے حامل تھے اولاد کواچھی تعلیم دلوائی ان کے بیٹے مہتاب حیدر اخبارات میں اچھے تحقیقی، تجزیئے لکھتے ہیں۔دوسرے بیٹے بھی تعلیم یافتہ ہیں۔

سادات برادری میں سے حیدر شاہ صاحب بھٹے والے جوڈسٹرکٹ کونسل کا انتخاب بھی لڑتے تھے۔قابل ذکر ہیں غالبًاان کے والد سردار سیدن شاہ تھے جنہوں نے انگریز فوج میں بھرتیاں کرائیں، بھرتیاں کرانے والوں میں اکبر شاہ صاحب کا نام بھی ملتا ہے۔اسی طرح موہڑہ شاہ ولی شاہ میں نمبردار لال شاہ صاحب بھی تھے جوصفدر شاہ صاحب ذیلدار وغیرہ کے پھوپھا تھے۔اور یہ بھی لاولد تھے۔ایک اور مشہور کردار "باجی شاہسوار" بھی تھے جن کی اولاد "ادا منور" وغیرہ تھے۔یہ بھی حاجی رحمت دین صاحب کے قریبی دوستوں میں شامل تھے۔

اسی طرح گھیلا خورد میں جیون روڈ پر سادات برادری کا ایک خاندان "فقیر شاہ صاحب" کا بھی ہے جنہوں نے بیسویں صدی کی ابتداء میں سب سے پہلے ٹرانسپورٹ کا کاروبار شروع کیا تھا۔پشاور کے دوسکھ بھائیوں سے قسطوں پر گاڑیاں (ٹرک) لیتے تھے بقول ان کے سپوتوں کے گھیلا کے مشہور کشمیری ٹرانسپورٹراُن کے ساتھ بطور کنڈکٹر کام کرتے تھے۔39-1938ء میں بابا مظفران کے ڈرائیور تھے اوران سے مشہور حیدر چاچا لاری والے نے 1939ء میں ایک ٹرک لیا تھا۔اسی طرح شیخ کریم بخش صاحب کے بھی اپنے دوٹرک تھے اور یہ فقیر شاہ صاحب کے بعد دوسرے ٹرانسپورٹر تھے، فقیر شاہ صاحب 1965ء میں 81 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ان کومولانا محبوب عالم صاحب نے اپنے 1938ء کے دعوت نامے میں شاہ فقیر ڈرائیور لکھا تھا ویسے انہیں فقیر شاہ لاریوں والا کہا جاتا تھا۔یہ خاندان مسلکاً سنّی تھا۔

ٹیکسلا میں آمدہ کشمیری مہاجرین خاندان:۔

ڈوگرہ راج میں حکمرانوں کے مظالم سے تنگ آئے ہوئے کئی مسلمان خاندان 34-1833ء کے لگ بھگ کشمیر کے مختلف علاقوں سے ہجرت کر کے ٹیکسلا کے مشرقی اور مغربی حصہ میں آباد ہوئے۔ہجرت کر کے آنے کا یہ سلسلہ 1857ء تک جاری رہا ۔غریب مزدور اور محنت کش لوگ مختلف کاموں میں مصروف ہوگئے اور ان میں سے جلد ہی موثر حیثیت حاصل کر لینے والے قابل ذکر چند خاندان وشخصیات حسب ذیل ہیں۔

گھیلا کے شیخ ،ٹھیکیدار خاندان:۔

گھیلا خورد میں آباد " شیخ خاندان " بہت مشہور ہے جو آگے چل کر " بااثر خاندانوں " میں شمار ہوا اور جس کے سپوت بلدیاتی اداروں کے چیئرمین اور وائس چیئرمین کے عہدوں تک پہنچے۔ملکی حکمرانوں تک رسائی کے علاوہ بین الاقوامی سطح تک بھی تعلقات بنائے۔روایات کے مطابق ان کے آباءواجداد راجپوتانہ سے کشمیر مغلوں کے ابتدائی دور میں آئے۔یہ پہلے "راجپوت" تھے اور مسلمان ہوکر " شیخ" کہلوائے۔سکھوں کے خلاف حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے جہاد کے دوران یہ خاندان دوسرے ہم وطنوں کے ہمراہ بالاکوٹ کے مقام پر شریک جہاد ہوا اور شکست کے بعد 300 افراد گھیرا توڑ کر اور جان بچا کر ادھر ادھر روانہ ہوگئے۔ان میں اس خاندان کے جدامجد کرم دین عرف " کمّا " بھی اپنے دو بھائیوں کے ہمراہ شریک تھے۔روایت کے مطابق ان میں سے ایک بھائی وطن لوٹ گئے ،ایک غالباً گڑھی حبیب اللہ میں کچھ دن قیام پذیر رہ کر وفات پا گئے اور کرم دین صاحب اپنے خاندانی پیروں کے ہاں "موضع داتا نزد مانسہرہ" چلے گئے اس دوران اس وقت کشمیر کا ظالم سکھ حکمران جمعدار خوشحال سنگھ تبدیل ہوا تو کچھ دیر امن قائم ہو جانے پر کرم دین صاحب نے آبائی گاؤں سے بیوی بچوں کو بھی داتا بلوا لیا۔

آپ کو چند دن بعد پیر صاحب نے حکم دیا کہ " گاندھیاں " میں ہمارے زمینیں ہیں تم وہاں جا کر مزارعت کر و اپنا پیٹ بھی پالو اور ہمارا حصہ بھی ہمیں بھیجتے رہو۔1833ء میں آپ اپنے دو بیٹوں کمال دین ،جمال دین اور ایک بیٹی کے ہمراہ گلو بانڈی وغیرہ سے ہوتے ہوئے ٹیکسلا آگئے۔کرم دین صاحب محنتی اور ہنرمند تھے ،کپڑے بننے اور صابن بنانے میں بھی مہارت تھی اور مزارعت بھی کر لیتے تھے ،چنانچہ ٹیکسلا میں محنت مزدوری سے اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتے رہے۔کمال دین بھی والد کے ساتھ شریک کار رہے۔آپ بھی بڑے لائق اور محنتی تھے اور گھیلا کے گجروں سے زمین لے کر کاروبار شروع کر دیا۔کمال دین صاحب کے ہاں غالباً 1855ء میں بڑے بیٹے " فضل دین عرف پھجا " اور 1860ء میں چھوٹے بیٹے حیات محمد پیدا ہوئے جو بڑے ہوکر آپ کے ساتھ روزی کمانے میں مصروف ہوگئے۔فضل دین صاحب حصول تعلیم کیلئے سرہند بھی گئے تھے لیکن بوجہ بیماری تعلیم پوری کئے بغیر واپس آگئے تھے بڑے طاعون میں بیمار بھی رہے لیکن خدا نے صحت دے دی۔مارگلہ ٹنل میں مزدوری وٹھیکیدار کرتے رہے آپ کی وفات بعمر 92 سال میں 1952ء میں ہوئی۔

فضل دین صاحب کو خدا نے تین فرزند صوفی ابراہیم صاحب ،محمد صاحب ،اور شیخ کرم الٰہی صاحب عطاء کئے جن میں " محمد " کی نرینہ اولاد نہ تھی صرف ایک بیٹی تھی جو لاولد فوت ہوئی۔صوفی ابراہیم صاحب صوفی خالد صاحب کے والد تھے۔آپ جوانی میں ہی 1932ء میں وفات پا گئے۔چونکہ آپ کا "سمّوں خاندان" کے مذہبی خاندان سے قریبی تعلق تھا ،غیر شرعی کاموں سے اجتناب کرتے تھے اسلئے "صوفی" کہلائے۔آپ حاجی رحمت دین صاحب کے داماد تھے۔شیخ کرم الٰہی صاحب کے بارے میں تفصیل آگے آئے گی۔

حیات محمد صاحب جو بعد میں ٹھیکیدار کہلائے محنت کش اور سمجھدار آدمی تھے مارگلہ ٹنل میں مزدوری کرتے ہوئے محنت کشوں کے انچارج بھی بن گئے ،ٹھیکے بھی لئے ،انگریزوں سے دوستی بھی ہوگئی۔اس لئے کہ انگریز ریلوے لائن جلد از جلد پشاور اور لنڈی کوتل وغیرہ پہنچانا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے کام کی رفتار تیز کرانے کیلئے مزید مزدور فراہم کرنے کا ٹھیکہ بھی ان بھائیوں کو دیا اور معاوضہ پانچ پیسے روزانہ فی مزدور طے ہوا چنانچہ اس طرح یہ بھائی جلد ہی متمول اور خوشحال ہوگئے۔یہ 1896ء کی آخر کی بات ہے۔آپ کے تین صاحبزادے تھے حاجی رحمت دین صاحب ،شیخ محمد دین صاحب اور شیخ علاؤالدین صاحب۔مؤخر الذکر دونوں بھائیوں کی والدہ الگ تھیں۔اُس دور میں میٹرک پاس صرف دو نوجوانوں میں سے ایک حاجی رحمت دین صاحب تھے اور دوسرے شاہ رحمٰن تھے جن کا ذکر ہو چکا ہے۔

حیات محمد ٹھیکیدار کے نام والے جو اور خاندان بھی گھیلہ خورد سے تعلق رکھتے تھے ایک کے والد مسمّٰی "رستما" بارہمولہ سے ہجرت کر کے ٹیکسلا آباد ہوئے تھے ان حیات محمد ٹھیکیدار صاحب کے دو بیٹے تھے ایک میر احمد صاحب جو لاولد تھے اور دوسرے ٹیکسلا کے مشہور سیاسی وسماجی " کھڑ پینچ " محمد دین صاحب تھے جنہیں " محمد ٹھیکیدار " کہا جاتا تھا۔آپ کے ایک بیٹے محمد یونس بھی لاولد تھے البتہ چھوٹے فرزند " ٹھیکیدار محمد یعقوب صاحب " صاحب اولاد کثیرہ ہیں اور والد صاحب کی طرح ٹیکسلا کا قابل ذکر کردار ہیں۔دو دفعہ بلدیہ ٹیکسلا کے وائس چیئرمین رہے (1983 سے 1991ء)۔اس سے پہلے 1979ء سے 1982 تک فعال کونسلر کے طور پر کام کرتے رہے آپ معاشرے کے ممتاز اور معزز افراد میں شمار ہوتے ہیں۔یہ خاندان بھی متمول تھا ،ٹرانسپورٹ کا کام کرتا تھا بالخصوص پنڈی ہزارہ ٹرانسپورٹ میں حصہ داری تھی۔پہلے محمد دین صاحب ڈائیریکٹر رہے اور ان کی وفات

1963ء کے بعد صاحبزادہ موصوف ڈائریکٹر بنے۔ٹھیکیدار محمد یعقوب صاحب نے اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کیا جو اچھے عہدوں پر فائز ہیں۔بیٹیوں کو بھی اسی طرح اچھی تعلیم دلوائی ایک بیٹی اور پوتی ڈاکٹر ہیں اسی طرح ایک بہو بھی۔

حیات محمد ٹھیکیدار کے نام سے تیسرے قابل ذکر شخص شہر کی موجودہ ہر دلعزیز شخصیت شیخ صوفیان مسعود صاحب کے آباؤ اجداد میں سے ہیں جو 2001ء سے سیاسی،سماجی،رفاہی، مصالحتی کردار بھرپور انداز سے ادا کر رہے ہیں۔جنرل مشرف دور کے بلدیاتی نظام میں ٹیکسلا کے تحصیل نظام کے قریبی ساتھی رہ کر عوامی فلاح و بہبود کے کام کرتے رہے۔خود بھی یونین کونسل گھیلا خورد کے ناظم،پہلے پانچ سال تحصیل کونسل کے رکن اور اگلے پانچ ڈسٹرکٹ کونسل کے رکن رہے آپ کے ایک ماموں شیخ طارق محمود صاحب 1988ء میں بلدیہ کے چیئرمین بنے جبکہ دوسرے شیخ جاوید محمود دو تین دفعہ کونسلر رہے اور خالہ زاد بھائی ذیشان صدیق بٹ صاحب موجود میونسپل کمیٹی کے وائس چیئرمین ہیں۔

آپ کے والد محترم شیخ محمد داؤد صاحب بھی 1966ء میں کونسلر رہے اور برسر اقتدار گروپ میں فعال کردار ادا کیا۔مرحوم بھی معاشرے کے معزز اور مقبول رہنما تھے۔ان کے والد صاحب کا نام مہتاب دین تھا جو حیات محمد ٹھیکیدار مذکور کے بیٹے گلاب کے فرزند تھے اس زمانے میں جب بسوں کے روٹ کی قیمت خود بس کی قیمت سے زیادہ ہوتی تھی وہ ایک روٹ کے مالک تھے یعنی یہ خاندان بھی اس زمانے میں خوشحال گھرانہ تھا۔

گھیلا خورد کا ہرج ملک خاندان:۔

ان کشمیری مہاجرین میں سے ایک خاندان گھیلا خورد کے محلّہ پھلائیاں میں آباد ہوا جس کے نامور سپوت ٹیکسلا کی سیاسی و بلدیاتی انتخابی و انتظامی سرگرمیوں میں بہت فعال کردار ادا کرتے رہے ہیں یہ خاندان "ہرج ملک" کہلاتا ہے بنیادی طور پر یہ کشمیری ہی ہیں مذکورہ فعال افراد ماضی میں بابا مظفر،ملک بشیر احمد صدیقی،حاجی نذیر احمد،حاجی سعید اختر،ماما غلام فرید،نیک رشید احمد،ملک محمد صدیق وغیرہ تھے اور زمانہ حال میں سعید احمد صدیقی،کپتان نعیم اور طاہر محمود عرف طاہری (موجودہ کونسلر) ہیں۔ان کے آباؤ اجداد غالباً بابا غفار ملک فتح محمد اور ملک نور احمد تھے جن کے پانچ،چھ،چھ بیٹے طاعون میں وفات پا گئے اسی طرح ایک اور بزرگ "شرف الدین صاحب" بھی تھے جو غالباً 1895ء میں ٹیکسلا آئے جن کے فرزند اسلام الدین کے چار بیٹے تھے جن کے نام غلام محمد عرف گاما،فضل دین عرف پھجا،کرم دین عرف کما،محمد دین عرف بابا محمد تھے۔غلام محمد گاما کے دو بیٹے عبدالرحمٰن اور بابا احمد تھے۔عبدالرحمٰن کے دو فرزند ماما غلام فرید بذات خود کونسلر بھی رہے اور حاجی سعید اختر صاحب کے سرپرست اور دست راست بھی۔بابا احمد کے فرزند بابا مغل کے نام سے مشہور تھے۔کرم دین عرف کما کے بھی غالباً تین چار بیٹے تھے جن میں سے بابا حیدر لاری والا مشہور شخصیت بنے اور ان کی اولاد میں سے ملک بشیر احمد صدیقی اور حاجی نذیر احمد صاحب کونسلر بھی رہے اور بلدیاتی سیاست میں بہت فعال کردار ادا کیا جبکہ دوسرے دو فرزندوں کا نام منیر اور رفیق تھا۔کرم دین موصوف کے باقی بیٹوں کے نام نور احمد اور نور محمد مستری ہیں۔نور محمد مستری صاحب مستری یونس اور سرور کے والد ہیں۔

موہڑہ شاہ ولی شاہ کے بٹ اور کشمیری ٹھیکیدار خاندان:۔

شہر کے مشرقی حصہ "موہڑہ شاہ ولی شاہ" میں کشمیری مہاجر خاندان کا قابل ذکر فرد "نادر دین ٹھیکیدار" ہے جو پشاور تا راولپنڈی ریلوے لائن بچھتے وقت حکومت کا منظور شدہ ٹھیکیدار تھا۔کانوں سے پتھروں کی نکاسی اور بار برداری کے ٹھیکے بھی تھے جس کیلئے لاتعداد گدھے پال رکھے تھے۔پہلی جنگ عظیم میں انگریز سرکار کی بھرپور مدد کی اس طرح ان کا بھی منظور نظر،سفید پوش اور بااثر شخص بن گیا۔دولت مند ہونے کی وجہ سے خاص رکھ رکھاؤ کا مالک تھا۔ملک گوہر دین صاحب ان ہی کی سفارش پر انگریز کے انعام خور بنے۔نرینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے جب 1942ء میں سو سال کی عمر میں فوت ہوا تو مذکورہ ٹھیکہ محلے کے ایک شخص "بابا میر الف دین" کو مل گیا اس لئے کہ موصوف کے اپنے سگے بھائیوں سے حالات کشیدہ تھے جن کے نام فتح دین اور کرم دین تھے۔فتح دین بھی لاولد تھا البتہ کرم دین جو خود بھی ٹھیکیدار تھا صاحب اولاد تھا۔

نادر دین صاحب کے ٹھیکوں کے حامل "میر بابا الف دین صاحب" بھی امیر اور بااثر شخصیت بن گئے ان کی اولاد میں سے دو فرزند قتل کے ایک مقدمے میں بے گناہ پھنسا دیئے گئے۔ایک کو پھانسی کی سزا ملی دوسرے میر غلام حیدر کو کالا پانی کی آف شور سزا۔تیسرے صاحبزادے میر عبدالرحمٰن اکیلے وارث رہ گئے۔ان کی بھتیجی کا رشتہ گھیلہ کے شیخ خاندان کے نامور سپوت شیخ بابو خورشید احمد سے ہو گیا اسطرح موہڑے کا کشمیر خاندان گھیلہ کے کشمیری کا "سسرال" بن گیا اور آنے والے پس منظر میں "سادات" کے بعد گھرانوں کے مقابل یہ خاندان مؤثر فریق بن گئے۔

نادر دین صاحب کے علاوہ "میر شرف دین" صاحب بھی ریلوے کے کام میں مزدور پیشہ تھے جن کے آباؤ اجداد میں سے "میر وہاب" بھی کشمیر سے ہی ہجرت کر کے آئے تھے ,میر شرف دین کے بیٹے "غلام محمد صاحب" کی اولاد میر غلام مرتضیٰ،میر محمد اقبال،میر محمد اسلم اور میر پرویز معاشرے کے ممتاز افراد بنے جبکہ ان کے بھائی "میر گلاب" صاحب کے صاحبزادے میر محمود سلطان اور میر شوکت محمود بھی امتیازی حیثیت کے مالک تھے اور ہیں۔اسی خاندان کے ایک بابا گوہر دین بھی وڈیرے اور مالدار تھے جو آگے مذکور موسیٰ خان

کے بھانجے تھے اور ٹرانسپورٹ کمپنی سے پہلے ہی ایک بس کے مالک تھے البتہ لاولد ہونے کی وجہ سے مزید تفصیل کا علم نہیں۔

موہڑہ شاہ ولی شاہ میں ایک اور بٹ کشمیری خاندان بھی 1940ء کے لگ بھگ آباد ہوا۔ جس کے سربراہ حاجی نور محمد صاحب تھے جو ٹیکسلا کے پہلے حاجی تھے ان کے بیٹوں جمال دین اور کرم دین کی اولاد "تجارت" اور "دکانداری" کے ذریعہ معاش کے حامل بنی۔ قابل ذکر افراد حسن دین بٹ، سرور دین بٹ، فضل دین بٹ اور ان کے چچازاد فیروز دین بٹ اور اکبر دین بٹ اور اسی طرح چاچا مولا اور ان کے فرزند محمد سلیم، عبدالرشید، محمد صدیق وغیرہ ہیں۔ جو اب بھی مشہور دکاندار ہیں جناب اکبر دین بٹ صاحب 1985ء کے بعد چوہدری نثار علی خان صاحب کے قریبی ساتھی کے طور پر "سیاسی سرگرمیوں" میں بھرپور کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ خاندان پہلے مذکور "مٹھا خاندان" کا قریبی رشتہ دار ہے۔

موہڑہ کے ملحقہ علاقے محلہ مجاور اور عنایت شاہی میں ایک اور "میر خاندان" بھی آباد تھا جن کے جد امجد موسیٰ خان صاحب تھے ان کے تین بیٹے شیر خان، گلاب خان اور اللہ دتہ مستری تھے مؤخر الذکر میں مسجد محلہ عنایت شاہی کے تنازعہ میں اہلسنت کی طرف سے مؤثر اور جرات مندانہ کردار ادا کیا۔

گھیلا خور د میں ہی مین بازار میں مسجد کی عقبی گلی میں "بابو علی" کے نام سے مشہور ایک اور بااثر "بھلے مانس" اور معتبر شخصیت تھے۔ ان کا بھی خاصا حلقہ اثر تھا۔ شہر کے مشہور افراد سے ذاتی تعلقات تھے سیاسی دھڑابندی میں بھی موثر کردار ادا کرتے تھے، فرزند بھی پڑھے لکھے، سمجھدار اور سلجھے ہوئے افراد میں شمار ہوتے ہیں پوتے بھی سرکاری ملازمت میں اچھے عہدہ اور سیاسی طور پر متحرک فرد ہیں۔

انیسویں صدی کے حالات کا مختصر جائزہ:۔

اس صدی کی ابتداء میں انگریز کے تسلّط کی شروعات کے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ٹیکسلا اور گردونواح کا علاقہ "سکھوں" کی حکومت پر زیرنگین تھا۔ اور مذکورہ اکثر خاندان امن وسکون سے اپنے اپنے ذرائع معاش میں مصروف تھے اسی طرح مذہبی مراکز بھی خاموشی سے دینی علم کے فروغ میں لگے ہوئے تھے۔ اور روحانی پیشوا یعنی پیر حضرات اور مشائخ بھی۔ سکھوں سے عسکری مقابلہ کے سلسلہ میں پیر فاضل شاہ صاحب کی مساعی کا تذکرہ ملتا ہے جو غالباً 1820ء، 1828ء، اور 1829ء میں سکھ حکمرانوں سے لڑے۔ 1831ء کی سید احمد شہیدؒ اور سید اسماعیلؒ شہید کی سکھوں کے خلاف لڑائیوں میں اس علاقہ کا کوئی زیادہ کردار مذکور نہیں ہے۔ البتہ سید احمد شہیدؒ کی طرف سے ایک " اعطائی نامہ" بنام شاہنواز ولد قائم شاہ ساکن ڈھیری شاہ فتح خان جاری ہونے کا تذکرہ موجود ہے۔

اسی طرح 1857ء کی جنگ آزادی جسے انگریزوں نے "غدر" کا نام دیا اس کے بھی مثبت یا منفی اثرات کسی سے سننے میں نہیں آئے البتہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کے بعد غالباً علاقہ میں موجود علمی وروحانی مراکز کسی نہ کسی درجے میں ضرور منفی طور پر متاثر ہوئے ہونگے اور ان کی سرگرمیاں ماند پڑیں ہوں گی۔ ماحول کے مجموعی رویہ کے مطابق مذہبی قیادت بالخصوص "پیر خانوں" نے انگریز حکمرانوں کے ساتھ وفاداری کا رویّہ ہی اپنایا ہوگا۔

دنیاوی طور پر بااثر خاندانوں خاص طور پر واہ کے کھٹڑ خاندان نے جو خانپور کے گکھڑ حکمرانوں کے ساتھ رشتہ دار بھی تھے سکھوں کے خلاف لڑائی میں انگریز فوج کی بھرپور مدد کی تھی اور 1849ء میں سکھوں کی شکست کا سبب بنے اس طرح یہ خاندان انگریز کے منظور نظر ہو گئے۔ لازماً گجر خاندانوں اور سادات نے بھی انگریزوں سے تعاون کیا ہوگا جس کی وجہ سے انہیں بھی سرکاری خطابات دیئے گئے اور زمینیں، جاگیریں اور رقبے الاٹ کئے گئے۔ انگریزوں سے پہلے زمینوں کی ملکیت کا کوئی باضابطہ ریکارڈ نہیں تھا۔ جو جہاں قابض تھا وہ زمین اسی کی تھی۔

بیسویں صدی کے پہلے نصف میں مذہبی طبقے کا کردار:۔

برّصغیر کی آزادی اور پاکستان بننے سے پہلے مذہبی طبقے کا مجموعی طور پر کوئی مؤثر اور فعّال کردار نظر نہیں آتا جس کی وجہ گذشتہ صفحات میں بیان کر دی گئی ہے البتہ چند واقعات اور تحریکات ضرور قابل ذکر ہیں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ یہ طبقہ محض عضو معطل ہو کر نہیں رہ گیا تھا بلکہ جہاں ضروری خیال کیا وہاں اپنا بھرپور کردار ادا کیا مثال کر طور پر چند مشہور واقعات تحریر کئے جاتے ہیں۔

مرزا قادیانی کی ٹیکسلا آمد ورد عمل:۔

بتایا جاتا ہے کہ مرزا قادیانی کے قریبی ساتھی بلکہ ماسٹر مائنڈ حکیم نور الدین کے خرم کے کھٹڑ خاندان سے تعلقات تھے جو گذشتہ صفحات میں مذکور بااثر خاندان سے متعلق تھے اور واہ کا کھٹڑ خاندان ان کی بھرپور سرپرستی کرتا تھا چنانچہ مرزا قادیانی نے 1902ء میں ٹیکسلا آنے یا ٹرین پر گزرتے ہوئے ٹھہرنے کا پروگرام بنایا تو اس اطلاع پر علاقہ بھر کے غیور مسلمان مسلح ہو کر ریلوے سٹیشن پر یا ایک اطلاع کے مطابق مارگلہ ٹنل پر اکٹھے ہوئے اور اس مردود پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ جناب نور محمد علی ایڈووکیٹ صاحب کی معلومات کے مطابق اس موقع پر مولانا محمد داؤد صاحب ایک چچا نے گڑھی افغاناں سے متعلقین سمیت آکر قائدانہ کردار ادا کیا تھا۔ اس موقع پر مذکورہ کھٹڑ خاندان نے اسے تحفظ دیا اور اس کی

جان بچ گئی۔ یہ خاندان پھر "قادیانی" ہوگیا اور اس کا آخری فرد "ڈاکٹر مظفر" جو ٹیکسلا بازار میں بچوں کا مشہور معالج تھا 1974ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران تائب ہو کر شیعہ مذہب کا پیروکار بن گیا۔

جنگ عظیم اوّل کے بعد شہر میں شیعہ، سنی کشمکش:۔

عالمی جنگ عظیم اوّل 1914ء تا 1919ء کے خاتمہ تک ٹیکسلا میں تمام سادات "سنّی المسلک" تھے۔

مذہباً کوئی تفریق نہ تھی البتہ خاندانی تنازعات، زمینوں کے جھگڑے، جاگیردار طبقے اور پسماندہ لوگوں کے تنازعات، معاصرانہ چشمک، کاروباری مناقشے اور زن وزر کی وجہ سے قتل مقاتلے وغیرہ ضرور تھے۔ اسی طرح بہادر، نڈر، زورآور نوجوان ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کیلئے ایک دوسرے سے مسلح مقابلے بھی کرتے رہتے تھے۔ مجموعی طور پر جہالت کے غلبہ کی وجہ سے مکمل پُرامن ماحول نہیں تھا۔

مذکورہ جنگ کے بعد سادات میں سے مبینہ طور پر ایک سید نوجوان نے اٹک سے شیعہ خاندان میں شادی کی اور سسرال کے مسلک سے متاثر ہوا اسی طرح ایک "سید خاندان" چکوال کے علاقہ سے آکر محلّہ عنایت شاہی میں آباد ہوا اور سادات نوجوانوں کو باور کرایا کہ جو شیعہ نہیں وہ سید ہی نہیں ان وجوہات پر یہاں کے سید خاندان اور نوجوان متاثر ہونے لگے اور اوپر مذکور حالات کے پس منظر میں شیعہ مذہب اختیار کرنے لگے۔ ایک ذمہ دار سید خاندانی سربراہ نے چکوال سے آئے ہوئے خاندان میں سے دوسری شادی کی اور بھی سسرال کے ہم خیال بن کر شیعہ ہو گئے۔ اٹک سے شادی کرنے والے شخص نے اپنے گھر میں عاشورہ کے دن مجلس عزاء شروع کی جس میں ابتداء میں آس پاس کے سنی لوگ بھی شرکت کر لیتے تھے۔

گذشتہ صفحات میں درج منظر نامے سے واضح ہے کہ "ذیلداری" اور "سرداری نظام" جو عرصہ سے قائم تھا مشرقی علاقہ میں آباد "کشمیری ٹھیکیداروں" اور زیردست محنت کش طبقہ کے چند جرات مند کرداروں کی وجہ سے چیلنج ہونے لگا تھا۔ جس کے انسداد کے لئے کوئی اور عنوان قائم کرنا ضروری تھا تاکہ حاصل حیثیت بھی متاثر نہ ہو اپنی قوم قابو میں رہے اور انگریز حکمران بھی راضی رہیں۔ مذکورہ اشخاص کا پیدا کردہ ماحول سرکردہ طبقہ کیلئے نعمت ثابت ہوا۔ چنانچہ ایک سرکردہ شخص کو جس نے شیعت اختیار کر لی تھی "شیعہ، سنی" تنازعہ کا ماحول پیدا کرنے کیلئے ذمہ داری سونپ دی گئی۔

چنانچہ ان بدلتے ہوئے مذہبی حالات نے پہلے امام باڑہ بنایا گیا جس کیلئے علامہ کفایت حسین کو لایا گیا۔ جو چند دن بعد رہائشی مکان نہ ملنے کی وجہ سے چلے گئے ان کے بعد برّصغیر میں شیعہ مذہب کے بڑے مرکز لکھنو سے فارغ التحصیل مولوی بشیر انصاری غالباً 31-1930ء میں ٹیکسلا لایا گیا۔ یا لکھنو مرکز نے از خود اپنے خرچے پر بھجوایا جو اس دور میں ان کا طریقہ واردات تھا۔

مولوی صاحب مذکور نے اپنی "لکھنوی خطابت" کے زور پر اہلسنت علماء کو مناظروں کے چیلنج دینے شروع کئے جواب میں پہلے مقامی علماء نے ایک دو مناظرے کئے لیکن حالات زیادہ بگڑ جانے پر مولانا حکیم محبوب عالم صاحب نے جو ٹیکسلا میں مطب کرتے تھے اور اس وقت وہ واحد عالم تھے جو باضابطہ طور پر درس نظامی کے فارغ التحصیل تھے۔ مرکزی جامع مسجد کے خطیب وقدیم استاد خاندان اور علاقہ کے مشہور علمی مرکز بھوئی گاڑ کے جانشین مولانا عبدالحی قریشی صاحب کے مشورہ سے وسیع پیمانہ پر ایک بڑا علمی مناظرہ کرانے کا فیصلہ کیا اور ملک کے مشہور سنی مناظر مولانا چراغ صاحب اور دیگر علماء کو شرکت کرنے کی دعوت دی۔

مشہور شیعہ سنی مناظرے کی روداد:۔

اس بڑے مناظرے کیلئے سرائے کالا میں واقع ہائی سکول کا کھلا میدان منتخب کیا گیا ثالث کے طور پر عیسائی پادری کا تقرر ہوا۔ علاقہ بھر سے سنی، شیعہ بااثر افراد، علماء وعوام اس موقع پر شریک اجتماع ہوئے یہ غالباً 1932ء کا واقع ہے اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں فریقین کا موقف الگ الگ ہے کوئی غیر جانبدار تبصرہ میسّر نہیں ہے اسلئے بحیثیت سنی یکطرفہ موقف ہی درج ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

مناظرہ کی مدت تین دن مقرر ہوئی پہلے دن ہزاروں افراد سکول میں جمع ہو گئے بلکہ ہندو اور سکھ بھی شریک ہوئے اور صبح 8 بجے سے 12 بجے تک ابتدائی بحث وتمحیص کے بعد جب اہلسنت مناظر نے شیعہ مناظر سے اپنا عقیدہ قرآن مجید سے ثابت کرنے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ تم قیامت تک ثابت نہیں کر سکتے تو جواب نہ ہونے پر شیعہ مناظر نے جارحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس قرآن کو مانتے ہی نہیں ہمارا قرآن چالیس پاروں والا ہے جو امام مہدی غار میں لئے بیٹھے ہیں اور قیامت سے پہلے باہر لائیں گے۔

قرآن مجید کی اس توہین پر اہلسنت نے غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی حتی کہ ہری پور سے آئے ہو علاقہ کے سربراہ مہدی زمان خان نے پستول نکال لیا جو ابتدائی صفحات میں مذکور "ریاست منگ" کے مالکان کے جانشینوں میں سے تھے۔ اس صورتحال کو دیکھ پولیس کی بھاری نفری جو تھانہ کے ایس ایچ او نور محمد آف میاں والی کی سربراہی میں موقع پر موجود تھی

حرکت میں آ گئی اور تصادم کو روکنے کیلئے مناظرہ ختم کرا دیا۔ مناظرہ کے شرکاء نعرے لگائے ہوئے منتشر ہو گئے۔ اور یوں مناظرہ بغیر فیصلہ کے اختتام پذیر ہو گیا۔ دونوں فریقوں نے اپنی فتح کا اعلان کر دیا۔

محلّہ عنایت شاہی کی مشترکہ مسجد پر حملہ:۔

شیعہ حضرات نے مناظرہ میں اپنی خفت مٹانے کیلئے اور گذشتہ صفحات پر مذکور سیاسی مقصد حاصل کرنے کیلئے محلّہ عنایت شاہی کی مسجد پر مسلح ہو کر حملہ کر دیا اور دعویٰ کیا یہ مسجد ہماری ہے اس لئے کہ یہاں ہمارے مسلک کا سید جمال شاہ مدفون ہے حالانکہ وہ مسجد کا سابق مؤذن تھا یا اس نے مسجد کے لئے جگہ دی تھی اور اہلسنت عقیدہ رکھتا تھا اس صورتحال سے کشیدگی میں بہت اضافہ ہو گیا اور اہل محلّہ نے جو بابا محمد ولد فضل احمد (حاجی نور الٰہی صاحب کے چچا) کی قیادت میں اپنے مسلک کی حفاظت اور اپنی غلامانہ حیثیت ختم کرانے کیلئے متحرک تھے شہر کے اہلسنت کو بابا صدر الدین کی وسیع حویلی میں جمع کیا اور انتظامیہ سے مداخلت کرنے کی اپیل کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ صبح ڈی سی ضلع راولپنڈی کو بذریعہ تار مطلع کیا اور وہ اگلے دن عملہ کے ہمراہ موقع پر آ گیا اس نے مسجد کا دورکر کے فریقین کے بیانات لئے اور اپنے نمائندہ کے طور پر علاقہ کے تحصیلدار کو مسئلہ حل کرانے کا حکم دے دیا۔ تحصیلدار نے بھی تفصیل سے حالات معلوم کر کے شیعہ کے ذمہ دار سربراہ کو کہا کہ تم صاحب حیثیت ہو اپنی مسجد الگ بنا لو لیکن انہوں نے مشورہ قبول نہ کیا بلکہ الٹا اس پر رعب جھاڑنے لگے۔ دوران گفتگو صورتحال کشیدہ ہو گئی تو تحصیلدار نے فریقین کو عدالت کے ذریعے معاملہ حل کرنے کا مشورہ دے دیا۔

مسجد کے معاملے میں عدالتی جنگ کا آغاز:۔

دوسرے دن حضرت مولانا محبوب عالم صاحبؒ نے عدالت میں مقدمہ دائر کروا دیا جس کے مدعی اوپر مذکور بابا محمد تھے۔ مقدمہ کی کاروائی دو سال تک جاری رہی اور تیس جولائی 1934ء کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ راولپنڈی مسٹر سی کنگ نے اہل تشیع کو مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے سے روک دیا اور اکیلے نماز کی ادائیگی کی اجازت دے دی اس فیصلہ سے وقتی طور پر تو امن قائم ہو گیا لیکن راکھ کے ڈھیر میں آگ کی چنگاریاں سلگتی رہیں جو 1940ء میں آتش فشاں بن گئیں۔

فسادات کی شدت اور سول نافرمانی:۔

مذکورہ سال کے اوائل میں یہ تنازعہ شدت اختیار کر گیا اور امن و مان کی صورتحال دگرگوں ہو گئی تو سولہ فروری کو حکومت نے اس صورتحال کا نوٹس لیتے ہوئے مسجد کی تالہ بندی کر دی اور فریقین کو نماز کی ادائیگی سے روک دیا۔ اہلسنت کی طرف سے اس فیصلے کو رد کر دیا گیا اور سول نافرمانی کی تحریک چلانے کا اعلان کر دیا گیا۔ چنانچہ نوجوان جتھوں کی صورت میں مسجد کی دیواریں پھلانگ کر اندر داخل ہوتے، اذان دے کر نماز ادا کرتے اور انتظامیہ سختی کرتے ہوئے ان کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیتی اس دوران مالی و جانی قربانی کے بہت سے ایمان افروز واقعات ہوئے۔ مقامی سنیوں کے علاوہ علاقہ کے لوگ بالخصوص سموں، گڑھی افغاناں کے نوجوان ذوق و شوق سے گرفتاریاں دیتے اور ہر قسم کی قربانیوں کیلئے خود کو پیش کرتے۔ مذہبی لوگوں کے علاوہ بظاہر دنیادار اور ناپسندیدہ اعمال والے نوجوانوں نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی مذہبی غیرت و حمیت کا خوب ثبوت پیش کیا۔ گھیلہ خورد کے کشمیری خاندانوں نے ہر قسم کی جانی و مالی خدمات جاری رکھیں اور متعلقہ محلّہ والوں کی خوب سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی۔

اس صورتحال سے فریق ثانی بھی پریشان ہو گیا اور بالآخر پچاس دن بعد اٹھائیس مارچ کو انتظامیہ کو مشترکہ درخواست دی گئی کہ مسجد کی تالہ بندی ختم کی جائے فریقین باہمی سمجھوتہ کرنا چاہتے ہیں اور دس دن تک دونوں فریق باجماعت نماز ادا کریں گے، پہلے سنی اور پھر اہل تشیع۔ آئندہ کیلئے عدالت سے رجوع کیا جائے گا۔ اس پر ڈی سی راولپنڈی نے مسجد واگذار کر دی۔

دوبارہ طویل عدالتی کاروائی اور حتمی فیصلہ:۔

حسب معاہدہ اہل تشیع نے دس دن بعد آٹھ اپریل 1940ء کو عدالت سے رجوع کر لیا اور مؤقف اختیار کیا کہ مسجد کی جگہ ہم وقف کی ہے اور تعمیر کے وقت سے ہی یہاں باجماعت ادا کر رہے ہیں لیکن اپنے مؤقف کے حق میں کوئی ٹھوس ثبوت فراہم نہ کر سکے چنانچہ 4 نومبر کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ڈی جی کھوسلہ نے فیصلہ دیا کہ آذان و جماعت کا حق اہل سنت کا ہے اہل تشیع صرف اکیلے نماز ادا کر سکتے ہیں۔

اس فیصلہ کے خلاف شیعہ حضرات نے بالائی عدالت میں اپیل دائر کر دی جہاں سے انہیں باجماعت نماز کی اجازت مل گئی اس کیس میں مدعی احمد شاہ تھا اور مدعا علیہ بابا محمد ولد فضل احمد تھے یہ فیصلہ 14 جون 1941ء کو ہوا اس کے بعد مزید عدالتی کاروائی جاری رہی اور 27 اپریل 1942ء کو ڈسٹرکٹ جج راولپنڈی جے آر چی نے بھی امن و امان کی بحالی کیلئے اسی فیصلے کو برقرار رکھا۔

اسی طرح ڈسٹرکٹ جج جہلم بی ایم اسماعیل نے 28 مئی 1943ء کو یہی فیصلہ دیا۔ ہوتے ہوتے یہ مقدمہ ہائی کورٹ میں پہنچ گیا اور 9 جنوری 1945ء کو عدالت عالیہ کے جج اچھو

رام نے اس ترمیم کے ساتھ یہ فیصلہ بحال رکھا کہ پہلے اہلسنت نماز ادا کریں گے اور اہل تشیع بعد میں۔ 8 فروری 1945ء کو ہائی کورٹ میں ایل پی اے دائر کر دی گئی جو اہل تشیع نے پیش کی جس کی سماعت کے بعد عدالت نے 18 دسمبر 1946ء کو یہ اپیل مسترد کر دی اور تا حال اسی فیصلے کے مطابق مذکورہ مسجد میں فریقین نمازیں ادا کر رہے ہیں۔

مسجد کی تحریک اور اس کے مابعد اثرات:۔

مشہور مناظرہ اور اس کے بعد مسجد کی تحریک کے دوران حضرت مولانا محمد داؤد صاحب غالباً 1938ء کے نصف آخر میں ٹیکسلا امامت کیلئے تشریف لے آئے اور حالات کا جائزہ لے کر برادر اکبر کے ساتھ مل کر آئندہ کی حکمت عملی اور منصوبہ بندی شروع کر دی۔ دونوں بھائیوں نے یہ عزم کر لیا کہ اس شہر کے اہل سنت کو منظم کر کے اور اس مسلک کے با اثر لوگوں اور جرات مند و بہادر خاندانوں کو بیدار کر کے جو آبادی کا غالب اکثریت والا طبقہ ہے ان کے ذریعہ ان ظالم جاگیرداروں اور وڈیروں کا طلسم توڑنا ہے جو حکومتی حلقوں کے کارپردازوں کا کردار ادا کر کے نچلے طبقے کے کمزور اور بے بس مسلمانوں کو غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور کرتے ہیں اور اس سے اپنے باطل مذہب کو بھی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ مولانا محبوب عالم صاحب نے گذشتہ صفحات میں مذکور سرائے کالا کے شیخ خاندان کی طرف سے حاصل کردہ زمین کے مالکان جو کشمیری خاندان سے تعلق رکھتے تھے یعنی شیخ محبوب و یعقوب وغیرہ سے اور مولانا محمد داؤد صاحب نے اپنی مسجد سے متعلق شیخ ٹھیکیدار خاندان اور معروف "رتہ خاندان" سے تعلقات استوار کئے جو بہادر اور نڈر لوگ مشہور تھے۔ اس کے علاوہ بھی با اثر خاندانوں سے ذاتی تعلقات استوار کئے اور دھیرے دھیرے انہیں اس مقصد کیلئے تیار کیا۔ پر امن جدوجہد کرتے ہوئے ایسی فضا تیار کر لی کہ اہلسنت کو مذہبی معاملات میں دلچسپی پیدا ہوگئی اور انہوں نے تبلیغی اجتماعات میں شرکت شروع کر دی۔ اس طرح نوجوان طبقہ کی تربیت بھی ہوگئی اور دینی غیرت کا جذبہ بھی پیدا ہو گیا۔

مذکورہ تیرہ سالہ عرصہ کے دوران مولانا حکیم محبوب عالم صاحب اور استاد علاؤالدین صاحب جو انیس سو چھتیس میں مرکزی جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے نے 1938ء میں ایک عمائدین شہر کا ایک اجلاس منعقد کیا مدعوین کی تفصیل چھ اپریل کے دعوت نامے کی نقل سے تحریر ہے تا کہ اُس موقع پر موجود اور متحرک حضرات سے موجودہ نسل واقف ہو سکے اور ان کے ایصال کیلئے کبھی کبھی دعا کر دیا کریں اس لئے کہ وہ جس جزا کے مستحق ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ ہی اپنی شان کے مطابق خود عطا کرتے ہیں (جزاہم اللہ احسن الجزاء) البتہ ان کے بعد آنے والی نسلوں کا بھی یہ فریضہ ہے کہ انہیں اچھے الفاظ سے یاد کریں ان کی قربانیوں کی قدر کریں اور اپنی موجود آزادی کا سہرا اُن کی سر باندھے ورنہ غلامی کی زنجیریں بہت زیادہ جانی و مالی قربانیوں سے ٹوٹتی ہیں۔

علماء کے رفقائے کار کی فہرست:۔

اگرچہ تفصیلی تعداد اب ملنی مشکل ہے لیکن دستیاب ایک دستاویز کے مطابق 1938ء میں آپ کے رفقاء کار درج ذیل تھے جو اس سال ایک اہم اجلاس کیلئے تحریری دعوت نامہ جاری کر کے بلائے گئے جس کی فوٹو کاپی موجود ہے اور تبرکاً اس کا مضمون بھی درج کیا جا رہا ہے۔

نام	محلّہ	
1) مستری محمد صاحب	محلّہ عنایت شاہی	؛
2) فضل خان صاحب	؍	
3) منشی اللہ دتہ صاحب	محلّہ مجاور	
4) شاہ سوار صاحب	موہڑہ شاہ ولی شاہ	
5) احمد شاہ صاحب	؍	
6) شاہ سوار صاحب	محلّہ مکراں	
7) محمد حیات صاحب	؍	
8) قاضی فضل الٰہی صاحب	محلّہ کھیلا خورد	
9) ملک علی محمد صاحب	؍	
10) ملک گوہر دین صاحب	؍	
11) کرم خان صاحب	؍	

12) مستری نور محمد صاحب 〃

13) ملک اسماعیل صاحب 〃

14) عبدالرحمٰن زرگر صاحب 〃

15) لال محمد زرگر صاحب 〃

16) بابا عبداللہ صاحب 〃

17) کرم خان صاحب 〃

18) غلام محی الدین صاحب 〃

19) امیر احمد صاحب 〃

20) نواب صاحب 〃

21) دوست محمد خان صاحب 〃

22) حاجی رحمت دین صاحب 〃

23) ملک نور خان صاحب 〃

24) حاجی فضل دین صاحب 〃

25) میاں ابراہیم ٹھیکیدار صاحب 〃

26) فضل الٰہی ٹھیکیدار صاحب 〃

27) شاہ نظام الدین صاحب محلّہ ڈھیری (ڈھکی)

28) حاجی گلاب صاحب 〃

29) کریم بخش صاحب 〃

30) اللہ بخش صاحب 〃

31) ملک سلیمان صاحب 〃

32) مولوی محمد امین صاحب 〃

33) الٰہی بخش صاحب 〃

34) منشی غلام محمد صاحب 〃

35) شاہ فقیر ڈرائیور صاحب 〃

36) ملک فضل خان صاحب 〃

37) غلام محمد صاحب 〃

38) فضل داد صاحب 〃

39) صوبیدار صاحب کھولیاں

40) غلام محمد عرف گاماں 〃

جملہ صاحبین اسماء مذکورہ بالا کی خدمت میں التماس ہے کہ آپ برائے عنائت کل بتاریخ 7 اپریل 38 عیسوی شام کے 4 بجے جامع مسجد کلاں محلّہ کھیلا خورد میں تشریف آوری کی تکلیف گوارہ فرما کر عزت افزائی فرماویں۔ کیونکہ چند ایک ضروریات اسلامی جلسہ کے متعلق باہم مشورہ کر کے طے کرنا ضروری ہیں۔

نوٹ:۔ ہر ایک شخص اپنے اپنے نام کے مقابل حاضری کا اپنا نشان تحریری یا انگوٹھا چسپاں کریں اور پھر اس کے مطابق عمل میں کریں سستی ،تساہل بالکل نہ کریں۔

الداعی الی الخیر خادم اسلام محبوب عالم و مولانا مولوی علاؤالدین صاحب خطیب جامع مسجد ٹیکسلا

6اپریل1938ء

ریل پٹڑی کی بچھائی نعمت غیر مترقّبہ:۔

انگریز دور حکومت میں انیسویں صدی کے دوران ریلوے لائن کی تعمیر کے وقت پٹڑی کے اندر پتھر کی بجری بچھانے کیلئے پتھروں کے حصول کیلئے حکومت نے موجودہ ریلوے لائن کے شمال میں موجود پہاڑیوں اور ملحقہ زمین کو مالکان سے خریدا اور مزدوروں کیلئے ذریعے پتھر کی نکاسی، باربرداری اور بچھائی شروع کی۔

یہ سلسلہ کشمیر سے آنے والے محنت کش اور غریب طبقہ کیلئے نعمت غیر مترقّبہ ثابت ہوا۔ گذشتہ صفحات میں مذکورہ تمام " کشمیری امیر وبااثر خاندان "اسی کے فیض سے پتھر نکالنے اور کوٹنے کے کام سے ابتداء کر کے باربرداری کرنے والے گدھوں کے مالک بنے، میٹ بنے، پھر ٹھیکیدار بنے، پھر باربرداری کیلئے مستعمل بیل گاڑیوں کے مالک پھر چھکڑوں یا ٹرکوں والے، پھر انسانی نقل وحرکت کیلئے بسوں کے مالک، پھر ٹرانسپورٹ کمپنیوں کے حصہ دار، اسی طرح حج ٹرانسپورٹ کیلئے بین الاقوامی سفر اور اس دوران ان ملکوں کے سربراہوں کے دوست وغیرہ بنے اور نچلا طبقہ مزارع، ڈرائیور، کلینز وغیرہ بنا۔ اور اپنی اپنی قسمت کے مطابق خوشحالی کا حامل بنا اور اس طرح خود کفیل ہو گیا۔

زمین کی واگذاری اور مرکزی عیدگاہ کا قیام:۔

انگریز حکومت نے جب مذکورہ مقصد کیلئے پتھر کے خود کار نظام کو اپنایا تو خریدشدہ فالتو زمین جو اَب گہری کانوں اور کچھ پہاڑیوں پر مشتمل ہو گئی تھی سابق مالکان کو خرید لینے کی پیشکش کی لیکن وہ مالی پسماندگی کی وجہ سے خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے چنانچہ نیلامی کا فیصلہ ہوا جو غالباً بیسویں صدی کی چالیسویں دھائی کے ابتدائی سالوں میں ہوئی۔ مختلف مالدار حضرات نے نیلامی میں حصہ لیا میرے علم کے مطابق پرانے استاد خاندان نے خاصا رقبہ لیا اسی طرح مولوی بشیر انصاری نے کچھ اسوقت اور بہت سا آزادی کے بعد الاٹ کرایا۔ جو اب بھی مرکزی عیدگاہ کے رقبہ سے جنوب میں ملحق ہے۔

اس موقع پر استاد علاؤالدین صاحب، گجر برادری کے ملک گوہر دین صاحب اور حاجی شیخ رحمت دین صاحب نے مل جل کر کچھ ذاتی رقم اور کچھ عمومی چندہ کر کے تقریباً اڑتالیس کنال کا رقبہ اہلسنت کی مرکزی عیدگاہ کیلئے خرید کر وقف کر دیا۔ استاد علاؤالدین صاحب تو غالباً مرکزی جامع مسجد میں ہی عیدین کی نماز ادا کرتے تھے، ملک گوہر دین صاحب کی نرینہ اولا دہی نہ تھی نہ وہ مذہبی خاندان تھا اس لئے اس عیدگاہ کے انتظام وانصرام کا" قرعہ فال" حاجی رحمت دین صاحب کے نام نکلا انہوں نے خوبصورت تعمیر بھی کرائی، تراشے ہوئے پتھروں کی حفاظتی دیوار بنائی، پہاڑی کی چوٹی کو وسیع میدان میں تبدیل کرایا اور یوں اس جگہ ان کے محلّہ کے امام حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے عیدین کی نمازیں پڑھانا شروع کیں، انتظام اسی محلّہ کے بابا ابراہیم عرف بابا شیرا کے سپرد ہوا۔ پہلی دفعہ 1985ء میں انتظامی کمیٹی بنی جس کا صدر حاجی صاحب مذکور کے پوتے شیخ طارق محمود صاحب کو جنرل سیکرٹری راقم السطور کو بنایا گیا دو اجلاسوں کے بعد بوجوہ یہ کمیٹی فعال نہ رہ سکی دوبارہ 2000ء میں انتظامیہ کمیٹی بنی جو رجسٹریشن کے وقت 2012ء میں ہنجیرہ قبرستان کی کمیٹی میں ضم کر دی گئی۔ اس کے موجود صدر شیخ طارق محمود صاحب کے صاجزادے شیخ عارف محمود عثمان اور جنرل سیکرٹری راقم السطور ہیں۔

علامہ مشرقی کی خاکسار تحریک اور انصار المسلمین ٹیکسلا:۔

علامہ عنایت اللہ المشرقی مرحوم کا تعلق ایک متوسط مسلم گھرانے سے تھا۔ ابتدائی تعلیم ہندوستان میں حاصل کرنے کے بعد اپنی لیاقت وذہانت کے بل بوتے پر اعلیٰ تعلیم کیلئے لندن جا پہنچے وہاں امتیازی حیثیتوں سے امتحانات پاس کر کے وطن لوٹے اور محکمہ تعلیم میں ملازمت شروع کر دی۔ جنگ عظیم دوم کے بعد برّصغیر کے مسلمان تنزّل، ادبار، اور غلامی کے ساتھ ساتھ جہالت، افلاس، اور محرومیوں کے جن چنگلوں میں جکڑے ہوئے تھے وہ دردمند دلوں کو مضطرب کر دینے والے تھے۔

معروف سیاسی جماعتیں کانگرس، مسلم لیگ اور جمعیت علماء ہند بالائی طبقہ کی قیادت میں متحرک تھیں جن تک عام مسلمانوں کی رسائی نہ تھی چنانچہ اس طبقہ کی نمائندگی، رہنمائی، اور قیادت کیلئے مجلس احرار اسلام، خاکسار تحریک اور حزب الانصار بھیرہ جیسی تنظیمیں قائم کی گئیں۔

خاکسار تحریک کی مقبولیت کی وجہ:

بیسویں صدی عیسویں کی چوتھی دہائی جو 1931ء سے شروع ہوتی ہے اس کی ابتداء میں علامہ مشرقی صاحب نے نیم عسکری تنظیم "خاکسار تحریک" کے نام سے قائم کی اس تحریک کا پیغام سادہ اور پرکشش تھا جس نے نوجوان، کم خواندہ، بے روزگار، اور نچلے طبقہ کو مرعوب کیا۔ علامہ مشرقی قادر الکلام خطیب اور ادیب تھے، خود وردی پہن کر بیلچے کے ساتھ عام کارکنوں میں گھل مل جاتے۔ ان کی تقریروں، تحریروں اور بیلچہ دار وردی پوش، حربی مظاہروں نے برّصغیر بالخصوص پنجاب اور سرحد میں ہلچل مچا دی اس کے ساتھ ساتھ علامہ مشرقی نے خدمت خلق کے ذریعے اپنے متبعین کو بتدریج باور کرایا کہ اس راستے سے ہی ہٹلر کے انداز میں اسلامی حکومت قائم ہو سکتی ہے۔

علامہ مشرقی کے ملحدانہ نظریات:۔

اپنی اس مقبولیت اور کامیابی کے زعم میں علامہ صاحب نے اپنی عربی، اردو میں مرتبہ کتب "تذکرہ"، "قول فیصل"، "مولوی کا غلط مذہب" اور جاری کردہ رسالہ "الاصلاح" میں قرآنی تفسیر کے پردہ میں "ملحدانہ نظریات" کا پرچار شروع کردیا۔ "اسلامی اصطلاحات" کو باقی رکھتے ہوئے ان کے ایسے معانی بیان کئے جن سے سادہ لوح انسان فوراً دھوکہ کھا سکتا تھا۔ اسی طرح علماء پر تابڑتوڑ حملے شروع کردیئے اور مسلمانوں سے کہا کہ مولوی کا اعتبار نہ کرو اور اس کے کہنے پر نہ چلو نمونہ کیلئے "الاصلاح" کے پانچ اپریل 1935ء کی ایک تحریر یوں ہے جس سے ان کے "اخلاق حسنہ" کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

"خوف ناک ریش دار، سیاہ کار، سیاہ دل، مسخ صورت ملاں، بدافعال، حکومت کا ادنیٰ درجہ کاسہ لیس"

اسی طرح لکھا کہ مسلمانوں اور اسلام کی اصل خرابی ان کے "مولوی کا غلط مذہب" ہے، جو صدیوں سے انہیں راہ راست سے بھٹکا رہا ہے۔ پشاور کے ایک شخص کے خط کے جواب میں تحریر کیا کہ "مولوی نے دوسو برس سے اسلام پر جھوٹ بولا، قرآن پر جھوٹ بولا، رسول پر جھوٹ بولا"

اپنی کتاب "تذکرہ" عربی اور اردو میں صفحات 43، 46، 47، 56 اور 90 پر جو ملفوضات لکھے وہ اختصاراً درج ذیل ہیں:

1) اسلامی اصطلاعات کے بارے میں لکھتے ہیں "اسلام کی بنیاد ان چیزوں پر نہیں رکھی گئی جن پر تم خیال کرتے ہو اور کلمہ شہادت، نماز اور روزہ، حج اور زکوٰۃ ارکان اسلام نہیں۔ خدا کی قسم ہے اسلام کی بنیاد دس اصولوں پر رکھی گئی ہے (اس کے بعد خودساختہ دس اصول لکھ دیئے)

2) اسلامی مکاتیب فکر کے متعلق لکھا "شیعہ اور سنی"، "حنفی اور شافعی"، "مقلد اور غیر مقلد"، "صوفی اور وہابی" وغیرہ میرے نزدیک کچھ شے نہیں یہ سب جہنم کی تیاری ہے۔

3) علماء اور اسلامی مکاتیب فکر کو یہ "خراج عقیدت" پیش کرنے کے مقابلے میں مغربی لوگوں بالخصوص نصاریٰ یعنی عیسائیوں کے بارے میں (چونکہ وہ اس وقت برّصغیر پر حکمران تھے) اسی کتاب تذکرہ میں مختلف مقامات پر لکھا کہ

"اس زمانہ میں مغربی لوگ یعنی نصاریٰ ہی ایماندار اور عمل صالح کرنے والے ہیں"، "یہ ہی عالم اور عارف باللہ ہیں"، "متخلّق باخلاق اللہ ہیں"، "نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی اس لئے وہ دنیا میں فلاح پانے والے ہوگئے اور اس میں شک نہیں وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں میں شمار ہوں گے"، "اکثر فرشتے اسی قوم نصاریٰ ہی کو سجدہ کرتے ہیں"۔

عام نصاریٰ کو مذکورہ "اعزازات" بخشنے کے علاوہ اس وقت کے انگریز حکمرانوں کے بارے میں اپنے پیروں کاروں کو احکامات دیئے کہ "انگریز کو ملک کا بادشاہ سمجھ کر اس سے شاہانہ اور فیاضانہ سلوک کیا جائے۔ یاد رکھا جائے کہ زمین کی بادشاہت دینے والا خدا ہے جس کو مناسب سمجھتا ہے دیتا ہے۔ کسی خدمت کیلئے انگریز کہے تو نہایت مستعد ہوکر اور خلوص سے کی جائے۔۔۔۔۔ ان کے گھوڑوں کی خدمت کریں"۔ (اشارات صفحہ 27 برائے حوالہ کتابچہ حضرت لاہوریؒ صفحہ 32)

انگریز حکومت نے درج بالا خیالات اور مسلمانوں کی طرف سے خاکسار تحریک مخالفت دیکھ کر اس نیم عسکری تنظیم سے تعرّض نہیں کیا۔

یہ اقتباسات "نمونہ ازخروارے" ہیں تفصیل کیلئے اس کے وقت کے علماء کے مضامین اور کتب دیکھی جاسکتی ہیں بالخصوص امام اہلسنت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب کی تصنیف "انکار حدیث کے نتائج" آسانی سے مل سکتی ہے۔

مشرقی نظریات پر ردّعمل:۔

ان مذکورہ عقائد وخیالات کی وجہ سے اس وقت کے برّصغیر کے مشہور دینی مراکز دارالعلوم دیوبند، بریلی، اور جامع الازہر مصر، بیت المقدس، مکہ مکرمہ اور ترکی کے مفتیان کرام نے فتوے دیئے اور علمی طور پر ان نظریات کا محاکمہ کیا۔ ملک کے مشہور کالم نویس "جناب عطاء الحق قاسمی صاحب" کے والدگرامی "مولانا بہاؤالحق قاسمی صاحب" بھیرہ سے شائع ہونے والے رسالہ "شمس الاسلام" میں 1936ء میں سلسلہ وار مضامین لکھ کر ان خیالات کی علمی تردید کرتے رہے۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا رسالہ "علمائے اسلام اور علامہ عنایت اللہ المشرقی"

"جمعیت علمائے اسلام صوبہ سرحد" کے زیراہتمام پشاور میں 5 اور 6 ستمبر 1937ء "وزیرستان کانفرنس" کا انعقاد ہوا اس سے ایک دن قبل علامہ مشرقی موصوف نے پشاور میں ہی ایک بڑے مجمع میں اظہارِ خیالات کیا اور حسب معمول "علمائے کرام" کو بلا استثنیٰ بہت ہی برا بھلا کہا اور انتہائی ناشائستہ الفاظ کہئے جس پر مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے۔ اگلے دو دنوں میں "علامہ صاحب" کی اصل حقیقت سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے کا فیصلہ ہوا چنانچہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے آخری اجلاس میں نہایت نرم لب ولہجے اور محبت آمیز الفاظ میں حاضرین کو موصوف کے خیالات ان کی کتابوں سے پڑھ کر سنائے اور اُن لوگوں کو دعوت فکر دی جو علامہ کی تحریک سے متاثر ہوکر ان کے پیروکار بن گئے تھے (پٹھان تو ویسے ہی جنگجویانہ مزاج رکھتے ہیں وہ عسکری مظاہرے دیکھ حامی بن چکے تھے)۔ اس پر حاضرین نے حضرت کی رائے سے اتفاق کیا کہ مشرقی صاحب کے خیالات اسلام کے

خلاف ہیں۔ بعد میں حضرت لاہوریؒ نے مذکورہ کتابچہ تحریف فرمایا اور باحوالہ اقتباسات لکھ دیئے۔

جملہ معترضہ: حضرت لاہوریؒ نے اپنے مذکورہ خیالات کے باوجود جب قائداعظم محمد علی جناح صاحب پر خاکساروں کے قاتلانہ حملہ کے بعد حکومت کی طرف سے ان کے خلاف شدید "کریک ڈاؤن" ہوا اور لاہور میں ان کو کوئی جائے پناہ نہ ملی تو ان کو اپنی مسجد شیرانوالہ میں پناہ دی اور حفاظت کی۔

اکوڑہ خٹک، ہری پور، ٹیکسلا، اٹک، میانوالی، چکوال، بھیرہ اور ملہوالی میں خاکسار مخالف تحریکات:۔

مذکورہ بالا واقعہ سے پہلے علماء نے علمی تردید تو جاری رکھی ہوئی تھی۔ 19 نومبر 1937ء کو اکوڑہ خٹک میں غالباً پہلا "عوامی مناظرہ" ہوا جو مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی اور خاکساروں کے نمائندہ مولانا مروت صاحب کے درمیان ہوا۔ ثالث شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مقرر ہوئے۔ مولانا ہزاروی نے علامہ مشرقی کی کتابوں تذکرہ وغیرہ سے اقتباسات پڑھ کر سنائے اور تقریباً 52 دلائل دیئے جس کا کوئی مسکت جواب مولانا مروت نہ دے سکے۔ اسی طرح ایک اور "ٹکراؤ" ہری پور کے رئیس اعظم اور علاقہ کے تھانہ دار کے بیٹے وغیرہ سے ہوا جو خاکسار تھے۔ یہ مناقشہ جامع مسجد میں ہوا۔ رئیس اعظم کے حکم پر 60، 70 خاکسار مسلح بابیلچہ وردیاں پہن کر مسجد کی اگلی صفوں میں براجمان ہو گئے اور بیلچوں کو الٹنا پلٹنا شروع کر دیا گویا حملے کیلئے پر تول رہے ہیں اس موقع پر مولانا عبدالحی صاحب بھوئی گاڑ اور مولانا شمس الدین صاحب درویش ہری پور بھی موجود تھے۔ کشیدہ اور نازک حالات دیکھ کر مولانا غوث ہزاروی صاحب نے ان حضرات کی تقاریر ختم کرا کر خود منبر سنبھال لیا اور خطبہ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا ہماری ان خاکسار بھائیوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے بات رسول اللہ ﷺ کی اور "دین اسلام" کی عزت کی ہے۔ آپ نے تذکرہ میں سے اقتباس پڑھا کہ علامہ مشرقی نے اس میں لکھا ہے (نعوذ باللہ) رسول اللہ مر کر مٹی ہو گئے ہیں۔ اسی طرح اور ملحدانہ عبارتیں پڑھ کر سنائیں اور حاضرین سے ان کے غلط ہونے کی تصدیق کروائی۔ ان حالات کا جب باہر شہر کے نوجوانوں کو علم ہوا تو ہزاروں کی تعداد میں مسلمان مسجد کے اندر اور گرد اگرد جمع ہو گئے اس طرح رئیس اعظم، تھانے دار زادہ اور مسلح خاکساران ہزیمت کا شکار ہوئے۔

علاج بالمثل کا فیصلہ:۔

علاقائی سطح پر یہ فضا بننے کے بعد اسی سال یعنی 1937 کے آخر یا 1938ء کے اوائل میں حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب کی تحریک پر اس مسلح نیم عسکری تنظیم کا علاج بالمثل کرنے کیلئے بھوئی گاڑ میں علماء کے بالخصوص مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا محمد داؤد صاحب کے مشورہ اور تعاون سے "انصار المسلمین" کے نام سے مسلمانوں نیم عسکری تنظیم قائم کر دی گئی۔ ادھر ملہوالی ضلع اٹک کے مشہور مجاہد رہنما مولانا گل شیر شہیدؒ نے مولانا ہزاروی ہی کی ترغیب پر میانوالی میں وسط جون 1938ء میں ایک اہم اجلاس بلایا اس لئے کہ میانوالی کے بھی چند نوجوان خاکسار تحریک میں شامل ہو گئے تھے اور یہ علاقہ بھی چونکہ جنگجویانہ مزاج کا حامل تھا وہ نوجوان سپاہیانہ مزاج رکھنے کی وجہ سے فوجی پریڈیں دیکھ کر متاثر ہوئے تھے اگر اس علاقہ میں مقابلہ میں عسکری تنظیم نہ ہوتی تو مسلمانوں کا امن وامان خطرے میں پڑھ جاتا چنانچہ اس اجلاس میں بھوئی گاڑ کے مولانا عبدالحی صاحب کے علاوہ مولانا ظہور احمد بگوی اور کوٹ چاندنہ، ترگ شریف، عیسٰی خیل، موچھ وغیرہ کے ذمہ دار علماء وبااثر افراد شریک ہوئے۔ "فوج محمدی" کے نام سے تنظیم بنائی اور علاقہ ٹیکسلا کی "انصار المسلمین" کو اس میں ضم کر دیا گیا اس کے بعد بگوی خاندان کی پہلے سے قائم کردہ "حزب الانصار" اور "انصار الاسلام" بھیرہ اور چکوال کی قاضی منظور حسین صاحب (جو قاضی مظہر حسین صاحب کے بھائی تھے) کی "خدام الاسلام" میانوالی کی "اصلاح المسلمین" اور مرکزی جامع مسجد اٹک کے خطیب مولانا علم الدین کی قائم کردہ "خدائی فوج" جیسی تنظیمیں بھی جو اس موضوع پر مصروف عمل تھیں نے متحد ہو کر نیم عسکری تنظیم منظّم کر کے خاکساروں ہی کے انداز میں مقابلہ کرنے اور اس فتنہ کے انسداد کا فیصلہ کیا۔ مذکورہ تنظیموں میں سے سب سے منظّم اور موثر تنظیم بھیرہ ضلع شاہ پور کی بگوی خاندان کی اول الذکر تنظیم تھی۔

"بگہ" ضلع جہلم کی تحصیل پنڈ دادنخان کا ایک موضع ہے۔ بگہ شریف میں یہ دینی خانوادہ سترہویں، اٹھارہویں صدی سے دینی علوم کی ترویج اور روحانی اصلاح میں مصروف رہا ہے جون 1938ء کے متفقہ فیصلہ کے بعد میانوالی میں ستمبر کے مہینے میں اصلاح المسلمین اور انصار الاسلام کا مشترکہ اجتماع ہوا۔ رضا کاروں کی بھرتی شروع ہو گئی اور بگوی صاحب نے "جیوش انصار الاسلام" کو جو پہلے سے بنائے گئے تھے فوج محمدی کا نام دے دیا اور اعلان کر دیا کہ سیاسی طور پر ہر جماعت کا ممبر ہمارا رکن بن سکتا ہے اس لئے کہ یہ سیاسی جماعت نہیں ہے بلکہ مذہبی، اسلامی تنظیم ہے۔

یہ مرکزی ادارہ قائم ہو جانے کے بعد جلد ہی برّصغیر کے طول وعرض میں اس کی شاخیں قائم ہو گئیں بالخصوص ڈیرہ اسماعیل خان، بنوں، لکی مروت، ٹانک، اٹک، پنڈی، چنیوٹ، مری، مکھڈ شریف، زکوڑی شریف، تونسہ شریف، جلال پور شریف، کراچی، سندھ، یوپی لکھنو، کلکتہ، ڈھاکہ بنگال، اور سری نگر وغیرہ میں۔

ٹیکسلا میں خاکسار تحریک اور انصار المسلمین کی تنظیم:۔

علامہ مشرقی کے افکار سے ٹیکسلا کے نوجوان بھی متاثر ہوئے اور خاکسار تحریک کی شاخ قائم کی جس کے رضا کار باوردی ہو کر اور بیلچے اٹھا کر گلیوں میں پریڈ کرتے تھے اس طرح غالباً مقامی ہندوؤں اور سکھوں پر رعب بھی ڈالتے تھے۔ چند قابل ذکر رضا کار درج ذیل ہیں:

محلّہ پھلائیاں سے ملک مظفر دین جو سالار تھے، بابا گلاب، حسن دین، میاں غلام یحیٰ، گھیلا خورد سے ماسٹر محمد رفیق (شیخ محمد انور سابق ایم پی اے کے والد)، غلام محی الدین، شیخ عطاء محمد عرف طایا، بشیر قریشی، فقیر شاہ، موہڑہ سے سردار صادق شاہ، کرم دین بٹ، میر عبدالرحمٰن ٹھیکیدار، ماسٹر حافظ غلام ربانی، عثمان کھٹڑ سے ماسٹر عبدالغنی اور جولیاں سے ماسٹر اکبر۔

اگر چہ یہ تنظیم گذشتہ صفحات میں ذکر کردہ جذبہ سے ہی بنائی گئی تھی لیکن مذکورہ حضرات میں سے پڑھے لکھے افراد علامہ مشرقی صاحب کے مذہبی افکار سے بھی متاثر ہونے لگے اور "منکرین حدیث" بننے لگے، بعض کیمونسٹ بھی ہو گئے جن میں سے چند ایک کے موت سے قبل تائب ہونے کی اطلاعات بھی ہیں۔

بہر حال اس صورتحال کو دیکھ مولانا محبوب عالم صاحب، مولانا علاء الدین صاحب اور مولانا محمد داؤد صاحب نے باہمی مشورہ سے بھوئی گاڑ میں طے کردہ "انصار المسلمین" کی شاخ ٹیکسلا میں قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔

انصار المسلمین کی وردی اور شناخت:۔

"مولانا محمد گل شیر شہید" کی سوانح حیات کے صفحہ 123 پر درج ہے کہ اس تنظیم کے رضا کاروں کی وردی خاکی شلوار قمیض مقرر ہوئی۔ بیج سبز رنگ کا "نصرت" کے نام سے تھا اور بیلچے کی جگہ بانس کا پانچ فٹ کا ڈنڈا ہاتھ میں رکھا جاتا۔ ٹیکسلا کا ایک سابق فوجی محمد جان انصار کے نوجوانوں کو کاشن دیتا تھے (یہ ریٹائرڈ کرنل تھے اور موجود مسجد اہل حدیث ریلوے روڈ کے امام وخطیب تھے نقشہ جات بنانے کے بھی بڑے ماہر تھے)۔ پریڈ کے الفاظ "مین"، "سار" تھے جو عربی الفاظ یمین، یسار کے مخفف تھے۔ پرانے مقامی بزرگوں کے مطابق بیلچے کے مقابلے میں لکڑی کی مصنوعی بندوق بھی ہوتی تھی اس میں بارود بھر کر جب چلایا جاتا تو زوردار دھماکہ ہوتا۔ "انصار المسلمین" کی پریڈ کیلئے موجود عیدگاہ پر بگل بجایا جاتا جس کی بڑی بلند گونج دار آواز ہوتی تھی۔

ٹیکسلا کی تنظیم کے سربراہ مولانا محمد داؤد صاحب اور سالار شیخ عبدالعزیز صاحب، جبکہ عسکری امور کے نگران مولانا محمد جان مذکور تھے۔ رضا کار محلّہ گھیلا اور پھلائیاں وغیرہ کے تنومند، دراز قد، جرات منداور بہادر نوجوان تھے جن کے مظاہروں سے انگریز حکمران، باقی اضلاع کے علماء ورضا کار اور مجاہدین بڑے متاثر ہوئے اسی لئے جون 1939ء کو "کالا باغ ضلع میانوالی" میں مختلف تنظیموں نے (جو گذشتہ صفحات میں مذکور ہیں) "ادارہ عالیہ عسکریہ محمدیہ" بنایا۔ مشترکہ رضا کار نیم عسکری تنظیم کا نام "محمدی فوج" رکھا اور اس ادارہ کا صدر مقام "ٹیکسلا" کو بنا کر امیر العساکر مولانا محمد جان اور ناظم مولانا محمد داؤد صاحب کو مقرر کیا۔ تقریباً دو سال ٹیکسلا ہی صدر مقام رہا۔ اس ادارہ کے مرکزی قائدین نے 17 اپریل 1939 کو ٹیکسلا کا دورہ کیا۔ اور جلسہ عام خطاب بھی کیا۔

انصار المسلمین کے مشہور کیمپ:

اسکے بعد ٹیکسلا کی تنظیم نے 24,25 جون کو ایبٹ آباد، 2 جولائی کو لوسر شرفو، اور 28,29,30 جولائی کو اٹک میں اپنے کیمپ قائم کئے اور شاندار عسکری مظاہرے ہوئے۔ اس سے پہلے فروری 1939ء میں بھیرہ میں وہاں کی تنظیم کی دعوت پر ٹیکسلا کے رضا کار 200 میل یعنی 320 کلومیٹر کا سفر سائیکلوں پر طے کر کے پہنچے اور حربی مظاہرے اور کیمپ میں شرکت کی جس کو تقریباً 30 ہزار مسلمانوں نے دیکھا اس موقع پر وہاں کے مقامی رضا کاروں کے علاوہ چکوال کے رضا کاروں نے بھی شرکت کی تھی۔

ٹیکسلا کے علماء ورضا کاروں کو خراج تحسین:۔

کتاب "تذکار بگویہ" جلد اول کے صفحہ 815 پر مولانا ظہور احمد بگویؒ لکھتے ہیں کہ

"ٹیکسلا کے باہمت، مخلص، اور سرگرم کارکنوں نے تحریک کو جس خلوص اور ایثار سے کامیاب بنایا اس کا اعتراف نہ کرنا احسان فراموشی کے برابر ہوگا۔

فوج محمدی کی تحریک میں انصار المسلمین ٹیکسلا کے کارکنوں کو اولیت کا فخر حاصل ہے۔ خصوصیت کے ساتھ مولانا محمد داؤد، مولانا حکیم محبوب عالم صاحب، مولوی محمد جان، مولوی علاؤالدین کی خدمات لائق تحسین وآفرین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اکابر کی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں ملت اسلامیہ کیلئے بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔ آمین"

دستور العمل میں تبدیلی:۔

حکومت پنجاب نے جب 1940ء میں عسکری مظاہروں اور پریڈ وغیرہ پر پابندی عائد کر دی تو جولائی 1940ء کے میانوالی میں منعقدہ سالانہ اجلاس میں مذکورہ ادارے کہ دستور العمل میں مناسب تبدیلی وترمیم کر کے ادارہ کا مرکز بھیرہ بنا دیا گیا اور مولانا محمد داؤد صاحب کو "قائد ضبط" جبکہ مولانا عبدالحی صاحب (بھوئی گاڑ) کو "قائد احتساب" بنا دیا گیا

۔اس اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ اب تبلیغی، اصلاحی اور فلاحی کام شروع کر دیا جائے۔ چنانچہ آئندہ کیلئے درج ذیل لائحہ عمل طے کیا گیا۔

1) محلے، قصبے کے بے کس افراد کی روزانہ ڈیڑھ گھنٹہ بلا معاوضہ خدمت۔ (2) لوگوں کو روزانہ نماز پڑھنے کی ترغیب۔

3) مساجد کی آبادکاری وصفائی (4) معاشرے میں اسلامی احکام کی تبلیغ (5) ناواقف لوگوں کو اسلامی تعلیمات

6) ہفتہ وار مجلس مشاورت میں اخلاق کی اصلاح، اسلامی تعلیمات اور معاشرے کی بہبود پر تقاریر اور کارکردگی کا جائزہ۔

7) درس قرآن ومکتب کا اہتمام اور مسلمان بچوں کی تعلیمی و مذہبی حالت کی نگرانی۔

فوج محمدی کے ہر رکن کیلئے ایک اقرارنامہ پر دستخط کرنا ضروری تھا اور ان کو "رضا کاران اسلام" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد داؤد صاحب نے اپنے علاقہ خصوصاً ٹیکسلا میں نئے طے شدہ لائحہ عمل پر خود بھی کام شروع کر دیا اور باقی تنظیموں کو بھی اسی کام پر لگا دیا۔ ان اقدامات کے اثرات سے خاکسار تحریک کے پھیلاؤ میں ٹھہراؤ اور وسعت میں کمی واقع ہوگئی۔

علامہ مشرقی کی سیاسی کوشش اور تدارک:۔

علامہ عنایت اللہ المشرقی نے انگریز حکمرانوں کی طرف سے "خاکساریت" کی مزاحمت نہ کرنے اور پروگرام کے پھیلاؤ کو دیکھ کر اس وقت کی حکومت پنجاب سے راہ ورسم پیدا کر کے یہ مطالبہ اور کوشش شروع کر دی تھی کہ گورنمنٹ از روئے قانون اسے مسلمانوں کا امیر تسلیم کرے اور بذریعہ قانون تمام مسلمانوں سے زکوٰۃ وصدقات فراہم کر کے اس کے بیت المال میں داخل کیا کرے۔ اور الحاد و دہریت کی اشاعت کے لئے اسے براڈ کاسٹنگ سٹیشن قائم کرنے کی اجازت عطا کرے۔ تقریباً ایک سال ان امور کے متعلق حکومت کے ساتھ مشرقی صاحب کے راز و نیاز کا یہ سلسلہ چلتا رہا اور حکومت یہ سمجھتی تھی کہ سابق انڈر سیکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا اور حال گورنمنٹ پنشنر حکومت کی منشاء کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکتا اس لئے مشرقی صاحب کے مطالبات پر ہمدردانہ غور شروع ہو گیا۔

اس حوالے سے جب فوج محمدی کے سربراہان کو اطلاع ملی تو 22 اکتوبر 1938ء کو میانوالی میں عظیم الشان مظاہرے کے بعد اجتماع میں اس موضوع پر ایک قرارداد منظور کر کے حکومت کو بھی متنبہ کیا گیا اور مسلمانوں کو بھی متوجہ کیا گیا کہ ہر جگہ جلسے، جلوس کر کے اس منصوبے کے خلاف احتجاج کریں اور روکنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ مشرقی صاحب مایوس ہو کر مسلم لیگ کے خلاف ہو گئے، قیام پاکستان کی مخالفت کی حتیٰ کہ ایک خاکسار نے قائداعظم پر حملہ کر دیا جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے۔

تحریک مدح صحابہ لکھنو میں "فوج محمدی" کا کردار:۔

لکھنو میں موجود دیرینہ "سنی، شیعہ" کشیدگی جو انگریز حکومت کی "Divide and Rule" پالیسی کا حصہ تھی 1941ء میں بہت شدت اختیار کر گئی۔ شیعوں کے قدح صحابہ کے مقابلہ میں مسلمانوں کے مدح صحابہ کے جلوس نکلنے لگے۔ حکومت نے بداندیشی سے مسلمانوں کے جلوسوں پر پابندی لگا کر اور قائدین کو گرفتار کر کے برصغیر کے مسلمانوں کو مشتعل کر دیا تو ملک کے طول وعرض میں تحریک مدح صحابہؓ شروع ہوگئی اور قافلے لکھنو روانہ ہونے لگے۔ اس سلسلہ میں مولانا ظہور احمد بگوی نے فوج محمدی کے زیر اہتمام بہت سے مقامات کا دورہ کر کے مسلمانوں کو بیدار کیا اور رضا کار قافلوں کی لکھنو روانگی کیلئے لاہور میں ایک عارضی دفتر قائم کیا۔ پہلا قافلہ فوج محمدی کے رضا کاروں کا 18 جون 1941ء لاہور سے لکھنو روانہ ہوا تو 20 جون کو مولانا بگوی کو گرفتار کر لیا گیا۔ اسی طرح راستے میں ہی مذکورہ رضا کاروں اور اس کے علاوہ "مجلس احرار اسلام" کے رضا کاروں کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ تقریباً چار پانچ ہزار مسلمان گرفتار ہوئے۔ جس کے خلاف ملک بھر میں احتجاج شروع ہو گیا تو حکومت نے مجبوراً ایک ماہ بعد سنیوں کے مطالبات ماننے اور اسیران تحریک صحابہ کو رہا کرنے کا فیصلہ کر دیا۔

فوج محمدی کا "جمعیت علمائے ہند" کے ساتھ الحاق:۔

کالاباغ میں 11 جون 1942ء کو تبلیغ کانفرنس ہوئی جس میں بہت مشہور ملکی وعلاقائی مشائخ کرام، علمائے کرام و معززین نے شرکت کی اور مجلس شوریٰ میں جمعیت علمائے ہند کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا کہ اعلاء کلمۃ الحق اور شریعت کے احکام کے موافق خدمت اسلام کے لئے فوج محمدی کے "انصار" جمعیت کے "نظام رضا کاران" کے ساتھ ہو کر کام کریں گے۔ اس اجلاس میں ٹیکسلا سے حضرت مولانا محمد داؤد صاحب خود شریک ہوئے اور اس کانفرنس کے بعد اس فیصلہ پر کاربند ہو گئے۔

ایک دلچسپ واقعہ:۔

انصار المسلمین ٹیکسلا کا ذکر ختم کرنے سے پہلے جون 1939ء میں ایبٹ آباد میں ہونے والا ایک دلچسپ واقعہ بیان کرنا ضروری ہے تاکہ اس تنظیم کے ڈسپلن اور مجاہدین ٹیکسلا کی جرات وہمت، بے خوفی، اطاعت امیر اور قوت وشوکت کا عملی مظاہرہ واضح ہو سکے۔ خاکساروں نے ایبٹ آباد کے ڈپٹی کمشنر سے وہاں کیمپ لگانے کی اجازت لی تو وہاں کے

مسلمانوں نے ٹیکسلامرکز سے رابطہ کیا اس پر مولانا محمد داؤد صاحب نے مذکورہ تاریخوں میں ایبٹ آباد میں اپنا کیمپ قائم کیا۔ دوران کیمپ وہاں کا ڈپٹی کمشنر اور ایک انگریز کرنل معائنہ کیلئے آئے ،حضرت مولانا اس وقت اپنے خیمے میں آرام فرما تھا۔ مذکورہ حضرات معائنہ کرتے ہوئے کیمپ کے اس حصہ کی طرف آئے اور اندر جانے کی کوشش کی جس میں امیر صاحب داخلہ ممنوع قرار دیا ہوا تھا۔ گیٹ پر متعین رضا کار نے ان حضرات کو روکا تو ڈپٹی کمشنر نے رعب ڈالا ، انگریز افسر کا تعارف کرایا اور زبردستی اندر داخل ہونے کیلئے بڑھے تو اس رضا کار نے جو ایک تنومند، طاقت ور جوان تھا ڈپٹی کمشنر یا انگریز افسر کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا چنانچہ شور مچ گیا اور امیر کیمپ حضرت مولانا محمد داؤد صاحب اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ اگر آپ نے تشریف لانا تھا تو ہمیں اطلاع دیتے تا کہ یہ ناخوشگوار واقعہ نہ پیش آتا ، یہ رضا کار تو نظم کے پابند ہیں اس پر وہ انگریز افسر انتہائی متاثر ہوا اور کیمپ کے ڈسپلن اور نظم وضبط کی تعریف کرتا ہوا واپس ہو گیا۔ مذکورہ رضا کار گھیلا خورد کی موجودہ مسجد امیر معاویہ (سابق مسجد تر کھاناں والی) کے محلّہ میں آباد مشہور کشمیری خاندان جسے عرف عام میں رتہ خاندان کہتے ہیں کا ایک بہادر نوجوان شیخ کرم الٰہی مرحوم تھا جو شیخ شوکت علی المعروف شوکت اللہ مدنی کے تایا تھے اور بعد میں سکھوں سے مقابلہ شہید ہوئے۔

اس تذکرے میں حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کا ایک مکتوب جو انہوں نے ادارہ کے بانی امیر کو لکھا وہ آپ کی دور اندیشی ، انتظامی صلاحیت ،اصابت فکر کو ظاہر کرتا ہے وہ من وعن درج کیا جاتا ہے۔

"حضرت مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کل مکرمی حاجی افتخار احمد صاحب کی طرف سے مع جناب کے مختصر نوٹ کے نوازش نامہ موصول ہوا۔ جس پر یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ بہر حال مقرر فرمودہ تعداد میں سپاہی ضرور روانہ کئے جاویں گے۔ اور کل سے ہی نقدی کے متعلق بھی کوشش شروع کر دی گئی کیونکہ جماعت کی حالت یہ ہے کہ ہر ماہ میں ماہواری چندہ آنے پر سابقہ قرضے بمشکل ادا کیئے جاتے ہیں ۔ آج آپ کے نوازش نامہ نے معاملہ کی نزاکت اور اہمیت کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے۔ مولانا بلاشک ہماری جماعت بفضلہ تعالیٰ "مشرقی" کے مریدوں کو اپنے علاقہ میں ترکی بہ ترکی جواب دیتی رہی ہے اور میرے خیال میں اتنی ناکامی اور پریشانی انہیں کسی اور علاقہ میں نصیب نہ ہو گی لیکن افسوس وہ سب بہترین جن سے ہم یہاں کام لیتے ہیں وہاں نہیں لے جاسکتے اور بغیر مکمل تیاری کئے دشمن کے مقابلہ میں جانا خطرہ سے خالی نہیں۔

میرے خیال میں ان تاریخوں میں وہاں پر حزب الانصار یا انصار المسلمین کی طرف سے باقاعدہ کیمپ ہونا چاہئے ۔ ہر روز مقررہ وقت پر مصنوعی جنگ ہو اور روزانہ باوردی سپاہی شہر کے مختلف حصوں میں گشت لگائیں۔ اس کے ساتھ ہی جلسہ میں مشرقی کے عقائد کی خوب خبر لی جاوے۔ یہ سب چیزیں مل ملا کر انہیں نکال سکتی ہیں صرف چند سپاہیوں کا باوردی موجود ہونا ملائیت کا انتقامی جذبہ قرار دیا جاتا ہے اور بس۔ نہ یہ تردیدی حربہ بن سکتا ہے اور نہ ہی جذبہ قلوب کا ذریعہ۔ اور میرے خیال میں اس پر اپنی غریب قوم کی جیبوں سے اتنی کثیر رقم نکالنا بھی گناہ سے کم نہیں۔

ہم اتنا کر سکتے ہیں کہ سامان جنگ اور اتنے سپاہی لے کر وہاں پہنچ جائیں جو جنگ میں ایک فریق بن کر مصنوعی جنگ کا نظارہ پیش کر سکیں لیکن باقی ضروریات صرف آپ کے بس کا روگ ہے۔

مقامی اور وقتی ضروریات :۔

1) کم از کم بارہ خیمہ جات مہیا کرنا۔ 2) جلسہ گاہ کے قرب وجوار میں کوئی میدان کیمپ کیلئے منتخب کرنا یا فریق مخالف کے کیمپ کے نزدیک ہی کوئی مناسب مقام منتخب کیا جاوے۔

3) ایک ہی وردی کے پچیس پچیس سپاہیوں کے کم از کم تین دستے موجود کرنا۔

خیمہ جات کے کرایہ پر زیادہ سے زیادہ سات آٹھ روپیہ صرف ہوں گے۔ علی ہذا روشنی کے انتظام پر بھی زیادہ سے زیادہ تین روپے صرف ہونگے لیکن نتیجہ کی قیمت دس ہزار بلکہ دس لاکھ سے بھی کہیں زیادہ ہو گی۔

کیا یہ چیزیں آپ مہیا فرما سکتے ہیں۔ اگر ہو سکتی ہوں تو بہت جلد واپسی اطلاع دیویں تا کہ ہمارا کوئی فوجی افسر پہلے آ کر کیمپ لگا دے۔

والسلام محمد داؤد از ٹیکسلا

یہ خط غالباً فروری 1939ء میں بھیرہ کے کیمپ سے پہلے لکھا گیا تھا۔

نوٹ :۔ انصار المسلمین / فوج محمدی کے حوالہ سے مذکورہ معلومات کا غالب حصہ " مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ" کی طرف سے شائع شدہ کتاب " تذکار بگویہ " جلد اول سے ماخوذ ہیں۔ حتی الامکان اختصار کی کوشش کی ہے تفصیلات مذکورہ کتاب میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب قابل تحسین پالیسی:۔

یہ بات خصوصی طور پر قابل ذکر ہے کہ ان چار سالوں 1938 سے 1942 تک ٹیکسلا میں مضبوط خاکسار تحریک اور بے مثال انصار المسلمین کی سرگرمیوں کے باوجود کوئی خاص باہمی ٹکراؤ نہیں ہوا، نہ ہی ذاتی دشمنیوں تک نوبت پہنچی اور نہ ہی مستقبل میں کوئی مناقشت یا نفرت کا ماحول پیدا ہوا بلکہ دونوں طرف کی اہم شخصیات اور خاندانوں میں باہمی بھائی چارے کا ماحول برقرار رہا اور اس کارِخیر کا سہرا حضرت مولانا محمد داؤد کی حکمت عملی کے سر ہے۔

تنظیم اہلسنت پاکستان کا قیام:۔

گزشتہ صفحات میں 1941ء میں چلائی گئی تحریک مدح صحابہؓ کا مختصر تذکرہ ہوا ہے اس کے مثبت اور منفی اثرات پورے برصغیر میں ظاہر ہوئے۔ مظفر گڑھ، احمد پور شرقیہ، اور خیر پور ،میرس سندھ میں سنی مسلمانوں پر ننگی جارحیت کا ارتکاب کیا گیا جس سے کئی ایک سنی نوجوان شہید ہو گئے تو جنوبی پنجاب کے حساس با اثر افراد اور علمائے کرام نے باہم طویل مشوروں اور ملک کے دیگر نامور علماء و مشائخ سے مشاورت کے بعد "اہلسنت" کو منظم کرنے اور ایسی جارحیت کا علمی، فکری، عدالتی، قانونی مقابلہ کرنے کیلئے 1943ء میں" تحریک تنظیم اہلسنت پاکستان" کے نام سے جماعت قائم کی جس کے سرکردہ رہنما سردار احمد خان پتافی، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری اور مولانا دوست محمد قریشی صاحب جیسے حضرات تھے جو پہلے " مجلس احرار اسلام" سے وابستہ چلے آ رہے تھے۔ اس جماعت کے قیام کے موقع پر اٹک سے ہمارے مربی و محسن حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب بھی اجلاس میں شریک تھے۔

ٹیکسلا میں چونکہ 32-1931ء سے "شیعہ سنی تنازعہ" پہلے مناظروں کی شکل میں اور پھر مسجد محلّہ عنایت شاہی کے بارے میں عدالتی کاروائی کی صورت میں جاری تھا جو دسمبر 1946ء میں ہائی کورٹ کے عدالتی فیصلہ پر اختتام پذیر ہوا۔ اس تناظر میں اہلسنت کو منظم کرنے اور مثبت انداز میں تبلیغ کے ذریعے ان کو صحیح عقائد سے روشناس کرانے کیلئے مذکورہ ملکی سطح کی تنظیم کی ایک شاخ ٹیکسلا میں بھی قائم کی گئی۔ جس کا سالِ تشکیل تو علم میں نہیں آ سکا البتہ کام 1964ء میں "انجمن شبان اسلام ٹیکسلا" کی تشکیل تک جاری رہا۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب اس تنظیم کے بھی سرپرست تھے اور حاجی نذیر احمد اعوان صاحب، مستری محمد جان صاحب، استاد محمد دین زرگر صاحب، جناب عبدالمجید زرگر صاحب، عبدالقیوم زرگر صاحب، حاجی محبوب الٰہی اعوان صاحب، استاد رحمت دین صاحب، منشی غلام محمد صاحب، حاجی محمد تاج صاحب، قاضی رفیق صاحب و دیگر احباب اس تنظیم کے فعال کارکن تھے۔ اس جماعت نے ملک کے مشہور علماء اور اہلسنت خطباء و مبلغین کو بلوا کر تبلیغی اجتماعات منعقد کرائے، اور پرامن انداز میں اپنے مشن کو جاری رکھا۔

چند مدعوین خطباء کے نام یہ ہیں۔

قائد اہلسنت حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری، علامہ دوست محمد صاحب قریشی، علامہ خالد محمود صاحب، مناظر اہلسنت مولانا عبدالستار تونسوی صاحب، خطیب پاکستان مولانا ضیاء القاسمی صاحب، مولانا قائم الدین عباسی صاحب، خطیب خوش بیان قاضی احسان احمد شجاع آبادی صاحب، مولانا محمد علی جالندھری صاحب، مولانا اللہ یار خان چکڑالوی صاحب۔

بیسویں صدی کے نصف اول میں انگریز حکومت کے ٹیکسلا کیلئے مفید اقدامات:۔

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ انگریز حکومت کی طرف سے ریلوے لائن بچھاتے وقت اکثر لوگوں کو باعزت روزگار مل گیا اس کے علاوہ حسن ابدال کی پہاڑیوں کے دامن میں سیمنٹ بنانے کا کارخانہ بنایا گیا جس سے سینکڑوں خاندانوں کیلئے ذرائع معاش پیدا ہو گئے بعد ازاں اسلحہ ساز کارخانہ کی بھی بنیاد ڈالی جس کے قیام سے اب تک ہزار ہا انسان جو ہمہ نوع فوائد حاصل کر چکے اور کر رہے ہیں وہ اظہر من الشّمس ہے یعنی POF آرڈیننس فیکٹری۔

انسانیت کی خدمت کیلئے سب سے اہم اقدام آنکھوں کے علاج کیلئے قائم کردہ" مشن ہسپتال" ٹیکسلا ہے۔ جس کے لئے زمین 21-1920ء میں حاصل کی گئی اور 1922ء سے ایک خیمہ میں کام شروع کر دیا گیا۔ ڈاکٹر مارٹن جو گجرانوالہ سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے بنیاد رکھی۔ 1936ء میں "ڈاکٹر انیل لعل" اور بعد میں مشہور ماہر امراض چشم "ڈاکٹر کرسٹی" نے طویل عرصہ خدمات انجام دیں۔ موجودہ انچارج "ارنسٹ لعل" 1957ء کے اواخر میں آئے اور تاحال مصروف عمل ہیں اگرچہ یہ ہسپتال عیسائیت کے فروغ کیلئے قائم کردہ ادارے کے تحت بنایا گیا تھا اور اس ضمن میں قیام سے لیکر آج تک کچھ نہ کچھ کاروائیاں ہو رہی ہیں۔ ہسپتال میں روزانہ مریضوں کے سامنے انجیل وغیرہ کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں اسی طرح ایک مبلغ اب بھی اپنی کتابیں اٹھائے گلیوں، بازاروں اور سڑکوں پر پھر کر اپنی ڈیوٹی کرتا رہتا ہے۔ اگرچہ ہسپتال کا نام مشن ہسپتال سے کرسچن ہسپتال کر دیا گیا ہے اور باوجود فیسیں وغیرہ بڑھانے کے پھر بھی مقابلتاً غریبوں کیلئے ایک آسرا ضرور ہے۔

جملہ معترضہ:۔

گذشتہ صفحات میں مذکور "مولانا محبوب عالم صاحب" طب کے بہت ماہر معالج تھے، اپنے وقت کے مشہور ترین حکیم اجمل خان کے شاگرد اور سند یافتہ تھے اور علاقہ میں ان کے شافی علاج کا شہرہ تھا۔ اس لئے مذکورہ ہسپتال کے بانی ڈاکٹر مارٹن نے ان سے دوستی کر لی تھی۔ علاج کے معاملے میں ان سے مشاورت بھی کرتے تھے اور باہمی احترام و محبت بھی تھی اسی لئے ہسپتال کے افتتاح کے موقع پر مولانا موصوف کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی اور آپ شریک بھی ہوئے تھے۔ "مولانا محبوب عالم صاحب" کی وفات بھی دوران علاج اسی ہسپتال میں ہوئی۔

انگریز کے طرز حکومت کے علاقہ پر اثرات:۔

برصغیر پر حکمران مسلمان بادشاہوں کا بھی انداز حکمرانی یہ تھا کہ علاقہ کے بااثر سرکردہ لوگوں، زمین کے مالکان، جاگیرداروں یا قابضین کو اختیارات اور خطاب دیکر اپنی خدمات کیلئے ذمہ دار بنا دیتے اس کے بدلے میں انہیں جاگیریں اور زمینیں الاٹ کر دیتے اور وہ حسب ضرورت حکومت کو افرادی قوت، مالی امداد، خفیہ معلومات، عسکری سامان، گھوڑے وغیرہ مہیا کرتے اور وفادار کارندوں کا کردار ادا کرتے۔ مسلمان حکمران عام طور پر نواب بہادر، نواب، نوابزادہ، خان بہادر، خان، سردار وغیرہ کے خطابات دیتے۔

انگریز حکمران نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ مذکورہ خطابات بھی برقرار رکھے اور لینڈ لارڈ، سر، چیف، جاگیردار، ذیلدار، نمبردار، سنسر، اعزازی کرنل، میجر، تحصیلدار، تھانیدار، اسسٹنٹ کمشنر، ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر، مجسٹریٹ، جج، میر منشی وغیرہ کے خطابات اور عہدے بھی بنائے اور ہر ایک کیلئے اہلیت بھی مقرر کر دی اور اسی حساب سے زمینیں، مربعے، رقبے، ریاستیں، اختیارات بھی دیئے اور ذمہ داریاں بھی مقرر کر دیں۔ اس طرح معاشرے کے غریب افراد کو غلامی کے تہ در تہ نظام میں جکڑ دیا ان الاٹ شدہ رقبوں اور علاقوں کو ریاست، کوٹ، گڑھ، گڑھی، گوٹھ، ڈھیر، ڈھیری، پنڈ، پنڈی وغیرہ نام دے دیئے گئے۔ یہ نام رقبہ کی وسعت کیلئے لحاظ سے ہوتے، کئی کئی سو گاؤں پر مشتمل بھی اور 84 گاؤں کی اصطلاح تو اب تک مستعمل ہے کہ فلاں خاندان "چوراسی گاؤں" کا مالک ہے اسی طرح سو، اسی، پچاس، مربعے وغیرہ ذالک۔ البتہ مؤخر الذکر اصطلاحات ایک قصبہ یا گاؤں کیلئے مستعمل تھیں۔

ٹیکسلا کی حد تک مقامی افراد میں سب سے بڑا خطاب غالباً ذیلدار کا تھا اس سے کم رتبہ نمبرداروں کا تھا۔ کچھ ڈیرے دار اور سنسر بھی تھے جو حکومت کی طرف سے انعام یافتہ اور ان کیلئے مذکورہ خدمات کے ذمہ دار۔ ان سے بڑے عہدوں میں وائسرائے کونسل کی رکنیت، ڈسٹرکٹ کونسلر، انگریز دربار کے مشیر وغیرہ شامل تھے۔ البتہ پنجاب کے ایک محکمہ آثار قدیمہ کے بڑے عہدے پر فائز محمد دین صدیقی جو ٹیکسلا میں آکر آباد ہوئے انگریز کی طرف سے "خان بہادر" بنائے گئے تھے۔ یہ عہدہ ذیلدار سے بڑا تھا۔

بالادست طبقے کے ساتھ اس خصوصی سلوک کے برعکس زیردست، محنت کش عوام کو "کمّی" کی اصطلاح دے کر ان کو غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا۔ معاشرے کو بنیادی ضروریات و خدمات مہیا کرنے والا یہ ہنر مند طبقہ یعنی مزارع، راج مستری، ترکھان، لوہار، کمہار، موچی، تیلی، جولاہے، نائی، خرکار، مزدور، پاندی، ملیار، گاڑی بان، کوچوان، مسلّی، پیغام رسان، چوکیدار، درزی، دھوبی وغیرہ "نیچ ذات" شمار کئے جاتے حتّیٰ کے مساجد کے ائمہ، قرآن مجید پڑھانے والے بھی اسی طبقہ میں شمار کئے جاتے اور انہیں مزدوری نقدی کے بجائے فصلیں تیار ہونے پر "فصلانہ" کے طور پر دی جاتی۔ امام مسجد محلے سے "چھڑ" مانگ کر روٹی کھاتا یا کسی کے مرجانے پر اس کے گھر سے چالیس دن روٹی بھیجی جاتی۔

علاقہ کے مذکورہ، وڈیرے ان طبقات کو تابعدار اور غلام رکھنے کیلئے کسی تھوڑے سے بھی "خودسر نوجوان" کو چوکی، تھانے بلوا کر چھتر پریڈ کرواتے اور پھر خود جا کر یا پولیس کو پیغام دے کر اس کی جان چھڑا کے اسے اور اس کے خاندان کو "ممنون احسان" کرتے۔ ٹیکسلا شہر کے محلّہ مکراں، موچیاں، عنایت شاہی، مجاور اور موہڑہ شاہ ولی شاہ کے زیردست خاندان اس سلوک کا بطور خاص نشانہ بنتے۔ محلّہ مکراں کے ایک نوجوان نے خود مجھے ایک واقعہ سنایا کہ ہمارے محلّہ کے "کفش دوز" گلی میں گھر کے سامنے بیٹھ کر "زری تلّہ" وغیرہ چپلوں پر کاڑھتے۔ مذکورہ "وڈیروں" میں سے ایک صاحب گلی سے گذرتے تو ہر آدمی اٹھ کر آداب بجا لاتا۔ ایک دفعہ ایک "محنت کش" سر نیچے کئے اپنے کام میں مصروف رہا اور سلام کیلئے کھڑا نہیں ہوا اس گستاخی پر اسے چوکی پر بلوا کر خوب چھتر پریڈ کرائی گئی اور پھر احسان جتا کر اس کی جان بخشی کرائی گئی۔

اس انداز حکمرانی کے علاوہ بظاہر شرفاء علاقہ کا ایک اور شاطرانہ انداز ایسا تھا جس نے کمزور زمین مالکان اور ان کے خاندان و وارثان کو تباہ و برباد کر دیا۔ یہ وڈیرے محکمہ مال وغیرہ کے ریکارڈ سے یہ دیکھتے کہ فلاں کمزور شخص کے پاس کتنی اراضی موجود ہے تو اسے اپنے قریب کر کے بظاہر دوست بنا کر عزت دیتے، ساتھ پھراتے، دعوتوں وغیرہ میں لے کر جاتے اور وہ "سادہ غریب" قرب شاہی اور عزت افزائی سے پھولے نہ سماتا کہ مجھے معاشرے میں امتیازی مقام مل گیا ہے۔ اس دوران بڑی خوبصورتی سے اس شخص سے وڈیرہ صاحب "اشٹام پیپروں" پر انگوٹھے لگوا کر اس کی زمین اپنے نام کرا کے وہ کاغذات محفوظ کر لیتا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی تدفین وغیرہ اور رسومات پر کھلے دل سے رقم خرچ کر کے اس کے وارثان کو خوش کرتے۔ چالیسویں کے کچھ عرصہ بعد اس کے ورثاء کو بلا کر ہمدردی کا اظہار کرنے اور احسان جتانے کے بعد اسے بتاتے کہ مرحوم ہمارا مقروض تھا اس لئے زمین ہمارے نام منتقل کرا دی تھی یہ کاغذات موجود ہیں لہٰذا زمین کا قبضہ چھوڑ کر ہمارے حوالے کر دو۔ ورثاء بیچارے "مرتا کیا نہ کرتا" کے مصداق رو دھو کر چپ ہو کر راضی برضا ہو جاتے۔

مثال کے طور ایک مشہور واردات درج کی جاتی ہے کہ گجر خاندان کی غالباً ایک بیوہ یا مطلقہ عورت نے خاندان سے ناراض ہوکر اپنے نام وسیع اراضی کسی بھی غیر شخص کو دینے کا فیصلہ کیا اور گلی گلی آواز لگائی کہ جو چاہے یہ زمین اپنے نام الاٹ کرالے۔ خدا خوفی کا جذبہ رکھنے والے بااثر افراد نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اس عورت کے جائز شرعی ورثاء کو محروم کرنا گوارا نہ کیا تو ایک ظالم وڈیرے نے یہ " کارخیر " انجام دے کر شہر کے شمال مغرب میں واقع اس کی وسیع وعریض زمین اپنے نام منتقل کرا کے اپنا سرکاری اثر ورسوخ کام میں لاتے ہوئے قبضہ کرلیا اور اب موصوف کے ورثاء شہر کی اس قیمتی زمین کے " جائز وارث " بن کر شریف اور معزز افراد شمار ہوتے ہیں جبکہ مستحق اصل ورثاء غربت وعسرت کی زندگی گذار رہے ہیں۔

بیسویں صدی کے نصف اوّل کا سیاسی ماحول:۔

مذکورہ جاگیردارانہ ماحول کی وجہ سے ٹیکسلا میں اس عرصہ میں کوئی سیاسی جماعت مثلاً کانگرس، مسلم لیگ، جمعیت علمائے ہند وغیرہ منظم نہ تھیں صرف سابقہ صفحات میں دی گئی تفصیل کے مطابق نیم عسکری تنظیمیں خاکسار اور انصار المسلمین منظم ہوکر اپنے مقاصد کے لئے مصروف عمل تھیں۔ انفرادی طور پر ٹھیکیدار حاجی رحمت دین صاحب اور ملک گوہر دین صاحب کانگرس کے حامی تھے جبکہ حضرت مولانا حکیم محبوب عالم صاحب اور مولانا محمد داؤد صاحب جمعیت علمائے ہند کے ہم خیال تھے۔ مختلف مواقع پر انتخابات میں ووٹ بالادست طبقہ کے مرضی کے مطابق ہی استعمال ہوتے تھے ظاہر ہے تقسیم ہند سے پہلے مسلمانوں کے اکثر ووٹ مسلم لیگ کو ہی ملے ہونگے جب 1937ء وغیرہ میں انتخابات ہوئے۔

بیسویں صدی کے پہلے حصہ کی معاشرتی ومعاشی حالت:۔

جاگیرداروں، وڈیروں، زمینداروں اور سرمایہ داروں کے علاوہ عام آبادی مزدور پیشہ تھی۔ ایک طبقہ گدھوں کے ذریعے باربرداری سے ترقی کرتے ہوئے ٹرکوں، بسوں اور ٹرانسپورٹ کمپنیوں کا مالک بن گیا۔ جس سے کچھ لوگوں کو ڈرائیور، کلینر، مستری، الیکٹریشن، لوڈر کا کام مل گیا۔ کچھ کو سیمنٹ فیکٹری اور واہ فیکٹری کی ملازمت مل گئی، ایک معقول تعداد انگریزی فوج میں بھرتی ہوگئی، تجارت پیشہ افراد دکاندار بن گئے، اکثر خاندان زمینوں پر مزارع ہوگئے، پیشہ ور محنت کش، ہنرمند اپنے پیشے سے روزی کماتے، بیل گاڑیوں کے ذریعے باربرداری بھی ایک ذریعہِ معاش تھا۔ غرضیکہ پیٹ پالنے کے یہ ذریعے اختیار کرنے کے باوجود اکثریت غریب لوگوں کی تھی جن کی مالی حالت بہت کمزور تھی۔

بے روزگاری اور تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے "معاشرتی بگاڑ" بھی بہت زیادہ تھا۔ جواء، شراب نوشی، چوری، غنڈہ گردی، باہمی لڑائیاں قتل مقاتلے، مقدمات بالخصوص لونڈے بازی یہاں کا کلچر شمار ہوتا تھا۔ مقامی وڈیرے دھڑے بندیاں بنا کر ان جرائم پیشہ افراد کی سرپرستی کرتے تھے اور اپنے مذموم مقاصد خاص طور پر مخالف دھڑے کو نقصان پہنچانے کے لئے ان کو استعمال کرتے۔ مجموعی معاشرتی ماحول ناپسندیدہ تھا۔

مذکورہ عرصہ کی تعلیمی حوالہ سے حیثیت:۔

حاصل شدہ معلومات کے مطابق سب سے پہلا "پرائمری سکول" محلّہ پھلائیاں میں 1905ء میں بنا جسے 1947ء میں لوئر مڈل کا درجہ ملا، 53-1952ء تک ٹیکسلا میں "ہائی سکول" موجود نہیں تھا۔ میٹرک کیلئے طلباء راولپنڈی وغیرہ جاتے تھے۔ پہلا ہائی سکول موجودہ ڈاکخانے کے عقب میں خان بہادر "محمد دین صدیقی" کی سرکاری کوٹھی میں شروع جو آثار قدیمہ کے انگریز سربراہ کے نائب تھے۔ علم دوست شخص تھے۔ عمارت نہ ہونے کی وجہ سے رضا کارانہ طور پر اپنی کوٹھی کا ایک حصہ "ہائی سکول" کیلئے فارغ کیا۔ بعد میں سکول "سرائے کالا" جو اس وقت انگریز کا بنگلہ تھا انگریز کے جانے کے کچھ عرصہ بعد اس میں منتقل ہوگیا۔

جاگیردارانہ اور وڈیرہ طبقہ اپنی فطرت کے مطابق عام لوگوں کیلئے تعلیم کا مخالف ہی ہوتا تھا اسلئے ٹیکسلا میں بھی یہی سبب تعلیمی ادارے نہ ہونے کا تھا۔ صاحب حیثیت مالدار حضرات اپنی اولاد کو تعلیم کیلئے قریبی شہروں میں بھیج دیتے اور متوسط یا غریب طبقہ وسائل کی عدم دستیابی کی وجہ سے اپنی اولاد کو تعلیم یافتہ نہ بنا سکتا تھا۔ آزادی کے بعد سرکاری اداروں کے علاوہ "نجی تعلیمی ادارے" بھی بنائے گئے تفصیل صدی کے دوسرے نصف کے تذکرہ میں آئیگی۔

علمی وادبی حوالہ سے 33-1932ء میں ایک ہفت روزہ اردو اخبار "ترجمان سرحد" کا اجراء بھی قابل ذکر ہے جس کے مدیر "ملک امیر عالم اعوان" تھے۔ اور اس کا دفتر مین بازار کے پرانے مشرقی حصہ میں ایک چوبارہ پر تھا۔ ایک کتاب کا ذکر بھی ملتا ہے جو موہڑہ شاہ ولی شاہ میں مقیم سادات کے ایک علمی شخصیت نے لکھی موضوع بھی علمی تھا غالباً وہ باہر سے آکر یہاں مقیم رہے تھے۔

آزادی سے قبل ٹیکسلا کا مذہبی وروحانی ماحول:۔

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے پہلا مذہبی گھرانہ جس کے آخری سربراہ مولانا علاؤالدین صاحب تھے روایتی ائمہ مساجد کی حیثیت سے مصروف عمل تھا اور دینی ضرورت کے پیش نظر "انصار المسلمین" کا معاون بھی رہا۔ اپنی گذر اوقات کیلئے صرف مسجدوں کی امامت پر انحصار نہیں کیا بلکہ دوسرے ذرائع معاش بھی اختیار کئے۔ اپنا روحانی تعلق راولپنڈی

کے مشہور صوفی خاندان عیدگاہ کے پیران طریقت سے قائم کیا۔ مولانا محبوب عالم صاحب اور مولانا محمد داؤد صاحب کی تبلیغی کاوشوں میں ہمیشہ بھر پور تعاون کیا۔ مجموعی رویہ "صلح کل" کا رہا۔ باقی مساجد کے ائمہ کرام موہڑہ شاہ ولی شاہ کے قاضی علماء، محلّہ عنایت شاہی کے عبدالرحمٰن صاحب اور ان کے جانشین مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، محلّہ موچیاں کے مولوی محمد امین صاحب، محلّہ مکراں کے استاد یٰسین صاحب روایتی اماموں کی طرح اپنا فریضہ نبھاتے رہے۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب پہلے امام مسجد تھے جنہوں نے "روایتی ملّا" بننے سے انکار کر دیا اور اپنی شرائط پر موجودہ "جامع مسجد امیر معاویہؓ محلّہ گھیلا خورد" میں ذمہ داری قبول کی، اپنی ماہانہ تنخواہ مقرر کروائی جو غالباً پندرہ روپے تھی اور ذریعہ معاش اپنے طب کے پیشہ کو بنایا آپ غالباً 1938ء میں یہاں تشریف لائے آپ کا روحانی تعلق امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحب سے تھا۔ اسی لئے آپ نے خاکسار تحریک کے مقابلے میں ویسی ہی تنظیم اسوقت بنائی جب آپ کے شیخ طریقت نے اپنے کتابچے کے ذریعے ان کے غلط عقائد کو بے نقاب کیا۔

حکومت کی طرف سے عسکری مظاہروں پر پابندی کے بعد جب ان کے تنظیمی ادارے نے دستور العمل تبدیل کیا جس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے تو آپ نے 1940 کے بعد اس دستور العمل کو اپنایا اور 1942ء میں فوج محمدی کے جمعیت علمائے ہند کے ساتھ الحاق تک مسلسل اپنی وسعت کے مطابق اس دستور العمل کے مطابق کام کیا۔

اس کے بعد مقامی حالات کی وجہ سے جمعیت علمائے ہند کی سیاسی سرگرمیوں سے الگ رہے اور اپنے پیر طریقت کے اپنائے ہوئے طریق کار کے مطابق اپنا تبلیغی، اصلاحی اور رفاہی پروگرام جاری رکھا۔ امام الاولیاء حضرت لاہوریؒ نے "تحریک ریشمی رومال" کی ناکامی کے بعد گرفتاری اور دہلی بدری کے نتیجہ میں لاہور قیام پذیر ہونے کے بعد اس شہر میں روزانہ درس قرآن کا سلسلہ شروع فرمایا تھا۔ باقاعدہ ایک تنظیم "انجمن خدام الدین" کی بنیاد رکھی تھی، تفسیر قرآن لکھنے کیلئے 1925ء میں واہ گارڈن کی مسجد میں کچھ عرصہ کیلئے قیام پذیر ہوئے جس دوران مولانا کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد جان صاحبؒ جو حضرت کے خصوصی مرید تھے اپنے گاؤں سمّوں سے جا کر حضرت کو ضروریات مہیا کرتے تھے۔ ان دینی خدمات کے ساتھ ساتھ حضرت لاہوریؒ لاہور کے مشہور رفاہی ادارے "انجمن حمایت الاسلام" کے 1933ء سے 1962 تک تاحیات رکن اور عہدے دار رہے۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے بھی 1942ء کے بعد اپنا روزانہ کا معمول اپنی مسجد میں درس قرآن و حدیث رکھا اور ہفتہ وار درس یا ماہوار دوسری مساجد اور گھروں میں۔ اپنے گھر میں بچوں کے لئے ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم، ترجمہ، ضروری دینی معلومات اور بچیوں کیلئے حسب ضرورت عصری تعلیم کا کام بھی کرتے رہے۔ رفاہ عام کیلئے لوگوں کی طبابت کے ذریعے بھی خدمت کی اور روحانی اصلاح کیلئے اپنے شیخ کے سلسلہ میں اپنے قریبی متعلقین کو بیعت کرا کے شامل کیا اور سلسلہ قادریہ راشدیہ کی ہفتہ وار مجلس ذکر کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

اس دوران "طویل المیعاد" منصوبہ بندی بھی کی جس پر 1952ء سے تعلیم ادارہ بنا کر عمل شروع کر دیا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

مذکورہ عرصہ میں "مجالس وعظ و پیری مریدی" کا سلسلہ:۔

ہری پور شہر کے مغرب میں واقع موضع "ڈھینڈہ" کا سادات خاندان جو "ڈھینڈہ والے شاہ" کے نام سے معروف تھے اور ان کے اصلاحی مواعظ پورے علاقہ میں مشہور تھے۔ ان کا تعلق مشہور صوفی بری امام کے خاندان سے تھا۔ سید کسراں چکوال سے آکر ڈھینڈہ میں آباد ہوئے۔ علمی طور پر بھی یہ خاندان بہت مشہور تھا جامع اشرفیہ کے بانی "مفتی محمد حسن صاحب" جیسے بے مثال عالم و صوفی ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ سکھوں کے خلاف جہاد کیلئے اس خاندان نے سید احمد شہیدؒ سے بیعت کر کے مجاہدین کی ہر طرح کی مدد کی۔ خاندان کے سربراہ حافظ جی کے نام سے موسوم تھے۔

ان میں خوش الحانی سے وعظ کیلئے محمود شاہ اور انور شاہ بہت مشہور تھے جو ٹیکسلا بھی تشریف لاتے۔ ریلوے سٹیشن سے ان بزرگوں کو جلوس کی شکل میں کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے شہر لایا جاتا، مسجد کی چھت پر بیٹھ کر وعظ کرتے۔ تمام مرد، عورتیں ان کا وعظ سنتیں۔ شہر کے سارے خاندان ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ محرم الحرام کے مہینے میں یہ واعظین مرکزی جامع مسجد میں جمعہ بھی پڑھاتے تھے۔ غرضیکہ ان کے مواعظ سے ٹیکسلا کے عقائد کی اصلاح، نیکی کے فروغ اور معاشرے کی اصلاح کا قابل قدر کام ہوا۔ اسی خاندان کے قاضی محمد اسلم صاحب درس نظامی کے بہت مشہور مدرس تھے۔ گوجرانوالہ کے "مدرسہ نصرت العلوم" اور دیگر بڑے مدارس میں تدریس کرتے رہے ان کے ایک اور عالم مولانا عبدالصبور صاحب کے ٹیکسلا کے دینی طبقوں بالخصوص حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کے خاندان سے بہت قریبی تعلقات تھے۔ ان کے علاوہ "تصوف" کے سالک ایک اور خاندانی نوجوان سید عبدالماجد شاہ صاحب حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی صاحب کے دیوانے تھے۔ ان کے انداز میں تقریر بھی کرتے جو سن کر حضرت درخواستیؒ بہت خوش ہوتے۔ ہمارے بھی وہ اس وجہ سے قریبی ساتھی تھے۔ وہ شعبہ تعلیم سے بھی وابستہ تھے۔ آخری عمر میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ صاحب سلسلہ چشتیہ میں ایک خلیفہ منیر شاہ صاحب سے متعلق ہو گئے جو ہری پور کی ٹیلیفون فیکٹری کے سابق افسر تھے اور اسی فیکٹری کے قریب اپنی خانقاہ بنائی تھی۔

جہاں تک پیری مریدی کے سلسلہ کا تعلق ہے تو روایتی طور پر ہر مسلمان خاندان کے کوئی نہ کوئی خاندانی پیر ضرور موجود ہوتے تھے جو سال میں ایک دو بار دورے پر اپنے متعلق

گھرانوں میں تشریف لاتے، نذرانے بھی وصول کرتے اور ملاقاتیں کر کے واپس تشریف لے جاتے۔ عرسوں کے موقع پر یہ مرید خاندان ان کے ہاں لازماً جاتے۔ ماضی میں تو یہ سلسلہ عروج پر تھا لیکن رفتہ رفتہ اب کمزور پڑ گیا ہے البتہ اب بھی کئی خاندان اس روایت کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

انفرادی اصلاح کے لئے مفید ترین سلسلہ دعوت و تبلیغ:۔

دارالعلوم دیوبند کے دہلی کے فضلاء میں سے حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ نے غالباً 34-1933ء میں مسلمانوں کی انفرادی اصلاح و بنیادی مذہبی معلومات کی فراہمی، کلمہ و نماز کے الفاظ کی درستگی، اصلاح معاشرہ کے لئے گھر گھر جا کر منّت وزاری کر کے مسجد کے اندر لا کر رابطہ و تعلیم کا سلسلہ شروع فرمایا جسے اللہ تعالیٰ نے قبولیت سے نوازا اور جلد ہی اس کام کا پھیلاؤ پورے برصغیر میں ہو گیا جواب عالمی سطح پر پھیل چکا ہے۔ طریقہ کار کے مطابق مقامی مساجد میں کام کے علاوہ قریب و بعید شہروں اور دیہاتوں میں ذاتی خرچ پر تین دن، دس دن، چالیس دن، چار ماہ وغیرہ کے لئے جماعتیں روانہ ہوتیں اور طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق وقت لگاتیں ٹیکسلا میں بھی یہ کام حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے شروع کیا جس میں اگرچہ تیزی پی او ایف بننے کے بعد آئی جب واہ کی مرکزی جامع مسجد میں جمعرات کی شب جمعہ کا سلسلہ شروع ہوا جس میں پورے علاقہ سے ساتھی جمع ہوتے لیکن جماعتیں روانہ کرنے کا سلسلہ پنڈی مرکز سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا راقم السطور کے والد ماجد غالباً 49-1948ء میں جہلم کے سہ روزہ وغیرہ میں کثرت ذکر کی وجہ سے ذہنی اختلال کا شکار ہوئے۔ بعد میں آپ مقامی امیر بھی مقرر کیے گئے اسی لئے آپ کو اکثر ساتھی امیر صاحب کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

آزادی سے قبل تک چند قابل ذکر شخصیات:۔

اکثر خاندانوں اور ان میں سے با اثر قابل ذکر شخصیات کا تذکرہ ہو چکا ہے اور ان میں سے آزادی کے بعد موثر کردار ادا کرنے والے "سپوتوں" کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ یہاں چند اور کرداروں کا ذکر مقصود ہے جو آزادی سے قبل فعال تھے۔

خان بہادر محمد دین صدیقی صاحب:۔

موصوف کا تعلق سیالکوٹ یا گوجرانوالہ سے تھا، محکمہ آثار قدیمہ کے انگریز سربراہ کے نائب تھے۔ انگریز حکومت کی طرف سے "خان بہادر" کا خطاب ملا ہوا تھا۔ ریلوے روڈ پر موجود ڈاکخانہ کے عقب میں وسیع رقبہ پر مشتمل شاندار کوٹھی ملی ہوئی تھی جس کا کھلا لان بھی تھا جہاں وہ شام کو کرسیاں لگا کر علاقہ کے رؤساء، زمینداروں اور کھڑ پینچوں کے ساتھ محفل کرتے۔ اس محفل کے شرکاء میں قابل ذکر نام بابو علی محمد، کرم خان کھٹڑ، اڈا کرم حسین، قاضی فضل الٰہی عرف دندو، غلام محمد ہیں۔

صدیقی صاحب علم دوست شخص تھے جیسا کہ گذر چکا ہے جب ٹیکسلا کے لئے 54-1953ء میں ہائی سکول منظور ہوا تو عمارت میسر نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے اپنی کوٹھی کا ایک حصہ ہائی کلاسوں کے لئے فارغ کر دیا اسی طرح مرکزی جامع مسجد کے ساتھ ملحقہ ہندوؤں کی کوٹھی نما متروکہ عمارت جو آپ کی تحویل میں تھی وہ حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کے شروع کئے گئے "مدرسۃ تعلیم القرآن" کیلئے الاٹ کرانے میں بھی مئوثر کردار ادا کیا۔ جس مدرسہ / ہائی سکول کی تفصیلات آئندہ صفحات میں درج ہیں۔

بابو علی محمد صاحب:۔

آپ کا تعلق کشمیری برادری سے تھا آباء واجداد ٹیکسلا آ کر مزارعت میں مصروف ہو گئے تھے آپ نے ریلوے کیلئے پتھروں کی سپلائی کے موقع پر ٹھیکے لئے، کبڈی کے مشہور کھلاڑی تھے، اس کے علاوہ پہلوانی کا شوق بھی تھا اور کشتیاں لڑتے تھے۔ آپ انتہائی خوش لباس تھے اور اچھے رکھ رکھاؤ کے مالک تھے، با اثر لوگوں میں شمار ہوتا بلکہ "بادشاہ گر" کا کردار ادا کرتے تھے۔ اولاد کو اچھی تعلیم دلوائی اور بہترین سرکاری اداروں میں ملازم کرایا۔ آپ کے پوتے بھی اچھے عہدوں اور باعزت کاروبار والے ہیں۔

کرم خان کھٹڑ صاحب:۔

علاقہ میں موجود بڑی وسیع برادری اور موثر قوم کھٹڑ واہ کے سرداروں اور خانپور کے گکھڑ راجوں کے مدتوں سے موجود ریاستوں اور حکومتی حلقوں میں اثر و رسوخ کی وجہ سے ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ کرم خان اسی قوم کے فرد تھے۔ آپ کے پانچ فرزند تھے ایک میجر اشرف صاحب مشہور شخصیت ہیں اسی طرح ڈاکٹر تاج صاحب بھی۔ جن کی شادی عثمان کھٹڑ کے بریگیڈیئر طفیل کی بیٹی سے ہوئی جن کے دو صاحب جائیداد بیٹے بشیر خان اور نذیر خان لاولد تھے اس طرح ڈاکٹر تاج صاحب کی اہلیہ کو باپ کے علاوہ ان دو بھائیوں کی ملکیتی زمین بھی مل گئی اس طرح یہ خاندان وسیع رقبہ کا مالک بن گیا۔

ماسٹر حافظ غلام ربانی صاحب:۔

آپ کے والد گل حسن صاحب اچھے عالم دین تھے جو مری کے علاقہ سے کر موال آ کر امام مسجد رہے اور 55-1954ء میں حیدر شاہ ٹھیکیدار کے بھٹے پر منشی بھی رہے۔ آپ کے والد صاحب نے آپ کو اچھی تعلیم دلوا کر فروغ تعلیم کے لئے محکمہ تعلیم میں بطور ٹیچر بھرتی کروایا۔ غالباً آپ کو حفظ قرآن بھی کرایا حافظ صاحب بڑے قابل استاد تھے اور صاحب مطالعہ

بھی۔ٹیکسلا کے ذیلدار اپنے بیٹوں کوان سے ٹیوشن پڑھواتے ۔جیسا کہ گذر چکا ہے کہ آپ علامہ مشرقی صاحب سے متاثر ہوکر خاکسار تحریک میں شامل رہے اوران کے بعض متنازعہ خیالات کا پرچار بھی کرتے رہتے تھے۔

دوران ملازمت آپ نے محلّہ عیدگاہ میں ٹیوشن سنٹر بنایا ہوا تھا جسے ریٹائرمنٹ کے بعد سکول کا درجہ دے دیا جو"ماسٹر حافظ" کا سکول کہلاتا تھا۔یہ سکول آزادی کے کچھ سال بعد بنا تھا آپ کے صاحبزدے ہیڈ ماسٹر مشتاق صاحب طویل عرصہ سرکاری ہائی سکول واقع سرائے کالا کے سربراہ رہے پوتے بھی غالبًا انجینئر وغیرہ تھے۔

میر غلام سرور صاحب:۔

آپ بھی باقی کشمیری مہاجرین کی طرح کانوں سے پتھر نکالنے کے کام سے شروع کرکے ٹرانسپورٹر بنے۔مالی طور پرآسودہ حال تھے،شہر کی سیاسی وسماجی سرگرمیوں میں دلچسپی لیتے تھے ذاتی ، برادری بڑی تعداد میں آباد تھی ان کے ایک عزیز میر علی بہادر صاحب پہلے بلدیاتی انتخاب میں ممبر بھی بنے اور ایک دھڑے میں فعال کردار ادا کیا۔میر صاحب موصوف نے ایک دو بیٹوں کو اچھی تعلیم دلوائی جنہوں نے پنڈی ہزارہ ٹرانسپورٹ کی انتظامیہ میں اپنا حصہ ڈالا۔آپ کے ایک پوتے میر ظفر اقبال اب تک سیاسی طور پر فعال ہیں اور بلدیاتی انتخابات میں حصہ لے کر جیتتے اور ہارتے رہتے ہیں۔

بابا حیدر لاری والے:۔

ان کی صورتحال بھی اوپر مذکور میر سرور صاحب کی طرح ہی تھی معاشرے کے بااثر اور معزز فرد تھے ان کا تعلق "ہرج ملک" خاندان سے تھا۔دھڑے بندی میں بھی فعال کردار ادا کرتے آپ کے دو صاحبزادے بشیر احمد صدیقی اور حاجی نذیر احمد صدیقی بلدیاتی کونسلر بھی رہے۔ان کے فرزندوں میں سے تین سپوت معاشرے کے متحرک کردار رہے جن میں سے دو وفات پا چکے ہیں نیک رشید اور ملک محمد صدیق مرحوم۔نیک رشید مرحوم کے فرزند عمیس رشید فی الوقت میونسپل کمیٹی کے منتخب رکن ہیں جبکہ صدیقی صاحب کے تین بیٹوں میں سے سعید احمد صدیقی مسلم لیگ ن میں فعال ہیں اور ماضی میں سیاسی طور پر متحرک نہ رہنے والے ایک بھائی ملک خورشید انور صاحب اب مرکزی عیدگاہ کی انتظامیہ کے رکن مجلس عاملہ کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔حاجی نذیر احمد صدیقی صاحب "پاکستان قومی اتحاد" کی تحریک میں " تحریک استقلال" کے نمائندے کے طور پر بہت متحرک رہے ہیں اوراس کے بعد ہونے والے بلدیاتی انتخابات میں بھی۔

میر غلام حیدر پمپ والے:۔

موصوف کی صورتحال بھی اوپر مذکور کیفیت کے مطابق ہے۔انہوں نے بھی محنت مزدوری کرکے اپنی مالی حیثیت مضبوط کی ٹرانسپورٹ کے ساتھ پہلے قائم ہونے والے پٹرول پمپوں میں سے جی ٹی روڈ پر ایک پمپ لگایا۔اس کے بعد فارورڈنگ ایجنسی کے طور پر ٹرک اڈا بھی بنایا جو ٹیکسلا موٹر یونین کے نام سے قائم ہے۔اپنے دوست ملک میر عالم صاحب کی تحریک پر زمینیں بھی خریدیں۔اس طرح پوری اولاد کو آسودہ حال کر دیا۔اور انہوں نے پھر اپنی فرزندوں کو اچھی تعلیمیں دلوا کر معاشرے میں ایک باعزت مقام حاصل کرنے میں مدد دی۔ان کا ایک پوتا کرنل کے عہدہ تک پہنچا اور ابھی تک تعلیم کے فروغ کیلئے ایک اعلیٰ تعلیمی ادارے میں خدمات انجام دے رہا ہے۔اسی طرح ایک اور پوتا بھی تعلیم کے شعبہ میں ہی ملازمت کر رہا ہے۔ایک اور قابل ذکر پوتے میر سلیم اختر صاحب کا تذکرہ آگے ہوگا۔

مذکورہ شخصیات کے علاوہ بھی چند مشہور افراد ہیں جن کا کردار آزادی کے بعد بھی نمایاں رہا ہے لہٰذا ان کا ذکر حسب موقع آئندہ صفحات میں ہوگا۔البتہ متفرق قابل ذکر افراد یہ ہیں۔ راجہ فضل الٰہی (جو راجہ مشتاق کے والد تھے جن کا پورے پاکستان میں ٹرکوں والی ٹرانسپورٹ کے حوالہ سے بڑا نام تھا) بھی فعال آدمی تھے میر غلام سرور مذکور کے لنگوٹیے یار تھے ان کے علاوہ غلام حیدر صاحب کوٹھی والے بھی مشہور شخص تھے۔جیون روڈ کے جناب علی حیدر بٹ صاحب بھی ٹرانسپورٹر تھے۔فضل الٰہی (عرف کھوتیوں والے) ایک قابل ذکر شخصیت تھے جو بعض معاملات میں دلچسپ اور مئوثر کردار ادا کرتے تھے۔ڈاکٹر ثناء اللہ اور ڈاکٹر غلام حیدر بھی بعض حوالوں سے قابل ذکر ہیں۔اسی طرح مین بازار کے سیٹھ محی الدین اور ان کا خاندان بھی جنہوں نے اپنا چمڑا صاف کرنے کا کارخانہ بھی لگایا ہوا تھا بھی معزز آدمی تھے۔ان کے سپوتوں میں بریگیڈیئر، انجینئر اور سریا بنانے والی مل کے مالکان بھی شامل ہیں۔مالی طور پر یہ بہت مستحکم خاندان شمار ہوتا ہے اور شریف بھی۔

آزادی سے قبل ہی دنیاوی طور پر چند قابل ذکر شخصیات کے تذکرہ کے بعد آگے بڑھنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں مذہبی حوالے سے مذکور "سموں خاندان" کے قابل فخر سپوتوں کے متعلق کچھ تفصیلی معلومات لکھ دی جائیں جن سے آگاہ ہونا قارئین کیلئے ضروری ہے۔

حضرت مولانا حکیم محبوب عالم صاحب رحمتہ اللہ علیہ

خاندان اور وطن اصلی:۔

آپ کے آباؤ اجداد مقبوضہ کشمیر کے موضع کرناہ سے ہجرت کر کے پاکستان کے علاقہ میں آئے تھے۔یہ خاندان نسلاً راجپوت شیخ تھا جو سکھ مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گیا تھا۔سب سے

پہلے مسلمان ہونے والے رئیس کرناہ راجہ کچھمن سنگھ تھے جن کا نام یوسف شاہ رکھا گیا تھا۔روایت کے مطابق آپ ایک خواب دیکھنے کے بعد اس کا عملی نتیجہ دیکھ کر مسلمان ہوئے ۔ان کا طب وحکمت سے بھی تعلق تھا ان کے بیٹے میاں محمد غیاث کی اولاد میں سے محمد حسن کے چار فرزند تھے جن میں سے ایک بیٹے میاں عبدالوہاب کے ایک فرزند حکیم عبدالرحمٰن تھے جو مولانا محبوب عالم صاحب کے دادا تھے اور انہوں نے جیسا کہ ابتدائی صفحات میں گذر چکا ہے اپنا ایک فرزند حکیم فضل الٰہی صاحب مرحوم اپنے پیرخانہ کیلئے وقف کر دیا تھا۔جو آپ کے والد گرامی تھے۔آپ کے دادا مرحوم نے اپنے شیخ پیر فاضل شاہ صاحبؒ کے پیر بھائی مشہور حکیم شمس الدین بہاولپوری سے بہاولپور میں طب وحکمت کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور اپنے وقف شدہ مذکورہ بیٹے کو خود اس فن کی تعلیم سے آراستہ کیا۔

پیدائش اور ابتدائی تعلیم :۔

آپ غالباً 94-1893ء میں "سموں" میں پیدا ہوئے۔حقیقی بہن بھائی نہ تھے دوسرے دو چھوٹے بھائی حضرت مولانا محمد جان صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد داؤدؒ صاحب والد صاحب کی دوسری اہلیہ سے تھے۔ابتدائی دینی وعصری تعلیم اپنے گاؤں اور ملحقہ دیہات میں ہی حاصل کی۔تقریباً پندرہ سال کی عمر میں والد صاحب وفات پا گئے مذکورہ دونوں بھائی بہت چھوٹے تھے۔حالات کا تقاضا تو گھر ٹھہرنے کا ہی تھا لیکن دینی علوم کے حصول کی طلب اور شوق میں والدہ صاحبہ کی اجازت سے گھر چھوڑ دیا اور اس مقصد کے لئے چل پڑے۔

دینی وطبی تعلیم :۔

اس باسعادت سفر کا پہلا پڑاؤ پنجاب کے مشہور دینی تعلیمی مرکز "موضع انّہی ضلع گجرات" تھا جہاں برصغیر کے معروف عالم دین مولانا غلام رسول صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ان کے طلباء کو دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ بلا امتحان داخلہ دے دیتے تھے۔یہاں سے تعلیم حاصل کر کے آپ دہلی تشریف لے گئے اور دورہ حدیث جامع مسجد فتح پور دہلی میں مولانا سلطان محمود صاحب (ساکن کٹھالہ شیخاں ضلع گجرات) سے کیا اور ساتھ ہی طبیہ کالج دہلی میں برّصغیر کے مشہور استاذ الاطباء حکیم اجمل خان صاحبؒ سے طب کی تعلیم حاصل کر کے غالباً 1923ء میں ان کے دستخطوں سے سند فراغ لی۔دوران قیام دہلی دونوں چھوٹے بھائی بھی دیوبند سے آ گئے تھے۔پردیس میں وسائل نہ ہونے کی وجہ سے جو صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں وہ ان بھائیوں کی استقامت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

وطن واپسی اور مصروفیات :۔

حصول تعلیم وفن طبابت کے بعد وطن لوٹے تو مکان بوسیدہ ہو چکے تھے انہیں قابل رہائش بنا کر دواخانہ بھی گھر میں ہی بنالیا۔طبابت کے ساتھ ساتھ تبلیغ دین اور بدعات کے قلع قمع کو اپنا مقصد حیات بنا کر مصروف عمل ہوگئے۔کچھ دن کی عسرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے قریبی گاؤں " گودھو" کے ایک رئیس کے ناقابل علاج مرض کو صحت میں تبدیل کرا دینے پر اس کی طرف سے ایک گائے دلوادی جس سے معیشت کا مسئلہ بھی حل ہو گیا اور طب کی حذاقت بھی مشہور ہوگئی۔

ازدواجی زندگی اور ٹیکسلا آمد :۔

اس دوران "بدھو" گاؤں سے خالہ کی بیٹی بیاہ لائے اور وسائل آمدن میں اضافہ کیلئے غالباً 31-1930ء کے لگ بھگ ٹیکسلا میں دواخانہ بنا کر روزانہ وہاں آنا جانا شروع کر دیا۔بعد میں مستقل طور پر ٹیکسلا منتقل ہوگئے اور تاحیات انسانیت کی خدمت بھی کرتے رہے جیسا کہ گذر چکا ہے باطل فرقوں کا حکمت وتدبر سے مقابلہ بھی۔1946ء میں مسجد محلّہ عنایت شاہی کے حتمی عدالتی فیصلہ کے بعد چونکہ اس وقت آپ کے برادر اصغر حضرت مولانا محمد داؤد صاحب ٹیکسلا تشریف لا کر اپنا فعال کردار ادا کرنے لگے تھے آپ نے اپنی پوری توجہ طب وحکمت پر مرکوز کر دی۔

علالت ووصال :۔

تقریباً 65 سال کی عمر میں بوجہ امراض آپ کے جسم میں پانی کی زیادتی ہوگئی جس کے علاج کیلئے قریبی ہسپتال میں جس کے تیس سال قبل افتتاح میں آپ شریک تھے داخل کرایا گیا ۔لیکن آپ جانبر نہ ہو سکے اور اٹھائیس اگست 1954ء بمطابق 29 ذوالحج 1373 ہجری بروز اتوار صبح 9 واصل بحق ہوگئے۔آپ کا جنازہ سہ پہر ساڑھے پانچ بجے آبائی گاؤں سموں میں ادا کیا گیا اور وہیں تدفین ہوئی جنازہ میں علاقہ کے بہت کثیر تعداد میں مسلمان شریک ہوئے۔

اولاد واحفاد :۔

آپ کے ورثاء میں ایک بیٹا حکیم محفوظ الرحمٰن اور دو شادی شدہ بیٹیاں تھیں جن میں سے ایک ضلع بہاولپور میں آباد ہوئیں۔صاحبزادہ جو 1931ء میں ٹیکسلا پیدا ہوئے 1991ء تک " محفوظ دواخانہ " کے نام سے خلق خدا کی خدمت کرتے رہے اور روحانی تعلق شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ساتھ قائم رکھا۔ان کے ایک صاحبزادے حافظ محمد

سعد صاحب جو 1963ء میں پیدا ہوئے اور 43ء کی عمر میں وفات پائی، اپنے جمعیت علمائے اسلام میں رہ کر بھرپور زندگی گذاری۔ کچھ تذکرہ آگے آئے گا۔ دوسرے دو فرزند حکیم اسد صاحب اور سعید صاحب بھی موجود دور میں خوب فعال ہیں۔

حضرت مولانا حکیم محمد جان صاحب رحمتہ اللہ علیہ

آپ کی ولادت 1901ء میں ہوئی آپ 6 سال کے تھے کہ والد ماجد وفات پا گئے۔ ابتدائی دینی تعلیم گھر میں ہی حاصل کی اور عصری تعلیم کیلئے قریبی دیہات عثمان کھٹڑ کے سکول میں داخل کرائے گئے جہاں پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔

دینی تعلیم وطبابت کی سند:۔

آپ مذہبی و دینی علوم کے حصول کیلئے سیریاں بگڑا، مکھڈ سیال، چکوال، گجرانوالہ، کٹھالہ شیخاں وغیرہ تعلیمی مراکز میں داخل رہے اور حضرت خواجہ قمر الدین سیالویؒ اور گجرانوالہ کے مشہور مدرس مولانا عبدالعزیز صاحبؒ جیسے جبال علم سے کسب فیض کیا پھر دو سال خانقاہ اجمیر شریف میں پڑھ کر دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور وہاں دو سال تک حضرت شیخ الہندؒ جیسے اساتذہ سے تعلیم وتربیت حاصل کی یہ غالباً 38-1337 ہجری بمطابق 19-1918ء کے سال تھے۔ دیوبند سے دہلی آپ بڑے بھائی صاحب کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ امینیہ میں زیر تعلیم رہ کر دورہ حدیث کیا اور ساتھ ہی طبیہ کالج میں داخل ہو کر آپ نے بھی حکیم اجمل خان صاحب سے طب کی تعلیم حاصل کر کے سند فراغت لی ۔ دہلی میں آپ گذر اوقات کیلئے ایک مسجد میں امامت اور " مکتبہ مجتبائی " میں بطور مصحح یعنی "پروف ریڈر" بھی کام کرتے رہے۔ کچھ عرصہ ایک دواخانہ میں بھی کام کیا۔ چھوٹے بھائی مولانا محمد داؤد صاحب بھی دیوبند سے آکر آپ کے ساتھ ہی رہائش پذیر ہو گئے تھے۔

لاہور میں قیام اور بیعت طریقت وتدریس:۔

دہلی سے واپس آکر لاہور میں شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، قرآن مجید کا ترجمہ وتفسیر پڑھنے کے ساتھ ساتھ بیعت طریقت کر کے "سلوک" کی تربیت بھی حاصل کی اور وہیں شیخ طریقت کے مدرسہ " قاسم العلوم " میں تدریس بھی شروع کر دی۔

بہاولپور روانگی وقیام:۔

لاہور میں کچھ عرصہ قیام کے بعد اپنے گاؤں تشریف لائے لیکن مالی حالت کی کمزوری اور مقروض ہو جانے کی وجہ سے 1931ء میں اپنے برادر اصغر حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کو (جو اس وقت تک دہلی سے واپس آچکے تھے) ہمراہ لے کر ریاست بہاولپور تشریف لے گئے۔ وہاں دونوں بھائی جامعہ عباسیہ میں اسلامیات کے مدرس مقرر ہوئے۔ آپ فارغ اوقات میں ایک دواخانہ پر بھی کام کرنے لگے۔ جب پس انداز کردہ رقم قرضہ ادا کرنے کیلئے کافی ہوگئی تو آپ ڈیڑھ سال بعد وطن واپس لوٹ آئے جبکہ مولانا محمد داؤد صاحبؒ 1935ء وہیں مقیم رہے۔

گاؤں میں واپسی اور مصروفیات:۔

واپس آکر آپ نے قرضہ ادا کیا اور اپنے آبائی پیشہ طبابت کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی تدریس اور تبلیغ دین کو اپنا معمول بنا لیا جو تاحیات جاری رہا۔ 1950ء تک اپنے شیخ طریقت کی طرز پر اپنی مسجد میں بلاناغہ درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا۔ اسی طرح ملحقہ گاؤں گڑھی افغاناں میں درس قرآن دیتے رہے۔ اپنی مسجد میں آپ نے مقامی و بیرونی طلبہ کیلئے دینی مدرسہ بھی شروع کیا جو 1954ء تک مصروف عمل رہا۔ آپ کے اس عرصہ کے قابل ذکر شاگرد علماء کرام شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب، مولانا خلیل الرحمٰن صاحب (سکندر پورہ ہری پور) مولانا عبدالمہیمن صاحب، مولانا عبدالغنی صاحب، مولانا محمد صدیق شہید صاحب اور مولانا اسرار الحق صاحب (اچھڑیاں مانسہرہ) ہیں۔ ان مصروفیات کے ساتھ ساتھ آپ اپنے شیخ طریقت کے سلسلہ کی مجالس ذکر کا بھی اہتمام فرماتے تھے۔ آپ نے علاقہ کے نوجوانوں کو علم دین حاصل کرنے اور اسے پھیلانے پر آمادہ کیا جس کا خاصا اثر ہوا اور بہت سے علماء، قراء، اور حفاظ اس کام میں تاحال مصروف ہیں۔ ملحقہ گاؤں گڑھی افغاناں کے مشہور "اصحاب ثلاثہ" حضرت مولانا محمد صابر صاحب، حضرت مولانا عبدالسلام صاحب اور حضرت مولانا محمد امتیاز خان صاحب تدریس علوم کیلئے ملک گیر شہرت کے حامل ہیں۔ اول الذکر " شیخین" حضرو میں دار العلوم بنا کر تدریس کے علاوہ ہمہ نوع بے مثال مذہبی، سیاسی اور سماجی خدمات انجام دے کر متوسلین کو داغ مفارقت دے گئے ہیں۔ اور موخر الذکر واہ کینٹ میں ایسی ہی خدمات میں مصروف عمل رہ کر اب اپنے مرحوم ساتھیوں کی نیابت کے لئے " حضرو" میں وہی ذمہ داریاں پوری کر رہے ہیں۔ ان حضرات کو حضرت مولانا محمد جان صاحب اور ان کے فاضل شاگرد حضرت مولانا عبدالغنی صاحب نے اس راستے پر لگایا۔ یہ ان کیلئے عظیم صدقہ جاریہ ہیں۔

باطل نظریات کا مقابلہ:۔

علامہ عنایت اللہ مشرقی کے ملحدانہ نظریات کے مقابلہ کیلئے آپ نے بھرپور کام کیا۔جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔اسی طرح 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں عملاً شرکت کی۔اپنے صاجزادہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب سمیت علاقہ بھر کے نوجوانوں کی رضا کارانہ گرفتاریاں کرائیں۔ٹیکسلا میں شیعوں کی طرف سے مسجد پر قبضہ کے وقت سول نافرمانی کے لئے بھی افرادی قوت مہیا کی اور 1959ء، 1961ء میں گڑھی افغاناں میں شیعوں کی طرف سے مجلس عزاء اور ماتمی جلوس نکالنے کی کوششوں کو بزور قوت روکا۔

مزاج، ذوق عبادت اور شریعت کی پابندی:۔

آپ انتہائی جمالی مزاج تھے، شرمیلی طبیعت پائی تھی، ہمیشہ نگاہ نیچی رکھتے اور انتہائی نرمی سے غلط عقائد، گناہوں اور منکرات سے بچنے کی نصیحت فرماتے لیکن غیر شرعی عمل دیکھ کر مداہنت نہ فرماتے بلکہ بلالحاظ تعلق ورشتہ سخت نکیر فرماتے۔ذاتی طور پر فرائض کے علاوہ نفلی روزوں اور نمازوں کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔رمضان شریف کی آخری عشرے کی طاق راتوں میں باوجود ضعف کے نوافل میں چھ، چھ پارے کھڑے ہو کر سنتے۔سنت رسول پر عمل آپ کا دائمی معمول تھا۔آپ دیہات میں نماز جمعہ کو جائز نہیں سمجھتے تھے جب تک گڑھی افغاناں کی آبادی بڑھنے اور بازار بن جانے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے جواز کا فتویٰ نہ لیا آپ جمعہ پڑھنے طویل عرصہ پیدل ٹیکسلا جاتے رہے۔

آپ نے 1964ء میں فریضہ حج ادا کیا۔اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے بھی اسی سال غالباً پہلا حج کیا۔

شیخ طریقت کی خدمت اور ان کے ہاں مقام:۔

جیسا کہ گذر چکا ہے کہ آپ نے حضرت لاہوریؒ سے بیعت کے بعد ان کے قائم کردہ مدرسہ میں تدریس کی خدمات بھی انجام دیں اور اس دوران جب حضرت سموں کے قریب "واہ گاؤں" کی مسجد میں قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کیلئے غالباً 1925ء میں قیام پذیر ہوئے تو مولانا محمد جان صاحب نے مسلسل خدمت کی اور حسب الحکم ضرورت کی اشیاء مہیا کرتے رہے۔دونوں مقامات کے درمیان خاصا فاصلہ ہونے کے باوجود کبھی تعمیل ارشاد میں سستی نہیں کی۔آپ کے برادر اصغر حضرت مولانا محمد داؤد صاحب بتایا کرتے تھے کہ جب کبھی حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں حاضری ہوتی تو فرماتے کہ مجھے شرم آتی کہ مولوی محمد جان صاحب کو اجازت بیعت دوں اس لئے کہ ان کا مقام بہت اونچا ہے۔

ایام وصال کی کیفیت:۔

آپ کو تقریباً 78 سال کی عمر میں 4 جون 1979ء کو دل کا دورہ ہوا۔دوا سے کچھ افاقہ ہوا۔اگلی سحری کو خود اٹھے، وضو کیا، جائے نماز بچھائی تاکہ اپنی زندگی بھر کا تہجد پڑھنے معمول پورا کریں لیکن اس دوران غالباً پھر دل کی تکلیف ہوئی اور بے ہوش ہو گئے۔غالباً دل کا دورہ و دماغی فالج بھی ہو گیا تھا۔حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کے مشورہ سے پی، او، ایف ہسپتال میں علاج کیلئے داخل کرایا گیا۔علاج کے باوجود ہوش نہ آیا۔لیکن ہسپتال کا جو عملہ علاج اور دیکھ بھال پر مامور تھا وہ یہ دیکھ کر حیران تھا کہ دماغی فالج اور بے ہوشی کے باوجود آپ کا دل ذکر اللہ کر رہا ہے۔وہ عملہ دوسرے ساتھیوں کو بلا کر یہ کیفیت دکھاتا۔انہیں تو اس بات کا ادراک نہ تھا کہ اصل میں یہ "پاس انفاس" کا ذکر تھا جو مسلسل جاری تھا۔جب روح پرواز کر گئی تو ڈاکٹر موت کی تصدیق کرنے سے ہچکچا رہے تھے اس لئے کہ جسم مبارک گرم تھا اور اس میں زندگی والی لچک موجود تھی۔آپ کی یہ کیفیت دوران غسل اور بعد تک موجود رہی۔جدائی کا یہ لمحہ 6 جون 1979ء بوقت سحر تھا۔

جنازہ اور تدفین:۔

آپ کا جنازہ اسی دن آبائی گاؤں "سموں" میں مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے پڑھایا اور ہزاروں علماء و مشائخ، حفاظ و قراء اور صالحین نے اس میں شرکت کی سعادت حاصل کی، تدفین رہائشگاہ کے قریب احاطہ میں بڑے بھائی محبوب عالم صاحب کے پہلو میں ہوئی۔

اولاد و احفاد:۔

آپ کے تین فرزند اور دو بیٹیاں تھیں۔تینوں بیٹوں کو عالم بنایا اور دینی خدمت پر لگایا۔بڑے اور چھوٹے صاجزادے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب اور مولانا حکیم عبدالرشید صاحب طبابت کے فن میں بھی ماہر بنے اور خدمت خلق کی۔منجھلے صاجزادے مولانا حافظ عزیز الرحمٰن صاحب بہت بڑے عالم و فاضل قابل فخر شخصیت بنے۔دورہ حدیث کے بعد فاضل فارسی، فاضل عربی، ایم اے اور ایل ایل بی کے امتحانات میں نمایاں کامیابیاں حاصل کیں اور گولڈ میڈل تک لئے۔اپنے مادر علمی "مدرسہ نصرت العلوم گجرانوالہ" میں طویل عرصہ تدریس کی، کچھ عرصہ علاقہ کے ادارہ ایچ ایم سی میں ملازمت کے دوران ہائی سکول میں بھی پڑھایا۔آخری عمر میں "جامع محمدیہ اسلام آباد" میں تدریسی خدمات انجام دیں۔قیام گجرانوالہ کے دوران آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں تراجم کئے اور دیگر علمی خدمات انجام دیں۔جمعیت طلباء اسلام اور جمعیت علمائے اسلام میں بھی فعال رہے۔یہ تینوں بھائی 2003ء میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے جاں بحق ہو گئے۔12 جنوری کو سب سے چھوٹے حکیم عبدالرشید صاحب، 15 جولائی کو سب سے بڑے حکیم عبدالرحمٰن صاحب اور 24 اکتوبر کو حافظ عزیز الرحمٰن صاحب۔خاندان کیلئے یہ "عام الحزن" بن گیا۔حضرت مولانا محمد جان صاحب کے پوتوں میں سے حافظ، مجاہد اور عالم بھی ہیں اور رزق حلال کے

لئے مصروف تاجر، سرکاری ملازم اور بیرون ملک مقیم ملازمت کر کے خوشحال زندگی کیلئے زیادہ دولت کمانے والے بھی۔

البتہ نواسوں میں سے تین چار عالم وحفاظ خدمت دین میں بھی ہمہ تن مصروف ہیں اور روحانی تربیت کیلئے خانقاہی نظام قائم کر کے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش والد محترم کی وفات سے تقریبا 40 دن پہلے آبائی گاؤں موضع سموں میں غالباً 1907ء میں ہوئی۔ بڑے سگے بھائی بھی ابھی چھ سال کے تھے اور سب سے بڑے مولانا محبوب عالم صاحب تقریباً تیرہ، چودہ سال کے یعنی بظاہر بے آسرا یتیمی تھی۔ اس امت کے علماء چونکہ "العلماء ورثۃ الانبیاء" کے مطابق انبیاء کے وارث ہیں تکوینی طور پر آپ بھی اپنے پیارے نبی اکرم ﷺ کی طرح بچپن میں اس کیفیت میں مبتلا ہوئے۔

دینی وعصری تعلیم:۔

دینی تعلیم کے لئے تو گھر کا ماحول ہی ابتدائی درس گاہ تھی۔ عصری پرائمری تعلیم کیلئے بڑے بھائی کے ہمراہ عثمان کھٹڑ کے سکول میں جاتے رہے۔ پرائمری پاس کر کے دینی تعلیم کیلئے اپنے ایک قریبی رشتہ دار مولانا عبدالروف صاحب کی سرپرستی میں "سیریاں بگڑا" کے دینی مدرسہ میں زیر تعلیم رہے۔ وہاں سے پھر "انہی ضلع گجرات" والے بڑے دینی ادارہ سے موقوف علیہ تک کتابیں پڑھ کر عالم اسلام کی شہرہ آفاق درس گاہ "دارالعلوم دیوبند" تشریف لے گئے جہاں بڑے بھائی زیر تعلیم تھے۔ دیوبند میں علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنی اور شیخ الحدیث مولانا اعزاز علی صاحب جیسے رجال عظیم سے دینی علم، جذبہ حریت وجہاد اور روحانی فیض حاصل کیا۔ اپنے علاقہ سے ملحق اضلاع کے حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب، مولانا غوث ہزاروی صاحب اور مولانا عبدالحنان ہزاروی صاحب سے وہیں دوستی، محبت والفت اور عقیدت کا تعلق پیدا ہوا جو تاحیات روز افزوں رہا۔

دہلی سے دورہ حدیث:۔

اس دوران دارالعلوم دیوبند میں کچھ انتظامی معاملات کی وجہ سے داخلی انتشار پیدا ہوا تو آپ بڑے بھائی صاحب کے ہمراہ دہلی میں مولانا محبوب عالم صاحب کے پاس چلے گئے اور وہاں مدرسہ امینیہ میں "دورہ حدیث" کیا۔ ساتھ ہی طبیہ کالج میں داخلہ لے کر طبابت کی سند حاصل کی تینوں بھائیوں نے دہلی میں جو "عسرت" کے دن گزارے وہ ان کی قربانی کی عظیم مثال ہے البتہ ان مصائب ومشکلات نے انہیں کندن بنا دیا اور زندگی بھر "عزت نفس" کے ساتھ قناعت وتوکل پر انحصار رہا۔

لاہور کا قیام:۔

دیوبند اور دہلی سے علوم وفنون حاصل کر کے آپ بھی لاہور تشریف لائے اور اورینٹل کالج میں مولوی فاضل اور منشی فاضل کی کلاسوں میں داخلہ لیا اور امتیازی نمبروں سے امتحانات پاس کر کے وظیفہ بھی حاصل کیا دوران قیام اپنا تعلق بڑے بھائیوں کی طرح امام الاولیاء وشیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ سے قائم کیا اور نہایت عقیدت، ادب اور اطاعت سے اپنی روحانی تربیت کرائی اور پھر "فنافی الشیخ" ہو گئے۔ لاہور میں آپ نے حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحب سے بھی دورہ تفسیر پڑھا۔ قیام لاہور کے دوران ایک مسجد میں امامت بھی کی، رفاعی کام بھی کئے، مقبولیت میں اضافہ ہوا تو انگریز حکومت کے جاسوسی اداروں کی نظر میں آ گئے۔ اپنے متعلقین واحباب کو پریشانی سے بچانے کیلئے وطن لوٹ آئے۔

لاہور قیام کے دوران آپ نے اپنے بچپن کے ذوق کے مطابق کشتی کا فن بھی اکھاڑوں میں جا کر سیکھا۔

وطن واپسی اور بہاولپور روانگی:۔

وطن آ کر آپ نے طبابت شروع کی، اس دوران شادی بھی ہوگئی تو معاشی تنگی کی وجہ سے کچھ قرض واجب الادا ہو گیا تو دونوں بھائیوں نے اکٹھے بہاولپور جانے کا فیصلہ کیا جہاں آپ کے ایک رشتہ کے بہنوئی قیام پذیر تھے۔ چنانچہ 1931ء میں آپ بھائی اور اہلیہ سمیت وہاں تشریف لے گئے۔ دونوں بھائیوں نے "مدرسہ عالیہ ملیہ" میں بطور مدرس ملازمت اختیار کی۔ مولانا محمد جان صاحب صاحب اضافی فارغ وقت میں ایک دواخانہ پر بھی کام کرتے رہے اور آپ اپنے "انقلابی مزاج" کے مطابق اس وقت بہاولپور کے مشہور "مقدمہ ختم نبوت" کی تحریک میں بھی شریک رہے۔ اور کوئٹہ کے زلزلہ کے موقع پر ایک تنظیم "حزب اللہ" بنا کر متاثرین زلزلہ کی ہمہ نوع امداد کیلئے بھی مصروف عمل ہو گئے۔ یہ وہ اہم مقدمہ تھا جس کیلئے آپ کے استادگرامی حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ باوجود علالت وشدید ضعف کے دیوبند سے آ کر عدالت میں پیش ہو کر گھنٹوں دلائل دیتے رہے۔ اس مقدمہ کا فیصلہ 1935ء میں ہوا اور آپ اس سال وطن لوٹ آئے۔

وطن واپسی اور کشمیر روانگی:۔

بہاولپور سے واپسی پر آپ نے ٹیکسلا میں سب سے بڑے بھائی حکیم مولانا محبوب عالم کے ساتھ ادویات کی تیاری وغیرہ کا کام شروع کیا۔ بڑے بھائی جو آپ کے معلم بھی تھے اور

مربی بھی ان دنوں ٹیکسلا شہر کی "مسجد عنایت شاہی" کے تنازعہ کے عدالتی حل میں بھی مصروف تھے چنانچہ مولانا محمد داؤد صاحب بھی رفتہ رفتہ تفصیلی حالات سے آگاہ ہو گئے۔ اور عین جوانی کی اس عمر میں جو تقریباً 30 سال تھی اپنے مسلک کے کمزور لوگوں کے ساتھ مذہبی بنیاد پر دوسرے فریق کے ظالمانہ و جاگیردارانہ سلوک کو برداشت نہ کر سکے۔ دیوبند میں پیدا ہونے والے جذبہ حریت اور شیخ طریقت کے ایسے مواقع پر مجاہدانہ کردار کے طرز عمل کی پیروی کا عزم آپ کو بے چین کر دیتا۔ چونکہ اس وقت کے ظاہری حالات موافق نہ تھے اور بوجہ جذباتی کیفیت ضبط بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اسلئے حالات کا جبر برداشت نہ کر سکے اور "خود ساختہ جلاوطنی" کا فیصلہ کر کے کسی کو بھی بتائے بغیر کہ مبادا خاندان رکاوٹ نہ بنے نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ کچھ عرصہ ملتان اور لاہور میں گذار کر اپنے ایک شاگرد کے ہمراہ کشمیر روانہ ہو گئے۔ ایک مسجد میں امام رہے اور ساتھ ہی ایک کیمیا گر حکیم صاحب سے جڑی بوٹیوں اور نسخہ جات کے متعلق معلومات بھی حاصل کیں جن کو زندگی بھر مفید اور زوداثر ادویات کی تیاری میں استعمال کیا۔

کشمیر سے واپسی اور ٹیکسلا آمد:۔

بلا اطلاع "مہاجرت" سے خاندان بالخصوص بڑے بھائی مولانا محمد جان صاحب بہت پریشان ہوئے اس لئے کہ انہیں آپ سے والہانہ محبت و انس تھا چنانچہ وہ صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے ڈھونڈتے ڈھانڈتے آپ کے پاس پہنچ گئے اور وطن واپسی پر آمادہ کر کے ساتھ لے آئے۔ اس دوران غالباً 1938ء کے اواخر میں ٹیکسلا کے محلّہ کھیلا خورد کی موجود مسجد امیر معاویہؓ کے منتظمین مولانا محمد داؤد صاحب کو آپ کی شرائط منظور کر کے اس مسجد میں لے آئے۔ آپ نے اپنی ماہانہ تنخواہ جو غالباً پندرہ روپے تھی مقرر کرائی اور انتظامیہ کی طرف سے بے جا پابندیاں عائد نہ کرنے کا وعدہ لیا۔ یوں آپ کی تشریف آوری علاقہ ٹیکسلا بالخصوص شہر کیلئے اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل و احسان ثابت ہوئی اور بتدریج مذہبی، معاشرتی، معاشی، سیاسی ماحول انقلابی طور پر تبدیل ہو گیا جس کے مظاہر اس کتاب میں جگہ جگہ مذکور ہیں اور اس کاوش کا "بنیادی موضوع" بھی ہیں۔

ٹیکسلا شہر میں مصروفیات و معمولات:۔

اپنی مسجد میں امامت کے فرائض کی ادائیگی کے علاوہ بعد نماز فجر درس قرآن و بعد عشاء درس حدیث کا سلسلہ شروع فرمایا۔ شہر میں اپنے برادر اکبر اور دیگر علماء کے مشورہ و تعاون سے حکمت و موعظت کا انداز اختیار کر کے عقائد کی اصلاح، بدعات کی بیخ کنی، باطل نظریات کا مقابلہ، فروغ تعلیم اور بالادست طبقے کے ظالمانہ نظام سے مظلوم عوام کو آزادی دلانے کیلئے کام شروع کر دیا۔ عارضی طور پر اور پھر مستقل جمعہ کی خطابت بھی کی۔ اپنی مسجد کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی درس قرآن شروع کئے۔ اپنی باعزت گذر اوقات کیلئے "مطب" بھی شروع کیا۔ پہلی زوجہ کو بوجوہ طلاق کی وجہ سے جو 1937ء میں دے دی تھی ٹیکسلا آ کر دوسری شادی کر لی۔ آپ کی تمام اولاد دوسری زوجہ سے ہے۔ آپ نے 1938ء سے 1942ء تک انصار المسلمین/فوج محمدی کو منظم کر کے قابل قدر خدمات انجام دیں اسی طرح 1953ء کی "تحریک ختم نبوت" میں بھی بھرپور حصہ لیا، گرفتار ہو کر جیل میں بھی رہے جس کی تفصیلات اسی کتاب میں موجود ہیں۔ مستقل طور پر تبلیغی و اصلاحی عام اجتماعات کے انعقاد کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اپنے "شیخ طریقت" کے روحانی سلسلہ سلوک "قادریہ، راشدیہ" کے مطابق مجالس ذکر بھی کراتے رہے اور شیخ کی امارت میں قائم سیاسی جماعت "جمعیت علمائے اسلام" کی شاخ قائم کر کے سیاسی خدمات بھی انجام دیں حتیٰ کہ قومی اسمبلی کا انتخاب بھی لڑا۔

البتہ ان ہمہ گیر مصروفیات کے علاوہ آپ کا عدیم المثال کارنامہ "دینی و عصری تعلیم کے امتزاج پر مشتمل نصاب پڑھانے کے لئے مفت تعلیمی ادارے "مدرسہ تعلیم القرآن ٹیکسلا" کا قیام تھا جو 1949ء سے شروع فرمایا تفصیل اسی کتاب میں درج ہے۔ طلباء کیلئے اس اہتمام کے ساتھ ساتھ محلّہ اور گردونواح کی مستورات، طالبات اور بچوں کے لئے ابتداء ہی سے اپنی قیام گاہ پر ناظرہ قرآن مجید، ترجمہ، ضروری مذہبی تعلیم و عصری علوم کیلئے محدود پیمانے پر انتظام کر دیا۔ جس میں اہلیہ و صاحبزادیاں معاون تھیں اور عرصہ دراز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

رجال کار کی تیاری:۔

شہر میں ہمہ نو انقلاب کیلئے آپ نے اپنی نرینہ اولاد کے علاوہ مدرسہ میں زیر تعلیم طلبہ میں سے باصلاحیت اور ہونہار بچوں کا انتخاب کر کے ان پر خصوصی توجہ دی اور مستقبل میں ان کو اپنے مشن کی تکمیل کیلئے تیار کرنا شروع کیا۔ اگرچہ ایسے تمام منتخب طلباء آپ کے عزم کے مطابق مصروف عمل نہ ہو سکے البتہ جلد یا بدیر آپ کی پرخلوص خواہش و کوشش رنگ لائی۔ تبلیغی و اصلاحی کام کیلئے ان ہی نوجوانوں نے "انجمن شبان اسلام" بنائی، جمعیت علمائے اسلام میں کام کیا، دینی و سیاسی تحریکات میں پرجوش حصہ لیا، ملکی سطح کی تنظیمات میں موثر نمائندگی کی، مقامی بلدیاتی اداروں میں اہم عہدوں پر فائز ہوئے، غرضیکہ شہر کی فضا کو یکسر تبدیل کر دیا۔ تفصیلات اس کتاب میں موجود ہیں۔

سب سے اہم اور قابل ذکر کام آپ کے قائم کردہ "تعلیمی ادارہ" کے "قومیا" لیئے جانے کے بعد 1978ء میں ایک تعلیمی ادارہ کے قیام سے شروع ہوا جو 2005ء تک مصروف عمل رہا جو آپ کے ادارہ کے انہی فضلاء نے قائم کیا جن سے آپ نیابت کی توقع رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ "روحانی سلاسل" بھی روز افزوں ہوئے اور عالمی شہرت یافتہ "خانقاہ

اقبالیہ" آپ ہی کے خلف الرشید مولانا حکیم مسعود الرحمٰن صاحب کی سرپرستی میں مصروف عمل ہے۔
مزید برآں آپ کے تربیت یافتہ تلامذہ نے دوتین نئی مساجد بھی تعمیر کرائیں اور ساتھ ہی حفظ، ناظرہ، تجوید اور درس نظامی کے چھوٹے بڑے مدارس بھی شروع کئے۔ دنیاوی طور پر ہونہار طلباء بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے اور مثالی کردار کے حامل ثابت ہوئے۔

اکابر مشائخ وعلمائے کرام کے ہاں آپ کا مقام:۔

اپنے پیر طریقت اور مربی شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ کے ہاں تو آپ کو نہایت قرب اور اعتماد حاصل تھا ہی، شیخ کے روحانی سجادہ نشین وسیاسی جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب اور حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستی صاحب بھی آپ کا بہت احترام کرتے تھے اور ملاقات کیلئے تشریف لاتے۔ حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی تو جیسے یک جان دوقالب تھے۔ دیگر بڑے بڑے شیخ الحدیث، مشائخ اور علمائے کرام کے ہاں بھی آپ کی بہت قدر ومنزلت تھی۔ بالخصوص حضرت شیخ التفسیر مولانا لاہوریؒ کے اجلّ خلیفہ مجاز اور ان کی خصوصیات علمی کے امین حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحبؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ٹیکسلا والوں نے حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کے مقام کو پہچانا ہی نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے مقبول بندے تھے۔ آپ نے کئی بار فرمایا کہ دو خصوصیات مولانا میں ایسی تھیں جو میں نے آپ کے علاوہ پورے پاکستان میں صرف دو، دو علمائے میں دیکھی ہیں ایک دنیا سے بے رغبتی اور دوسرا حسد سے پاک۔ واقعی یہ صفات آج کل عنقاء ہیں۔

حج اور عمرہ کے اسفار:۔

آپ نے پہلا حج 1964ء میں ادا فرمایا اور دوسرا 1968ء میں۔ اس کے علاوہ چار بار عمرہ کی سعادت حاصل کی۔ وصال سے دوتین قبل بھی جب صحت کچھ بحال ہوئی تھی عمرہ کی خواہش کا اظہار فرمایا کہ بیت اللہ کے طواف کو جی چاہتا ہے۔

مرض الوصال اور دار الخلد کو روانگی:۔

وصال سے قبل آپ تقریباً دس سال صاحب فراش رہے۔ دوران علالت بلا ناغہ تہجد، تلاوت اور ذکر اذکار کا سلسلہ جاری رکھا، نوافل کا بھی اہتمام فرماتے اور کبھی کبھار سلسلہ قادریہ کی اجتماعی مجلس ذکر گھر میں ہی منعقد کرتے۔ یوم وصال یعنی 22 محرم 1410ھ بمطابق 23 اگست 1989ء کو فجر کی نماز تیمّم کرکے ادا فرمائی۔ صبح 10 بجے سے مرض میں شدت پیدا ہوئی اور بشارات کا سلسلہ شروع ہوگیا جن کا اظہار بھی کیا۔ دن ڈیڑھ بجے کے قریب آنکھیں کھول کر اہل خانہ کو دیکھا جو تلاوت میں مصروف تھے، گھر بار پر نظر کی اور خود ہی قبلہ رو ہوکر آنکھیں بند کرلیں۔ زیر لب آخری کلمات ادا کرتے ہوئے خوشی خوشی نفس مطمئنہ کی طرح مقبول نفوس کی استقبال کیلئے آئی ہوئی روحوں کے جلو میں اپنے محبوب رب کے دربار میں حاضری کیلئے روانہ ہوگئے۔ اپنے اہل خانہ کے علاوہ ظاہراً ہزار ہا روحانی فرزندوں اور دختران کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بے آسرا اور یتیم کرگئے البتہ ان میں سے جو آپ کی تعلیمات وتربیت کے مطابق زندگی گذاریں گے وہ انشاء اللہ محروم نہیں رہیں گے۔ حضرت قاضی صاحب مذکور فرمایا کرتے تھے کہ بیج جب زمین کے اندر جاتا ہے تو اس سے بہت قدر آور اور پھلدار درخت پیدا ہوتا ہے۔

جنازہ اور تدفین:۔

وصال کے دن ہی آپ کا جنازہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خلیفہ مجاز جناب مفتی مختار الدین صاحب (کربوگہ شریف) نے پڑھایا جو اسی دن عیادت کیلئے تشریف لائے تھے۔ جنازہ میں ہزاروں مشائخ، علماء، صلحاء، حفاظ، قراء اور عام مسلمانوں نے شرکت کی سعادت حاصل کی۔ رجال غیب ان کے علاوہ تھے۔ جنازہ میں شریک ایک ولی اللہ نے غیب سے آئی آواز سنی "بشریٰ للمصلین" جنازہ پڑھنے والوں کو خوشخبری ہو جنازہ کے بعد عام قبرستان میں آپ کی سنت کے مطابق تدفین ہوئی۔
الحمدللہ اس گناہ گار کو غسل اور جنازہ وتدفین میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ کی آخری آرام گاہ ابھی تک سنت کے مطابق سادہ اور بغیر کسی خصوصی نشان کے ہے۔ ہمارے مربی ومحسن حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب عیدین کے موقع پر ملاقات کیلئے حاضر ہونے والے ٹیکسلا کے متعلقین کے وفد کو حکم فرماتے کہ یہاں سے سیدھے حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کی قبر پر حاضر ہوکر میرا اسلام پہنچاؤ اور ایصال ثواب کیلئے مسنون طریقے سے دعا کرو ان مقبول بندوں کے توسل سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور روحانی فیض بھی حاصل ہوتا ہے۔

نسبی باقیات الصالحات (اولاد واحفاد):۔

اولاد صالح میں آپ کے تین فرزند اور چار صاحبزادیاں ہیں الحمدللہ بڑے صاحبزادے حضرت مولانا مسعود الرحمٰن صاحب فارغ التحصیل عالم اور چشتیہ سلسلہ کے صاحب نسبت اہل اللہ میں سے ہیں اور ہزاروں متوسلین کی زندگیوں میں انقلاب لا کر ان کی اصلاح باطن میں مصروف ہیں۔ سلسلہ چشتیہ میں حضرت صوفی محمد اقبال صاحب مدنی سے خلافت ملی

اور 1992ء میں خانقاہ اقبالیہ تعمیر فرما کر تاحال سلسلہ کے فروغ میں مشغول ہیں۔

منجھلے صاجزادے حکیم محمد طیّب صاحب نے مشغلہ طب کے ذریعے خدمت انسانی کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے اور سب سے چھوٹے صاجزادہ حافظ احسان العظیم صاحب سلسلہ طب کے ساتھ ساتھ آپ کی نیابتِ خطابت کا فریضہ سنبھالے ہوئے ہیں اور باقاعدگی سے نماز جمعہ وعیدین کی امامت فرماتے ہیں۔

اگلی نسل میں بھی حافظ وعالم پوتے خدمت دین میں مصروف ہیں بلکہ پڑپوتے عزیزم ہانی نے بھی حفظ مکمل کرلیا ہے۔مولانا مسعودالرحمٰن کے دوصاحبزادگان حافظ احسن سعید اور حافظ محمد طلحہ صاحب نے حفظ کیا اور مولانا عبدالقوی صاحب نے نصرت العلوم گجرانوالہ سے درس نظامی کی تعلیم مکمل کی۔حکیم محمد طیب صاحب کے صاجزادہ حافظ محمد مصیب اور مولانا احسان العظیم کے دوصاحبزادگان حافظ رویفہ منصور اور انس عمر نے حفظ کے ساتھ ساتھ طب کی بھی مکمل تعلیم حاصل کی۔اللھم زد فزد

دینی وروحانی صدقات جاریہ:۔

نسبی صدقات جاریہ کے علاوہ دینی وروحانی صدقات حدوشمار سے باہر ہیں گزشتہ صفحات میں رجال کار کے عنوان سے اجمالاً کچھ سلسلوں کا تذکرہ ہوا ہے تفصیلات اسی کتاب میں آگے آرہی ہیں۔

تقسیم ہند سے پہلے دوسرے مذہب کی صورتحال:۔

پاکستان بننے سے پہلے بھی اس علاقہ میں اکثریت آبادی مسلمانوں کی تھی دوسرے نمبر پر ہندو اور مختصر تعداد میں سکھ آباد تھے البتہ کاروبار پر قبضہ ہندوؤں کا تھا ان کے بعض خاندان خاصے مالدار تھے۔مرکزی جامع مسجد کے جنوب میں ملحقہ عمارت ایک ہندو سرمایہ دار کی "ماڑی" تھی جسے کوٹھی بھی کہا جاسکتا ہے۔جہاں عرصہ دراز تک پہلے "مدرسہ تعلیم القرآن" اور تقریباً دس سال کے وقفہ کے بعد "تعلیم الاسلام ہائی سکول" تعلیم کے فروغ اور قوم کے بچوں کی تربیت میں مصروف رہا۔بوجوہ یہ سلسلہ 2005ء میں ختم ہوگیا اور "وارثین ومنتظمین" کی بے تدبیری وبے توجہی سے آج ایک "ویران عمارت" یعنی "جنّوں بھوتوں کا مسکن" بنا ہوا ہے۔اپنے مادر علمی اور بعد میں تعلیم کے فروغ کیلئے اپنی تدریسی "جولانگاہ" کی یہ حالت دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے لیکن کیا کیا جائے کہ

میں اگر سوختہ ساماں ہوتو یہ روز سیاہ — خود دکھایا ہے میرے گھر کے چراغاں نے مجھے "فیا اسفاہ"

ہندوؤں نے مرکزی مسجد اور مین بازار کی درمیانی ایک "دھرم شالہ" جہاں اب" گورنمنٹ تعلیم القرآن پرائمری سکول" ہے اور ایک چھوٹا سا مندر بنایا ہوا تھا اس کے علاوہ ریلوے روڈ پر ڈاکخانہ کے مغرب میں بڑا خوبصورت مندر راولپنڈی کی ایک رئیس زادی رام راکھی نے اپنے خاوند کی وفات کے بعد اس کی یاد میں 27-1926 کو تعمیر کرایا تھا یہ تقریباً چار پانچ کنال رقبہ پر محیط ہے ااور اب آزادی کے بعد آنیوالے مہاجرین کے کئی خاندان وہاں مقیم ہیں۔

ہندوؤں نے اچھی خاصی زرعی زمینیں بھی خرید رکھی تھی جو بعد میں "مہاجرین" اور "ہوشیار پڑھے لکھے شرفاء" یا بااثر لوگوں یا پٹواریوں کے دوستوں اور خود پٹواریوں نے اپنا" فن" استعمال کرتے ہوئے اپنے نام کرالیں۔

ہندوؤں کے علاوہ سکھ مذہب کے دوخاندان "مونے" اور "جین مت" والے یہاں آباد تھے جن میں سے گذشتہ صفحات میں مذکور سرائے کالا کا شیخ خاندان مسلمان ہوگیا تھا۔سکھوں کی اپنی عبادت گاہیں بھی یہاں موجود تھیں۔

انیسویں اور بیسویں صدی کے طاعون:۔

ایک مشہور مہلک "طاعون" کی وبا سے چار بار یعنی 1817ء،1820ء،1906ء،1923ء میں بے تحاشا اموات ہوئیں۔1906ء والا تیسرا طاعون سب سے زیادہ پھیلا تھا۔سینکڑوں کی تعداد میں نوجوان، بوڑھے فوت ہوئے جس سے کئی نسلیں بالکل مٹ گئیں اور کئی خاندان شہر چھوڑ گئے۔نئی نسل اس عبرتناک صورتحال سے شاید بالکل بے خبر ہوگی انہیں سمجھنا چاہئے کہ رب العالمین کی طرف سے اس کی مسلسل نافرمانی اور بغاوت کے بعد ایسے ناگہانی عذاب آنا بعید از قیاس نہیں اسلئے خود کو اور معاشرے کو ایسے اعمال وعقائد سے بچانا چاہیئے جو "غضب الٰہی" کا موجب بنیں۔

آزادی کے اعلان کے بعد نقل مکانی کی کیفیت:۔

ہندو اور سکھ آبادی تقسیم ملک کے اعلان پر خود کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے ہندوستان جانے کیلئے تیاری کرنے لگی اور موقع شناس مسلمان ان کی املاک، دوکانوں، رہائش گاہوں وغیرہ پر قبضے کے منصوبے بنانے لگے۔نقل مکانی کے دوران ایک ٹرین جوحسن ابدال وغیرہ سے سکھوں کو لے کر ہندوستان جارہی تھی اسے جرائم پیشہ بدمعاشوں نے مقامی انگریز ڈی ایس پی اور ایس ایچ او کی اشیرآباد پر روکا اور سکھوں کا قتل عام اور لوٹ مار کی۔جن میں تقریباً 13 سکھ مارے گئے۔یہ خبر فوراً دہلی پہنچی، ریڈیو پر نشر ہوئی اور ردعمل میں امرتسر میں

مسلمانوں کی ٹرین روک کر ہزاروں مسلمان شہید کر دیئے گئے۔اسی طرح ٹیکسلا کے بڑے مندر میں ایک ہندو پہلوان کو جو مندر کا پروٹیکٹر تھا تصادم کے دوران ایس ایچ او نے خود گولی مار کر قتل کر دیا۔جس کے عینی شاہد اب بھی زندہ ہیں۔یہ قصہ میں نے خود ان سے سنا ہے۔اسی طرح مین بازار میں آتش زدگی،لوٹ مار وغیرہ بڑے پیمانے پر ہوئی یہ بھی اس وقت کے جرائم پیشہ افراد نے کی۔البتہ ان کی سرپرستی بعض شرفاء نے بھی کی۔بازار میں صرف تین چار دکانیں مسلمانوں کی تھیں باقی سب ہندوؤں کی۔محلّہ عنایت شاہی میں واقع کاروباری مرکز جسے "چھوٹا بازار" کہا جاتا تھا وہ بھی تباہ و برباد کر دیا گیا۔سامان لوٹ کر دکانیں خالی کر دی گئیں۔اور ایک طاقتور خاندان نے بازار کا مشرقی حصہ جلا کر خود کچھ دکانیں بنا کر کرایہ پر دے دیں۔

بعض ہندو سکھ خاندانوں کو ان کے مسلمان دوستوں اور بہی خواہوں تحفظ بھی دیا ان کے جان و مال کی حفاظت کی اور حالات معمول پر آنے کے بعد ان کی محفوظ نقل مکانی کو یقینی بنایا۔بہر حال ہر ایک نے اپنے ذوق کے مطابق اچھا اور برا کردار ادا کیا۔ایسے مواقع پر "خدا ترسی" کے علاوہ کوئی جذبہ ظلم و زیادتی اور دوسروں کے حقوق غصب کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا۔بلکہ ہماری مسجد کے خطیب ایک بہترین جملہ اس سلسلہ میں کبھی کبھی ارشاد فرماتے ہیں کہ "نارسائی کا نام پارسائی" ہے۔اس جملہ میں نارسائی سے مراد ہے کہ پرائے مال و متاع،جائیداد،عزت کو نقصان پہنچانے کیلئے جس کی استطاعت،وسائل یا موقع نہ ہو وہ "پارسا" یعنی نیک صالح اور پرہیزگار بن جاتا ہے۔

پاکستان بننے کے بعد کی ابتدائی صورتحال:۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ نقل مکانی کے دوران اور بعد ہندوؤں،سکھوں کی املاک کی لوٹ مار اور مکانوں،جائیدادوں پر قبضے کے نتیجے میں کئی سابقہ مفلوک الحال اور غریب خاندان و شخصیات آسودہ حال ہو گئے۔کاروبار و تجارت سارا مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا تو سب سے پہلے دکانداروں اور تجارت پیشہ حضرات نے باہمی اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کیلئے مشورہ کر کے منظّم ہونے کا فیصلہ کیا۔اس سلسلہ میں خاکسار تحریک اور انصار المسلمین کے تجربہ کار افراد نے فعال کردار ادا کیا اسلئے کہ تنظیمات چلانے کا تجربہ وہ حاصل کر چکے تھے۔

انجمن تاجران کا قیام:۔

چنانچہ قیام پاکستان کے بعد بازار والوں میں یہ انجمن بنائی جس کے صدر حاجی رحمت دین صاحب،جنرل سیکرٹری ڈاکٹر غلام حیدر صاحب،خزانچی محلّہ مکراں کے فضل شاہ صاحب اور نائب صدر غلام یحیٰی صاحب تھے اور باقی ممبران فضل چھاچھی اور احمد شاہ دکاندار وغیرہ تھے ان کے علاوہ مشہور دکاندار کرم الٰہی،مولا بخش،شیخ عبدالعزیز،فقیرا حلوائی،نور محمد،سیٹھ غلام محی الدین،خدا بخش،دوست محمد(موچی)،انور(موچی)،فضل(درزی)،ملک سرور دین،حسن دین(کریانہ)،مسکین،میر غلام سرور،رحمت دین عرف بادشاہ اور اس کا بھائی نور دین،اصغر شاہ(زوار شاہ کا والد)وغیرہ تھے۔ان کے علاوہ میڈیکل پریکٹیشنر ڈاکٹر گنگا رام اور اس کا بیٹا ڈاکٹر کرشن لعل تھا جو مشہور شاعر بھی تھا ان کا کام اور دوکان آزادی کے بعد ڈاکٹر ثناء اللہ یا سمیع اللہ نے سنبھال لیا۔اس انجمن کی تشکیل ٹیکسلا کے تعلیم یافتہ اور سمجھدار لوگوں کا پہلا مثبت اقدام تھا۔

"پنڈی ہزارہ ٹرانسپورٹ کمپنی" کی فعالیت اور اس کے اثرات:۔

ٹرانسپورٹ کے شعبہ میں شریک کچھ اشخاص کا ذکر گذشتہ صفحات میں آ چکا ہے۔اگرچہ بسوں کی یہ کمپنی آزادی سے پہلے ہی مصروف عمل تھی اور ٹیکسلا سے متمول لوگ جو ٹرانسپورٹ کا تجربہ رکھتے تھے اس کے حصہ دار تھے اسلئے کہ اس کمپنی سے پہلے ٹیکسلا کی معروف شخصیت شیخ کرم الٰہی صاحب اٹک اور چھچھ سے راولپنڈی چلنے والی "ناردرن ٹرانسپورٹ" کے انتظامی شعبے میں کام کر رہے تھے جس کے اکثر مالکان کا تعلق اسی علاقہ سے تھے۔شیخ صاحب موصوف نے ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے اور حکومتی کارندوں کی ایماء پر اس کمپنی سے الگ ہو کر اور ہزارہ،مانسہرہ کے ٹرانسپورٹروں اور مالدار لوگوں کے تعاون سے 1936ء میں پنڈی ہزارہ ٹرانسپورٹ کی بنیاد رکھی تھی۔ہزارہ کے ان شرکاء کے علاوہ ٹیکسلا کے شیئر ہولڈروں کی زیادہ تعداد کشمیریوں کے بس مالکان کی تھی۔

پاکستان بننے کے بعد ٹیکسلا کے جو حصہ دار تھے ان میں سے جناب شیخ کرم الٰہی صاحب کے علاوہ ان کے بھتیجے صوفی خالد صاحب،شیخ محمد دین،بابو خورشید احمد،شیخ رشید احمد،علی حیدر بٹ،ٹھیکیدار محمد دین،میر عبدالرحمٰن،میر غلام سرور،میر گلاب،سید غلام،استاد عبدالرحمٰن،بابو محمد رفیق،راجہ مشتاق احمد اور بابو ملک محمد شفیع کا قابل ذکر ہیں۔اس کمپنی کے چیئرمین سیّد علی اصغر شاہ(نون والے)تھے جن کے حکومتی حلقوں سے قریبی تعلقات تھے اس لئے بہت موثر شخصیت شمار ہوتے تھے۔مشہور ہے کہ صدر پاکستان جناب ایوب خان صاحب جب میجر تھے تو اس کمپنی کی ویگنوں پر راولپنڈی آتے جاتے تھے۔1970ء میں جب "روٹ" اوپن ہو گئے تو بسیں مالکان میں تقسیم کر دی گئیں جو انفرادی طور پر چلتی رہیں البتہ 1973-74ء میں اس کا زوال شروع ہو گیا۔ڈرائیور باغی ہو گئے اور بالآخر 1981ء میں کمپنی کو ختم کر کے جائیدادیں بیچ کر حصص تقسیم کر دیئے گئے۔

اس کمپنی کی وجہ سے ٹیکسلا کے سیاسی و سماجی اور معاشرتی حالات میں کافی تبدیلی آئی۔بہت سے غریب لوگوں کو روزگار ملا اور کافی رفاہی کام شروع ہوئے۔شہر کی انتخابی بالخصوص

بلدیاتی دھڑابندی پر اس کمپنی کے سربراہ اور شیئر ہولڈر عرصہ دراز تک اپنا اثر استعمال کرتے رہے بلکہ بعض مواقع پر بلدیاتی اداروں کے سربراہ کے انتخاب میں ان کا کردار فیصلہ کن ثابت ہوا۔

ٹرک اور ٹرک اڈوں کی صنعت:۔

انسانوں کی نقل وحرکت کے لئے بسوں کے انفرادی واجتماعی انتظام سے پہلے اجناس، تعمیراتی وتجارتی ساز وسامان وغیرہ کی باربرداری کے لئے ابتداءً چھوٹے ٹرک جنہیں چکڑے کہا جاتا تھا اور بعد میں ترقی یافتہ شکل اختیار کر لینے پر ٹرک بن گئے (عام طور پر فورڈ ٹرک زیادہ تھے) یہ بھی ٹیکسلا کی ایک مشہور صنعت تھی اور ان ٹرکوں کے ابتدائی مالکان میں سے بابا کریم بخش جو گھیلا خورد میں مقیم کشمیری تھا اس دور کا امیر ترین شخص سمجھا جاتا تھا۔ بڑے بزرگ کہتے ہیں کہ اس کی بوریاں نوٹوں سے بھری رہتی تھیں۔ اسی طرح گذشتہ صفحوں میں مذکور گھیلا خورد میں جیون روڈ کا مقیم شاہ فقیر بھی ٹرکوں کا مالک تھا۔ اسی طرح رفتہ رفتہ باقی مالدار لوگ بھی ٹرک خریدنے لگے جن میں کشمیری ٹھیکیداروں کی کثرت تھی اور ان کے باقاعدہ ٹرک اڈے بننے شروع ہو گئے جو اس وقت راولپنڈی کی گنجمنڈی میں تھے جہاں پنڈی ہزارہ ٹرانسپورٹ کا اڈا بھی تھا اس صنعت سے متعلقہ سپیئر پارٹس کی دکانیں، ٹائروں کا کاروبار، مستریوں، الیکٹریشنوں کی دکانیں لوگوں کے ذرائع روزگار بن گئے۔

اس کاروبار سے وابستہ لوگوں کی اکثریت کشمیری برادری سے تعلق رکھتی تھی۔ پاکستان بننے کے کچھ عرصہ بعد ٹرکوں کے اڈے اور ان سے وابستہ کاروبار ٹیکسلا سرائے کالا میں جی ٹی روڈ کے دائیں بائیں منتقل ہو گیا۔ ایک وقت میں پورے پاکستان میں ٹیکسلا کا یہ نظام شہرت کا حامل تھا اور گھیلا خورد گلی کشمیریاں کا رہائشی راجہ مشتاق احمد اس سلسلہ کی ملک گیر شخصیت مشہور تھی۔

موجودہ دور میں بھی مذکورہ علاقہ ٹرکوں، ڈمپروں ٹریلرز اور کنٹینرز کے جمعہ بازار کا منظر پیش کرتا ہے اور سینکڑوں لوگ مزدوروں سے لیکر فارورڈنگ ایجنسیوں کے مالکان تک اس صنعت سے وابستہ ہیں جسے علاقہ میں موجود کرش مشینوں، سیمنٹ کے کارخانوں اور پڑوس میں واقع لارنس پور اٹک کے علاقہ میں موجود ریت کے ذخیروں نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔

بیسویں صدی کے نصف اوّل کا جائزہ:۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ انیسویں صدی کے طائرانہ جائزہ کے بعد بیسویں صدی کے پہلے پچاس سالوں یعنی 1901ء سے 1950ء تک کے نسبتاً تفصیلی حالات کے تذکرہ کے اختتام پر معاشرتی، معاشی، سماجی، سیاسی، تعلیمی اور مذہبی حالت کا ماضی سے مختصر تقابلی جائزہ پیش کر دیا جائے تا کہ اس صدی کے نصف ثانی کے حالات پڑھتے ہوئے قاری خود ہونے والی تبدیلی محسوس کر سکے۔

آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ اس خطہ میں پہلے آباد ہونے والے مسلمان خاندان جو "گجر" کہلاتے تھے زرعی وچراہی زمینوں کے وسیع رقبوں کے مالک تھے اور ہیں۔ اسی طرح دوسرے نمبر پر آباد ہونے والے "سادات خاندان" بھی۔ ان دونوں برادریوں کا ابتدائی انحصار حکمرانوں کی آشیرآباد ملنے والے انعامات اور حکومتی حلقوں میں اثر ورسوخ کی وجہ سے حاصل ہونے والے مفادات پر تھا اسی لئے تعلیم کے حصول میں معدودے چند خاندانوں نے دلچسپی لی جس کا مختصر تذکرہ پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ اسی طرح نقل وحمل کے ذرائع کے نظام میں بھی چند ہی نام ان برادریوں کے آسکے ہیں اسی لئے مذکورہ دور میں بے تحاشا دولت کا مالک کوئی شخص ان میں سے نہیں تھا۔

اس کی وجہ "خاندانی برتری" کا احساس ہے جو محنت مزدوری کی طرف مائل نہیں کرتا۔ جنہوں نے تعلیم حاصل کی اور کاروبار کئے وہ آسودہ حال ہو گئے اور باقی خاندانوں کی جانشین زمینیں بیچ بیچ کر اپنا کام چلا رہے ہیں۔

ان کے مقابلے میں کشمیری مہاجرین اور دوسرے محنت کش طبقہ نے کسی بھی کام کے کرنے میں عار محسوس نہیں کی جیسا کہ گذر چکا ہے کہ انہوں نے مزارعت کی، گدھے ہانکے، پتھروں کی نکاسی کی غرضیکہ "کمّی" بن گئے غلامی تک برداشت کی اور اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پالتے رہے۔ اسی لئے ان طبقوں کی محنت رنگ لائی اور باربرداری کا نظام گدھوں سے شروع ہو کر اب کنٹینروں تک پہنچ گیا ہے جن کے زیادہ مالک یہی لوگ ہیں اسی طرح انسانی نقل وحمل جو گدھوں کی سواری، پھر خچروں کی، پھر گھوڑوں کی، پھر تانگوں کی، پھر بسوں کی پھر کاروں کی شکل اختیار کر گئی۔ ان بسوں کی کمپنیوں کے مالک بھی اکثر انہی محنت کشوں میں سے ہیں کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

سیاسی طور جیسا کہ گذر چکا ہے کہ یہ علاقہ اپنے طور پر "بانجھ" تھا۔ اس لئے کہ "جو حکم سرکار کا ہم اس کے پیروکار" کی کیفیت تھی۔ تعلیمی حالت بھی بیان کی جا چکی ہے کہ 1947ء مڈل سکول بھی نہ تھا بمشکل "لوئر مڈل" تک تعلیم کا نظام ہو سکا تھا۔ مذہبی تعلیم وتربیت اور قرآن مجید کے حفظ وناظرہ کی تعلیم بھی انفرادی طور پر اندرون خانہ ہی تھی۔ دینی علوم کی تعلیم کا نظام تو ابھی خواب وخیال ہی تھا۔ سوائے "خاکسار تحریک" اور "اصلاح المسلمین" کے جو دو سال تک (1938ء سے 1940ء تک) فعال رہیں، کسی جماعتی نظم وضبط کا کوئی تصور

ہی نہ تھا۔البتہ قریبی دیہات "سموں" کے دینی وعلمی خاندان کے دو قابل فخر سپوتوں نے جن کا موقع بہ موقع مختصر تذکرہ پچھلے صفحات میں موجود ہے ان دو ضرورتوں کو شدت سے محسوس کیا اور بڑے بھائی مولانا حکیم محبوب عالم صاحبؒ نے تقریباً 1932ء سے یہاں ڈیرہ لگا کر اور ان کے برادر اصغر اس شہر کے محسن اعظم حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے 1938ء سے یہاں آباد ہو کر بہترین حکمت عملی سے تنظیمی ضرورت اور عصری و دینی تعلیم کے تقاضے پورے کرنے کے لئے منصوبہ بندی کی اور بہت خاموشی، رازداری اور انفرادی محنت سے ان کاموں کا بیڑہ اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ نے خلوص نیت سے کئے جانے والے اس کام کی محنت کو قبول فرمایا جس کے ثمرات اس صدی کے نصف آخر کے تفصیلی تذکرے میں دیکھے جاسکیں گے۔ اول الذکر برادر اکبر نے مسلمانوں کے بااثر افراد کی شیرازہ بندی کی۔ بلالحاظ قوم وقبیلہ ان کو ایک لڑی میں پرو دیا جس کا اندازہ گذشتہ صفحات میں ان کی طرف سے اپریل 1938ء میں ایک اجلاس کے انعقاد کے لئے شہر کے چالیس افراد کو جاری کردہ دعوت نامے سے ہوسکتا ہے۔ 1932ء سے پیدا شدہ سنی، شیعہ کشیدگی کے ماحول کے ماحول کو مخصوص مقاصد کے لئے پیدا کیا گیا اور مناظروں سے ہوتا ہوا محلّہ عنایت شاہی کی مسجد کی قبضہ وتنازعہ اور سول نافرمانی کی تحریک تک پہنچ گیا آپ نے "عدالتی طریقہ کار" اختیار کرکے پرامن انداز میں 1946ء میں ہائی کورٹ کے فیصلے تک پہنچا کر ختم کردیا۔

اس کے مخصوص مقاصد اس لئے لکھا گیا ہے کہ سوائے اس مسجد کے تنازعہ کے دوران شہر کی بہت سے دوسری مساجد میں جہاں دونوں فریق نمازیں ادا کرتے تھے بغیر کسی تنازعے یا بدمزگی کے نمازیں ادا ہوتی رہیں اور بعض میں اب تک ہو رہی ہیں۔ ان دونوں بھائیوں نے "مخصوص مقاصد" کے لئے پیدا کردہ اس کشیدگی کو بہترین انداز سے امن میں بدل دیا۔ حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے "انصار المسلمین" کی دوسالہ قیادت کے دوران باوجود "نیم عسکری تنظیم" ہونے اور بیسیوں طاقت ور، تنومند، جانثار رضا کاروں کے ان سے "جلتی پر آگ" کا کام لے کر سستی شہرت حاصل نہیں کی البتہ حسب ضرورت اپنا ذاتی لازمی کردار ضرور ادا کیا۔ اسی طرز عمل کی وجہ سے مذکورہ مسجد کے تنازعہ کے قانونی حل کے بعد الحمدللہ کوئی قابل ذکر کشیدگی نہ رہی اور حضرت مولانا کی ذات دونوں مسالک کے لئے قابل عزت واحترام اور قابل اعتماد رہی۔ حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کے حالات میں ان کے طریقہ کار اور منصوبوں کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے۔

بیسویں صدی کے نصف اول کے اختتام سے پہلے مولانا صاحب موصوف نے 1949ء میں مرکزی جامع مسجد ٹیکسلا میں پہلے قرآن مجید کی باتجوید ناظرہ تعلیم کیلئے بھوئی گاڑ گئے علمی خاندان کے ایک حافظ وقاری جناب استاد عبدالرحمٰن صاحب کی تقرری کی اور مذہبی تعلیم کا آغاز کردیا اسلئے کہ اس وقت محدودے چند افراد ہی صحیح قرآن مجید پڑھ سکتے تھے حتیٰ کہ آئمہ کرام بھی مجہول تلاوت ہی کرتے تھے۔

آزادی کے بعد یا بیسویں صدی کے نصف آخر میں طاقت ودولت کے مراکز کی منتقلی

جیسا کہ گذر چکا ہے کہ انگریز حکمرانوں کا طرز حکومت دو واضح طبقات پیدا کرچکا تھا۔ بالادست طبقہ اور زیردست طبقہ۔ ٹیکسلا کے قدیم آباد "گجر" اور "سادات" خاندانوں کے سربراہ ہی اس دور میں ہر لحاظ سے بالادست تھے۔ انیسویں صدی کی پہلی چوتھائی سے کشمیر کے مہاجر یہاں آکر آباد ہونا شروع ہوئے اور تقریباً سو سال بعد اس قوم کے سربراہوں نے دولت، قوت اور سیاست کے مراکز کو اپنے ہاں منتقل کرنا شروع کردیا۔ اس "انقلاب" کا سہرا جن شخصیات کے سر ہے ان کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:۔

ٹھیکیدار حاجی شیخ رحمت دین صاحب:۔

آپ حیات محمد ٹھیکیدار کے گھر غالباً 82-1881ء میں پیدا ہوئے۔ باوجود مالی تنگی کے عصری علوم میٹرک تک حاصل کئے اور کچھ مذہبی تعلیم بھی۔ اس کے بعد پشاور میں بیک وقت پولیس، محکمہ میوزیم اور محکمہ ڈاک میں ملازم ہوئے۔ لیکن طبعاً آزاد منش تھے اور انگریز افسروں کو "سلیوٹ" کرنا پسند نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے یہ نوکریاں چھوڑ دیں چونکہ صاف گو اور نڈر تھے اسلئے طبیعت بھی سخت تھی جس کی وجہ سے کافی مالی نقصان بھی اٹھایا۔ مشہور ہے کہ انگریز حکمرانوں سے ٹکرا جاتے تھے بلکہ ایک دفعہ کسی افسر پر چاکو سے حملہ بھی کر دیا تھا۔

جوانی میں خان عبدالغفار خان صاحب اور ان کے بھائی ڈاکٹر خان صاحب سے بھی ملتے رہے خاکسار تحریک کے بانی علامہ مشرقی سے بھی ملاقات کی۔ مجلس احرار اسلام اور جمعیت علمائے ہند سے بھی لگاؤ رہا۔ اور آزادی کے جدوجہد کیلئے کانگرس کے رکن بھی رہے اور تاحیات اس موضوع پر اپنے نظریات کو تبدیل نہیں کیا۔ آزادی کے بعد کئی دفعہ اس موضوع پر تقسیم کے حامیوں اور مولانا محمد داؤد صاحب سے کافی تلخ بحث وتمحیص بھی ہو جاتی۔

گجر برادری کے سرخیل ملک گوہر دین اگرچہ انگریز کے "انعام خور" تھے لیکن نظریاتی طور پر وہ بھی کانگرس کے حامی تھے اور عمر میں بڑے ہونے کی وجہ سے حاجی صاحب موصوف کے سیاسی استاد اور بہت قریبی دوست تھے۔ ان دو دوستوں اور حاجی صاحب کے خاندان میں "محلّہ مسجد عنایت شاہی" کے تنازعہ میں وہاں کے زیردست غریب سنی مسلمانوں کی کھل کر حمایت کی۔ حاجی صاحب کے بھائی فضل دین صاحب عرف پھجا اور ان کے بیٹے شیخ کرم الٰہی صاحب کو ہتھکڑیاں بھی لگیں۔ حاجی صاحب کے فرزندوں اور شیخ خورشید احمد

صاحب وغیرہ نے اس موقع پر اپنی طاقت وقوت بھی دکھائی جس کی وجہ سے "زیردست طبقہ" کیلئے روشنی کی ایک کرن ظاہر ہوئی اور غلامی کی زنجیریں کاٹ ڈالنے کا عزم پیدا ہوا۔ ان میں مشکل میں سہارا ملنے کی امید بھی پیدا ہوگئی۔ اس ذہنی تبدیلی نے آنے والے وقت نے سیاسی و بلدیاتی اقدار کشمیری خاندان کو منتقل کر دیا۔

جناب حاجی رحمت دین صاحب نے "سادات برادری" کے چند سرخیل افراد سے ذاتی دوستی بھی رکھی بالخصوص حیدر شاہ بھٹے والے، بگا شاہ اور شاہ سوار صاحب سے۔ حاجی رحمت دین صاحب نے باقی خدمات کے علاوہ اپنی ذاتی نگرانی میں محلّہ کی مسجد کی تراشیدہ پتھروں سے خوبصورت تعمیر، مرکزی عیدگاہ کیلئے اراضی کے حصول اور اس کی تعمیر کر کے اپنے لئے دائمی صدقہ جاریہ کا اہتمام بھی کیا۔

آپ کے بڑے فرزند شیخ رشید احمد صاحب نے ذاتی ٹرانسپورٹ کا کام سنبھالا۔ اس وقت کے ٹرک جو وسیع المقاصد تھے اور بار برداری کے ساتھ موجودہ "سوزوکیوں" کی طرح بند ہونے والی سیٹیں لگا کر سواریاں بھی بٹھاتے تھے۔ پہلے آپ نے وہ چلائے اور پھر باقاعدہ بسیں بھی جو ایبٹ آباد تک چلتی تھیں۔ آپ کے لائق بیٹوں شیخ طارق محمود اور شیخ جاوید محمود کا ذکر آگے آرہا ہے۔

حاجی صاحب نے دوسرے دو فرزندوں کو اچھی تعلیم دلوائی شیخ محمد جان صاحب جو 1918ء میں پیدا ہوئے اور 1934ء میں راولپنڈی سے میٹرک کیا تو ان کو مولانا محبوب عالم صاحب کے مشورہ سے ریاست بہاولپور کے مشہور علمی مرکز میں بھیجا جہاں انہوں نے 1938ء تک بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کے بعد آپ "نیوی" میں ملازم ہو گئے لیکن موسمی ماحول کی تبدیلی کی وجہ سے کچھ عرصہ بعد بیمار ہو گئے اور علاج کے لئے واپس آنا پڑا۔ کچھ مشہور ڈاکٹروں نے آپ کو لاعلاج قرار دے دیا لیکن راولپنڈی کے ایک حکیم صاحب نے ہر وقت نمک چوسنے اور دودھ جلیبی کھانے کا علاج تجویز کیا جس سے آپ صحت مند تو ہو گئے دائمی زکام لاحق ہو گیا۔ آپ کو صحت یاب ہونے میں تین چار سال لگ گئے، صحیح تندرست ہونے کے بعد نیوی میں واپس جا کر ڈیوٹی شروع کی۔ لیکن جب باقی ساتھیوں کے ہمراہ "پروموشن" مانگی تو چھٹیوں کی وجہ سے نہ دی گئی جس پر احتجاجاً نوکری چھوڑ دی اور واپس آ کر بھائیوں کے ساتھ ٹرانسپورٹ کا کام شروع کر دیا۔ آپ نے راولپنڈی میں ہی رہائش اختیار کر لی مطالعہ کا شوق بھی اور مذہبی ذوق بھی رکھتے تھے بہاولپور کے تعلیمی ادارہ سے تعلیم کے ساتھ تربیت بھی اچھی حاصل کی تھی اس لئے بہت سنجیدہ، سمجھدار، معاملہ فہم اور شریف ذمہ دار شخص تھے۔ دونوں بھائیوں سے مزاج بھی الگ تھا۔ ان کی وفات کے بعد سارے خاندان کی سربراہی بھی کی اور فیصلہ کن اتھارٹی کے طور پر متنازعہ امور اور سیاسی معاملات کا مثبت حل نکال لیا کرتے تھے۔

حاجی صاحب کے دوسرے فرزند و مشہور شخصیت بابو شیخ خورشید احمد صاحب جو یونین کونسل ٹیکسلا کے چیئرمین بھی رہے کے بارے میں تفصیل آگے آرہی ہے۔

الحاج شیخ کرم الٰہی صاحب:۔

آپ شیخ حاجی رحمت دین کے چچازاد بھائی تھے "پنڈی ہزارہ ٹرانسپورٹ" کے ضمن میں آپ کا اجمالی ذکر ہو چکا ہے۔ اگرچہ آپ بیسویں صدی کے نصف اول میں ہی فعال کردار ادا کر رہے تھے لیکن زیادہ کھل کر آپ کا کردار اور فعالیت نصف آخر کی ابتداء سے نمایاں ہوئی اسلئے آپ کا تفصیلی ذکر اب ہو رہا ہے۔

آپ 1908ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد پہلے اپنے والد صاحب کے ساتھ ٹھیکوں کے کام کرتے رہے 1930ء میں چونکہ آپ کو اپنے خاندانی کاروبار ٹرانسپورٹ کا تجربہ ہو چکا تھا اسلئے حضرو اور اٹک کے سرمایہ داروں کے ساتھ ملکر بسوں کی ٹرانسپورٹ کمپنی بنائی جو اٹک اور چھچھ سے راولپنڈی تک چلتی تھی بعد میں پنڈی ہزارہ ٹرانسپورٹ بنا کر اس کے وائس چیئرمین بن گئے اس دوران اپنا ذاتی کاروبار بھی راولپنڈی میں شروع کیا آڑھت کا کام کرتے ہوئے آپ شہر کی سبزی منڈی کے تاجروں کی تنظیم کے عہدیدار بھی بنے (1947ء سے 1950ء تک)۔ اسی طرح 1933ء تا 1941ء پہلے راولپنڈی موٹر یونین کے صدر اور پھر آل انڈیا موٹر یونین کے نائب صدر بھی رہے۔

آپ تعلیم یافتہ اور بہت سمجھدار اور زیرک شخص تھے معاملہ فہمی اور منصوبہ بندی کمال درجے کی تھی تعلقات بنانے اور نبھانے کا خوب فن تھا بڑی سے بڑی شخصیت اور عہدیدار کو شیشے میں اتار لیتے۔ آپ نے 1950ء میں بذریعہ سڑک سعودی عرب کا سفر کر کے "حج ٹرانسپورٹ" کے روٹ کا سروے کیا اور حالات کا جائزہ لیا اس دوران ایران کے پہلوی خاندان کویت اور سعودیہ کے شاہی حکمرانوں سے ذاتی مراسم پیدا کئے۔ مقامی طور پر مذکورہ ٹرانسپورٹ کمپنیوں کے ذریعے ہزارہ، اٹک کے سرکردہ لوگوں سے تعلقات تو تھے ہی فیلڈ مارشل صدر محمد ایوب خان، قدرت اللہ شہاب، مولانا مودودی اور مولانا فرید احمد جو مشرقی پاکستان کے سیاسی و مذہبی رہنما تھے سے بھی شناسائی حاصل کر لی تھی آپ کے صاحبزادے شیخ صلاح الدین کے بقول یہ حج ٹرانسپورٹ 1953ء، 1954ء، 1956ء اور 1957ء اور پھر 1972ء میں حج کے سفر پر گئی۔ آخری سفر میں 18 دسمبر 1972ء کو قافلہ کوئٹہ سے روانہ ہوا جسمیں 7 بسیں، ایک ویگن، ایک موٹر کار اور ایک ایمبولینس تھی۔ ان بسوں میں سے ایک ملک بشیر احمد صدیقی اور ایک اقبال خان ایڈووکیٹ کی ذاتی ملکیت تھیں باقی کمپنی کی ملکیت۔ غالباً اس قافلے میں مرکزی مسجد اسلام آباد کے خطیب حضرت مولانا محمد عبداللہ شہید بھی شامل تھے جس کا وہ کبھی کبھار تذکرہ فرماتے تھے اور اسی نسبت سے راقم السطور کو "شیخ صلاح الدین" کہتے تھے۔ انہیں تعلقات کی وجہ سے شیخ صاحب موصوف نے ٹیکسلا میں پہلے "پٹرول پمپ" کے اجراء کی منظوری لی جو "برماشیل کمپنی" نے خود آ کر تنصیب کیا۔ اس وقت پٹرول اور ڈیزل ہاتھ سے بھرا جاتا تھا۔

جناب شیخ کرم الٰہی صاحب 1962ء میں یونین کونسل ڈھیری شاہاں (علاقہ ٹیکسلا) کے پہلے منتخب چیئرمین بھی بنے تھے اور اپنی کوشش سے صرف ٹیکسلا شہر پر مشتمل "یونین کونسل ٹیکسلا" منظور کرائی۔ آپ بعد میں بھی بلدیاتی انتخابات میں دلچسپی لیتے رہے 1962ء کے قومی انتخابات میں صوبائی اسمبلی کا انتخاب بھی لڑا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ ہزارہ ٹرانسپورٹ کی انتظامی مصروفیت بھی رہی۔ 1981ء میں اس کی تحلیل اور جائیداد کی فروختگی کے بعد یہ مصروفیات ختم ہو گئیں۔ اس دوران دل کی تکلیف بھی ہو گئی تھی چنانچہ گھر میں ہی قیام پذیر ہو گئے۔ ذوق مطالعہ تو تھا ہی اس لئے وقت اچھا گذرتا رہا۔ بالآخر وقت اجل آنے پر 1988ء میں انتقال فرما گئے۔ آپ کے ورثاء میں دو بیویوں سے سات بیٹے ہیں جن میں سے تین وفات پا چکے ہیں اور چار بقید حیات ہیں آپ کے پوتوں میں سے شیخ ضیاء الدین انجمن تاجران اور تحریک انصاف میں فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔

شیخ محمد دین صاحب:۔

جناب حاجی شیخ رحمت دین صاحب کی سوتیلی والدہ سے دو بھائی شیخ محمد دین صاحب اور شیخ علاؤ الدین صاحب تھے جو اپنے کاروبار کے علاوہ سماجی خدمات کے ساتھ ساتھ تعلیم کے فروغ اور نئی نسل کی مذہبی او اخلاقی تربیت کے لئے حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کے معاون اور قریبی ساتھی تھے شیخ محمد دین صاحب نے خصوصی طور پر اس سلسلے میں بہت مالی تعاون کیا حتیٰ کہ فیصل شہید روڈ پر واقع موجودہ" گورنمنٹ تعلیم القرآن ہائی سکول ٹیکسلا" کے قیام کیلئے جو اس وقت مدرسہ تعلیم القرآن بنا تھا وسیع قیمتی زمین وقف کر کے حاجی ملک محمد سلیمان صاحب مرحوم کے تعاون سے خوبصورت تعمیرات بھی خود کرائیں۔ یہ سکول ابتداء میں "انجمن تعلیم القرآن ٹیکسلا رجسٹرڈ" کے زیر انتظام تھا جس کے صدر شیخ محمد دین صاحب اور جنرل سیکرٹری صوفی خالد محمود صاحب تھے۔ اس عمارت میں مدرسہ کی منتقلی کے بعد "نصاب، فیس اور انتظامی معاملات" کے سلسلہ میں اختلاف رائے ہو جانے پر بانی مدرسہ حضرت مولانا محمد داؤد صاحب 1966ء میں اہتمام سے الگ ہو گئے۔ غالباً 76-1975ء میں بھٹو حکومت نے سکول کو قومی ملکیت میں لے لیا اور اب تک یہ سکول حکومت کے زیر اہتمام ہی چل رہا ہے۔

شیخ محمد دین صاحب بہت فیاض طبیعت کے مالک تھے۔ غریب بیواؤں، یتیموں اور بے آسراء لوگوں کی کافی مالی امداد کرتے تھے۔ آپ نے اپنی اولاد کی اچھی تربیت کی بڑے صاحبزادے شیخ اختر محمود "انجمن شبان اسلام ٹیکسلا" انتظامی سربراہ بھی رہے اور نواسے حاجی فیصل اقبال موجودہ دور کے مشہور غریب پرور ہیں اور رفاہی کاموں کے لئے بھی مشہور۔

بیسیوں صدی کے نصف آخر کے حالات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیر بحث عرصہ کے مذہبی، سیاسی، معاشرتی و سماجی حالات کے تفصیلی تذکرہ سے قبل ایک ایسے انقلابی اقدام کا ذکر کر دیا جائے جس کے مثبت اثرات آج 67 سال بعد بھی محسوس ہو رہے ہیں جو اس پرخلوص جدوجہد کی قبولیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور اسی کاوش کا ثمرہ ہیں۔

عصری و دینی تعلیم کے امتزاج کے حامل تعلیمی ادارہ کے قیام کا مقصد:۔

برصغیر میں مسلمانوں کے آباد ہونے پر اس وقت کے مسلمان زعماء و علماء نے نوجوانوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کیلئے تعلیمی ادارے قائم کئے جن میں وقت کی ضرورت کے مطابق تعلیم دی جاتی۔ دنیاوی و دینی تعلیم بھی کوئی تفریق نہ تھی۔ تمام مسلمان حکمرانوں نے ایسے اداروں کی مدد، سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی بلکہ بعض بادشاہوں نے خود بھی ایسے تعلیمی ادارے قائم کئے جن میں اعلیٰ معیار کی تعلیم دی جاتی۔

انگریز حکمرانوں نے اپنا تسلط قائم ہو جانے کے بعد بالعموم اور 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد بالخصوص ایسے تعلیمی اداروں کو ختم کر کے ایسا نظام تعلیم رائج کرنے کی کوششیں شروع کر دیں جو بقول "لارڈ میکالے" ہندوستانی طلبہ کو بظاہر ہندوستانی رہنے دے گا لیکن تمدن و معاشرت کے لحاظ سے وہ فرنگی عادات واطوار کے مالک بنا دیئے جائیں گے۔ سرکردہ علمائے کرام ان اس ماحول کو دیکھ کر" دینی علوم" کے مٹ جانے کے خدشے کو محسوس کرتے ہوئے مختلف مقامات پر قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کچھ فنی علوم پڑھانے کیلئے اپنے اپنے وسائل کے مطابق چھوٹے بڑے مدارس بنائے جن میں سے 30 مئی 1866ء کو شروع کیا جانے والا" دارالعلوم دیوبند" سب سے موثر ادارہ بنا اور چار دانگ عالم نے اپنی خصوصیات کی وجہ سے مقبول و مشہور ہوا۔

دوسری طرف صرف دنیاوی تعلیم کیلئے سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء نے علی گڑھ میں تعلیمی ادارہ قائم کیا وہ بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے عالمی شہرت کا حامل بنا۔ اس کے علاوہ بھی بعض مشہور تعلیمی ادارے برصغیر کے مختلف شہروں میں قائم ہوئے۔

تحریک آزادی کے عظیم مجاہد اور برصغیر کی اقوام کے محسن حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اس دارالعلوم دیوبند کے پہلے شاگرد تھے جنھوں نے بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ظاہراً درس نظامی نصاب پڑھا اور باطناً جذبہ حریت اور اس کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کی تربیت حاصل کی۔ 1873ء میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد

1920ء میں مالٹا کی قید سے رہائی تک حاصل کردہ جذبہ اور تربیت بروئے کار لاتے ہوئے کیا کچھ منصوبے بنائے، کتنی قربانیاں دیں اس کی تفصیل کے لئے آپ کی سوانح کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

زیر نظر موضوع سے متعلق آپ کا کردار رہائی کے بعد برصغیر واپسی ہمارے پیش نظر ہے۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ "دارالعلوم دیوبند" اور "مسلم یونیورسٹی علی گڑھ" دینی و دنیاوی علوم کے دو متوازی بڑے ادارے تھے اور نظریاتی بُعد بھی تھا۔ پالیسی بھی متضاد تھی لیکن دونوں اداروں کے فضلاء آزادی کے مطالبہ پر متفق الخیال تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی واپسی کے بعد اکتوبر 1920ء کو خود علی گڑھ جا کر حالانکہ آپ پیرانہ سالی، علالت ونقاہت کی وجہ سے سفر کے بالکل قابل نہ تھے دونوں تاریخی اداروں کا رشتہ آپس میں جوڑا۔

اپنے علی گڑھ کے اس دورہ میں خطبہ کے دوران فرمایا کہ ہمارے اکابر سلف میں کسی اجنبی زبان کے سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم وفنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ ہاں یہ بے شک کہا کہ انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہ ہوتا ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگے جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مزاخ اڑائیں یا حکومت کی وقت کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم سے ایک مسلمان کا جاہل رہنا ہی اچھا ہے۔ ہماری عظیم الشان قومیت کا یہ فیصلہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے کالجوں سے بہت سستے داموں کے غلام نہ پیدا کریں بلکہ بغداد اور قرطبہ یونیورسٹیوں جیسے بنائیں جنہوں نے یورپ کو اپنا شاگرد بنایا۔

اسی خطبہ میں آپ نے فرمایا اے نونہالان وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے درد کے غم خوار جس میں میری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں مدرسوں، خانقاہوں میں کم اور سکولوں کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا۔

اس موقع پر شیخ الہندؒ نے ایک آزاد یونیورسٹی کے افتتاح کا اعلان کیا جو گورنمنٹ کی اعانت اور اس کے اثر سے بالکل علیحدہ ہو اور جس کا تمام تر نظام عمل اسلامی خصائل اور قومی محسوسات پر مبنی ہو۔

یاد رہے کہ دوران تحریک آزادی و تحریک خلافت وغیرہ علی گڑھ کے اکثر فضلاء بالخصوص مولانا محمد علی جوہر، محمد شوکت علی جوہر، حکیم محمد اجمل خان، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی وغیرہ آپ کے رفقائے کار رہے حضرت شیخ الہندؒ کے اس دینی وعصری تعلیم کے امتزاج کے حامل اداروں کے قیام کے منصوبے کی تکمیل کیلئے مولانا محمد علی جوہرؒ نے اسی سال 1920ء میں دہلی میں "جامعہ ملیہ اسلامیہ" قائم کیا اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے گجرات میں آزاد ہائی سکول کی بنیاد رکھی جس کا افتتاح تحریک حریت کے نامور رہنما اور مجاہد آزادی "مولانا ابوالکلام آزاد" نے کیا۔

مدرسہ تعلیم القرآن ٹیکسلا کا قیام:۔

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے مرکزی جامع مسجد ٹیکسلا میں 1949ء کے سال قرآن مجید کی ناظرہ تعلیم تجوید کے قواعد کے ساتھ شروع کرادی جس میں طلباء کو ابتدائی ضروری مسائل و دینی معلومات بھی فراہم کرنا شروع کردیں۔ پہلی جماعت جناب مسعود الرحمٰن صاحب، نور الٰہی اعوان صاحب، عبدالخالق ہاشمی صاحب، ماسٹر صغیر احمد شاہ صاحب، میر شوکت محمود صاحب، غلام جیلانی صاحب، علامہ غلام مصطفیٰ زرگر، ملک اللہ دتہ صاحب (ملک بشیر) وغیرہ پر مشتمل تھی۔

ابتدائی طور پر تعلیم مسجد کے اندر ہوتی پھر مسجد کی مشرقی جانب وضوخانوں کے اوپر بنی جگہ پر واقع کمرے میں منتقل کی گئی اور اسی دوران مسجد کے شمال میں ملحقہ ہندوؤں کی متروکہ عمارت مل جانے پر وہاں تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ مقامی آبادی کے رجوع کو دیکھ کر 1952ء میں باقاعدہ سکول کی طرز پر کلاسوں کا آغاز کر دیا گیا۔ مذکورہ طلباء کے علاوہ عطاء محمد صاحب، شیخ جاوید محمود صاحب، میر سلیم اختر صاحب، مطلوب اعوان صاحب، محمد یونس صاحب بھی دوسری کلاس کے طور پر شریک تعلیم ہوگئے۔

قاری عبدالرحمٰن صاحب مذکور کے علاوہ دو مزید اساتذہ استاد غلام ربانی صاحب اور استاد رحمت دین صاحب کا تقرر کر دیا گیا۔ انتظامی طور پر حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کے ابتدائی رفقائے کار میں شیخ علاؤالدین صاحب، ملک عبداللہ صاحب، محبوب الٰہی اعوان صاحب، منشی غلام محمد صاحب، مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، استاد محمد دین صاحب، استاد روشن دین صاحب وغیرہ تھے۔ سکول کی تعلیم کا بندوبست ہوجانے پر شہریوں نے اپنے بچوں کو دوسرے سرکاری سکولوں سے چھڑا کر اس مدرسہ میں داخل کرانا شروع کر دیا۔ اور پہلے سال ہی چہارم تک کلاسیں شروع ہوگئیں۔

استاد رحمت دین صاحبؒ کی یادداشتوں کے متعلق 12 فروری 1953ء کو مرکزی جامع مسجد میں مدرسہ کے طلباء کا پہلا اجتماع منعقد کیا گیا جس میں مذکورہ معاونین نے شرکت فرمائی۔ طلباء نے ہی تلاوت، نظم، مدرسہ کے اغراض اور علم کی ضرورت کے موضوع پر مضامین پیش کئے۔ یہ اجتماع بہت کامیاب ثابت ہوا۔ مدرسہ کے نصاب تعلیم اور انداز تربیت کی تفصیلات آئندہ صفحات میں درج کی جائیں گی جن سے متاثر ہوکر ہندوستان کے بڑے بڑے علماء بالخصوص مہتمم دارالعلوم دیوبند جناب مولانا قاری محمد طیّب صاحبؒ بنفس نفیس تشریف لائے معلومات حاصل کیں اور بڑی خوشی کا اظہار کر کے حوصلہ افزائی فرمائی۔

مذکورہ پروگرام کے انعقاد کے چودہ دن بعد چھبیس فروری کو ملک بھر میں "تحفظ ختم نبوت" کے لیئے جاری پرامن تحریک کے مرکزی، صوبائی وضلعی قائدین کی گرفتاری کے خلاف"

احتجاجی تحریک "شروع کردی گئی اور "مدرسہ تعلیم القرآن" میں تعلیم کا سلسلہ جون کے مہینہ تک معطل ہوگیا اس لئے کہ جناب مہتمم مولانا محمد داؤد صاحبؒ، استاد رحمت دین صاحب اپنے ساتھیوں سمیت گرفتار ہوگئے تھے۔اس تحریک کے اسباب اور مختصر حالات رقم کیئے جارہے ہیں تاکہ موجودہ نسل حقیقی صورتحال سے آگاہ ہوسکے اس لئے کہ "لبرل طبقہ "غلط بیانی کرکے اس تحریک کا منفی تاثر پیدا کرتے رہتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا مختصر تعارف:۔

مذکورہ تحریک چونکہ قادیانیوں کے خلاف چلائی گئی تھی جن کا سربراہ جھوٹا مدعی نبوت مرزا احمد قادیانی تھا اس لئے موصوف کا تعارف اختصار سے درج کیا جاتا ہے۔انگریز حکمرانوں نے 1857 کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر میں اپنی حکومت کے دائمی استحکام کیلئے تجاویز تیار کرنے کی غرض سے برطانوی سیاست دانوں اور پادریوں پر مشتمل دو وفد 1869ء پر یہاں بھیجے جنہوں نے مشترکہ رپورٹ یہ دی جسے "دی ارائیول آف برٹش امپائر ان انڈیا (The Arrival of british Empire in India)" کا نام دیا گیا۔

"ہم برصغیر کی تمام حکومتوں کو غدار تلاش کرنے کی حکمت عملی سے شکست دے چکے ہیں۔اب ایسے غدار کی ضرورت جو ظلی اور مہدی ہونے کا دعوٰی کرے۔ایسے غدار کو تلاش کرنا اصل کام ہے۔ہندوستانی مسلمان پیروں، فقیروں کے جلد معتقد اور ان کا امام مہدی کے ظہور کا بھی عقیدہ ہے اگر ایسا آدمی مل جائے جو اصل کام ہے تو اس کی حفاظت واعانت کرکے مسلمانوں میں سے حکومت برطانیہ کی وفادار جماعت پیدا کی جاسکتی ہے"۔(رپورٹ سرولیم اور پادری صاحبان)

چنانچہ انگریز حکومت نے اس رپورٹ کو منظور کرتے ہوئے ایسے کردار کی تلاش شروع کردی جو جدّی، پشتی نسلاً بعد نسلٍ غلامی کی خور کھنے والا ہو، مذہبی علم بھی رکھتا ہو اور پہلے سے کچھ شہرت بھی اس حوالے سے موجود ہو۔ادھر قدرت کو "غلام احمد قادیانی" کی بدبختی منظور تھی جس کے آباؤ اجداد سکھ حکمرانوں کی غلامی کرتے کرتے برطانوی اقتدار آنے پر ان کے وفادار غلام بن گئے۔مرزا قادیانی تحفہ قیصریہ صفحہ 16 پر خود لکھتا ہے کہ

"میر والد مرزا غلام مرتضٰی صاحب دربار گورنری میں کرسی نشین تھے اور سرکار انگریزی کے ایسے خیر خواہ اور دل کے بہادر تھے کے مفسدہ 1857ء (یعنی جنگ آزادی) میں پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر پچاس جوانوں سمیت میدان جنگ پہنچا کر اپنی حیثیت سے زیادہ اس گورنمنٹ عالیہ (انگریز) کو مدد دی تھی"۔

مرزا قادیانی 1939-40ء کے لگ بھگ پیدا ہوا اس کی تعلیم کے لئے گھر پر ہی اساتذہ مقرر کئیے گئے جن میں مولوی فضل الٰہی، مولوی فضل احمد اور مولوی گل علی شاہ سے مرزا نے نحو ومنطق کی کتب پڑھیں اور طب کی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں جو کہ ایک حاذق حکیم تھے۔حصول تعلیم کے بعد سیالکوٹ میں انگریز ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں "محرّر" بھرتی ہوا اور 1866ء سے 1868ء تک دو سال وہاں ملازم رہا۔اس دوران کچھ مذہبی معلومات ہونے کی وجہ سے پہلے "آریہ سماج" کے خلاف کتابیں لکھیں، کچھ مناظرے کئے پھر "عیسائی پادریوں" سے مناظرے شروع کئے اس عرصے میں اسے چند پڑھے لکھے زیرک قسم کے ساتھی بھی مل گئے جن میں "حکیم نورالدین" خاص طور پر قابل ذکر ہے ان مصروفیات کی وجہ سے مسلمانوں میں مرزا قادیانی شہرت ومقبولیت حاصل ہوگئی اور ادھر انگریز حکمرانوں کو اپنا گوہر مقصود حاصل ہوگیا۔

برطانوی ہند کی سنٹرل انٹیلی جنس کی روایت کے مطابق ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے چار اشخاص کو انٹرویو کے لئے طلب کیا اور مرزا قادیانی کو او پر دیئے گئے مقصد کے لئے منتخب کر لیا۔اسلئے کہ اس ازلی وخاندانی غلامانہ فطرت کے حامل انگریز حکومت کے ملازم کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرنا آسان تھا۔اس دوران ایک پادری "بٹلر" نے مرزا سے ملاقات کی، معاملات طے ہوئے مرزا نے نوکری سے استعفٰی دے دیا اور قادیان چلا گیا۔وہاں اسے گمنام منی آرڈر ملنے شروع ہوگئے جو در اصل اسے بٹلر خدمات کے عوض بھجوا تا تھا۔

چنانچہ مرزا قادیانی نے پہلے اپنے معتقدین پر مشتمل ایک جماعت تشکیل دی اور 1880ء میں "ملہم من اللہ" ہونے کا اعلان کردیا، اس کے بعد مجدّد بنا اور سال کے آخر میں اعلان کردیا کہ خدا نے اسے "بیعت" لینے کا حکم کیا ہے۔اگلے سال "مسیح موعود" ہونے کا دعوٰی کردیا اور اپنے لئے "ظلّی نبی" ہونے کی اصطلاح ایجاد کی۔

نبوت کے دعوے کے بعد انگریز حکومت کے بتائے ہوئے ایجنڈے پر عمل شروع کرتے ہوئے پہلے ان کی حکومت کی وفاداری سے انحراف کو جہنم کی سزا کا استحقاق قرار دیا، جہاد کو منسوخ کردیا اور مجاہد مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی شروع کردی۔اس وقت کے ہر مسلک کے سرکردہ جید علماء نے ہر سطح پر اس کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو اس فتنے سے آگاہ کرتے ہوئے ان کے ایمان کے تحفظ کی مساعی کیں۔چونکہ برسراقتدار حکمرانوں کو اس طبقہ کی ہمہ نو سرپرستی کرنی تھی اس لئے اس فتنے کا ایصال نہ ہوسکا مرزا قادیانی کی مئی 1908ء میں عبرتناک موت کے بعد بھی یہ طبقہ فروغ پاتا رہا۔سرکاری عہدوں پر تقرری کے لئے ان کو ترجیح دی جاتی۔مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے ان کو ہر طرح کے وسائل فراہم کئیے جاتے۔برطانوی حکومت نے اپنے دور اقتدار میں ان لوگوں کو کلیدی آسامیوں پر تعینات کیا۔سر ظفر اللہ قادیانی کو "وائسرائے ہند" کی ایگزیکٹیو کونسل کا ممبر بنایا جس مسلمانوں نے احتجاج کیا لیکن شنوائی نہ ہوئی۔برصغیر کی آزادی کے وقت دونوں ملکوں کی حدود کے تعین کیلئے "باؤنڈری کمشن" کے سامنے مرزائی وفد کو پیش ہونے کی اجازت دے کر اس میں پاکستان کے موقف کو کمزور کروا کر "ضلع گورداسپور" کو ہندوستان کے حوالے کرکے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مسئلہ کشمیر کو متنازعہ کروا دیا اس لئے کہ ہندوستانی فوجیں کسی اور راستے سے کشمیر نہیں جاسکتی تھیں سوائے گورداسپور کے راستے کے۔

پاکستان بننے کے بعد ظفراللہ قادیانی کا کردار:۔

پاکستان بننے پر "برطانوی حکومت" نے ملک کی اہم ترین وزارت یعنی خارجہ امور کیلئے ظفراللہ قادیانی کا تقرر کرایا جس نے ایسی پالیسیاں اختیار کیں جو 70 سال گزر جانے کے بعد بھی پاکستان کے لئے ناممکن الحل دردسر ہیں۔اس نے وزیرخارجہ کی بجائے قادیانی مبلغ کا کردار ادا کیا۔اکثر سفارتخانوں میں قادیانوں کا تقرر کیا اور اپنے مذہب کے فروغ کیلئے ہر طرح کے اقدامات بے خوف وخطر انجام دیئے۔اکثر عمائدین سلطنت حتٰی کہ وزیراعظم بھی ان حرکتوں کو ملک کے نقصان دہ محسوس کرتے لیکن سب "بے بس" تھے۔
بانی پاکستان محمد علی جناح کی وفات پر اس نے یہ کہہ کر جنازہ پڑھنے سے انکار کردیا کہ "مجھے مسلمان حکومت کا کافر وزیرخارجہ سمجھو یا کافر حکومت کا وزیرخارجہ"

پاکستان بننے کے بعد کی ابتدائی صورتحال:۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ نقل مکانی کے دوران اور بعد ہندوؤں، سکھوں کی املاک کی لوٹ مار اور مکانوں، جائیدادوں پر قبضے کے نتیجے میں کئی سابقہ مفلوک الحال اور غریب خاندان وشخصیات آسودہ حال ہوگئے۔کاروبار وتجارت سارا مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا تو سب سے پہلے دکانداروں اور تجارت پیشہ حضرات نے باہمی اتفاق واتحاد پیدا کرنے کیلئے مشورہ کر کے منظم ہونے کا فیصلہ کیا۔اس سلسلہ میں خاکسار تحریک اور انصار المسلمین کے تجربہ کار افراد نے فعال کردار ادا کیا اسلئے کہ تنظیمات چلانے کا تجربہ وہ حاصل کر چکے تھے۔

انجمن تاجران کا قیام:۔

چنانچہ قیام پاکستان کے بعد بازار والوں میں یہ انجمن بنائی جس کے صدر حاجی رحمت دین صاحب، جنرل سیکرٹری ڈاکٹر غلام حیدر صاحب،خزانچی محلّہ مکراں کے فضل شاہ صاحب اور نائب صدر غلام یحیٰی صاحب تھے اور باقی ممبران فضل چھاچھی اور احمد شاہ دکاندار وغیرہ تھے ان کے علاوہ مشہور دکاندار کرم الٰہی،مولا بخش، شیخ عبدالعزیز، فقیر احلوائی، نور محمد، سیٹھ غلام محی الدین، خدا بخش، دوست محمد(موچی)، انور(موچی)، فضل(درزی)، ملک سرور دین، حسن دین(کریانہ)، مسکین، میر غلام سرور، رحمت دین عرف بادشاہ اور اس کا بھائی نور دین، اصغر شاہ(زوار شاہ کا والد)وغیرہ تھے۔ان کے علاوہ میڈیکل پریکٹیشنر ڈاکٹر گنگا رام اور اس کا بیٹا ڈاکٹر کرشن لعل تھا جو مشہور شاعر بھی تھا ان کا کام اور دوکان آزادی کے بعد ڈاکٹر ثناء اللہ یا سمیع اللہ نے سنبھال لیا۔اس ا نجمن کی تشکیل ٹیکسلا کے تعلیم یافتہ اور سمجھدار لوگوں کا پہلا مثبت اقدام تھا۔

"پنڈی ہزارہ ٹرانسپورٹ کمپنی" کی فعالیت اور اس کے اثرات:۔

ٹرانسپورٹ کے شعبہ میں شریک کچھ اشخاص کا ذکر گذشتہ صفحات میں آ چکا ہے۔اگرچہ بسوں کی یہ کمپنی آزادی سے پہلے ہی مصروف عمل تھی اور ٹیکسلا سے متموّل لوگ جو ٹرانسپورٹ کا تجربہ رکھتے تھے اس کے حصہ دار تھے اسلئے کہ اس کمپنی سے پہلے ٹیکسلا کی معروف شخصیت شیخ کرم الٰہی صاحب اٹک اور چھچھ سے راولپنڈی چلنے والی "ناردرن ٹرانسپورٹ" کے انتظامی شعبے میں کام کر رہے تھے جس کے اکثر مالکان کا تعلق اسی علاقہ سے تھے۔شیخ صاحب موصوف نے ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے اور حکومتی کارندوں کی ایماء پر اس کمپنی سے الگ ہو کر اور ہزارہ، مانسہرہ کے ٹرانسپورٹروں اور مالدار لوگوں کے تعاون سے 1936ء میں پنڈی ہزارہ ٹرانسپورٹ کی بنیاد رکھی تھی۔ہزارہ کے ان شرکاء کے علاوہ ٹیکسلا کے شیئر ہولڈروں کی زیادہ تعداد کشمیریوں میں سے بس مالکان کی تھی۔

پاکستان بننے کے بعد ٹیکسلا کے جو حصہ دار تھے ان میں سے جناب شیخ کرم الٰہی صاحب کے علاوہ ان کے بھتیجے صوفی خالد صاحب، شیخ محمد دین، بابو خورشید احمد، شیخ رشید احمد، علی حیدر بٹ، ٹھیکیدار محمد دین، میر عبدالرحمٰن، میر غلام سرور، میر گلاب، سید غلام، استاد عبدالرحمٰن، بابو محمد رفیق، راجہ مشتاق احمد اور بابو ملک محمد شفیع صاحبان قابل ذکر ہیں۔اس کمپنی کے چیئرمین سیّد علی اصغر شاہ(نون والے)تھے جن کے حکومتی حلقوں سے قریبی تعلقات تھے اس لئے بہت موثر شخصیت شمار ہوتے تھے۔مشہور ہے کہ صدر پاکستان جناب ایوب خان صاحب جب میجر تھے تو اس کمپنی کی ویگنوں پر راولپنڈی آتے جاتے تھے۔1970ء میں جب "روٹ" اوپن ہوگئے تو بسیں مالکان میں تقسیم کر دی گئیں جو انفرادی طور پر چلتی رہیں البتہ 74-1973ء میں اس کا زوال شروع ہوگیا۔ڈرائیور باغی ہوگئے اور بالآخر 1981ء میں کمپنی کو ختم کر کے جائیدادیں بیچ کر حصص تقسیم کر دیئے گئے۔

اس کمپنی کی وجہ سے ٹیکسلا کے سیاسی وسماجی اور معاشرتی حالات میں کافی تبدیلی آئی۔بہت سے غریب لوگوں کو روزگار ملا اور کافی رفاہی کام شروع ہوئے۔شہر کی انتخابی بالخصوص بلدیاتی دھڑابندی پر اس کمپنی کے سربراہ اور شیئر ہولڈر عرصہ دراز تک اپنا اثر استعمال کرتے رہے بلکہ بعض مواقع پر بلدیاتی اداروں کے سربراہ کے انتخاب میں ان کا کردار فیصلہ کن ثابت ہوا۔

ٹرک اور ٹرک اڈوں کی صنعت:۔

انسانوں کی نقل وحرکت کے لئے بسوں کے انفرادی واجتماعی انتظام سے پہلے اجناس، تعمیراتی وتجارتی سازوسامان وغیرہ کی باربرداری کے لئے ابتداء چھوٹے ٹرک جنہیں چھکڑے کہا جاتا تھا اور بعد میں ترقی یافتہ شکل اختیار کر لینے پر ٹرک بن گئے(عام طور پر فورڈ ٹرک زیادہ تھے)یہ بھی ٹیکسلا کی ایک مشہور صنعت تھی اور ان ٹرکوں کے ابتدائی مالکان میں سے بابا کریم بخش جو گھیلا خورد میں مقیم کشمیری تھا اس دور کا امیر ترین شخص ❶ جاتا تھا۔بڑے بزرگ کہتے ہیں کہ اس کی بوریاں نوٹوں سے بھری رہتی تھیں۔اسی طرح گذشتہ صفحوں میں مذکور گھیلا خورد میں جیون روڈ کا مقیم شاہ فقیر بھی ٹرکوں کا مالک تھا۔اسی طرح رفتہ رفتہ باقی مالدار لوگ بھی ٹرک خریدنے لگے جن میں کشمیری ٹھیکیداروں کی کثرت تھی اور ان کے باقاعدہ ٹرک اڈے بننے شروع ہوگئے جو اس وقت راولپنڈی کی گنجمنڈی میں تھے جہاں پنڈی ہزارہ ٹرانسپورٹ کا اڈا بھی تھا اس صنعت سے متعلقہ سپیئر پارٹس کی دکانیں، ٹائروں کا کاروبار، مستریوں، الیکٹریشنوں کی دکانیں لوگوں کے ذرائع روزگار بن گئے۔

اس کاروبار سے وابستہ لوگوں کی اکثریت کشمیری برادری سے تعلق رکھتی تھی۔ پاکستان بننے کے کچھ عرصہ بعد ٹرکوں کے اڈے اوران سے وابستہ کاروبار ٹیکسلا سرائے کالا میں جی ٹی روڈ کے دائیں بائیں منتقل ہوگیا۔ایک وقت میں پورے پاکستان میں ٹیکسلا کا یہ نظام شہرت کا حامل تھااور گھیلا خورد گلی کشمیریاں کا رہائشی راجہ مشتاق احمد اس سلسلہ کی ملک گیر مشہور تھا۔

موجودہ دور میں بھی مذکورہ علاقہ ٹرکوں، ڈمپروں ٹریلرز اور کنٹینرز کے جمعہ بازار کا منظر پیش کرتا ہے اور سینکڑوں لوگ مزدوروں سے لیکر فارورڈنگ ایجنسیوں کے مالکان تک اس صنعت سے وابستہ ہیں جسے علاقہ میں موجود کرش مشینوں، سیمنٹ کے کارخانوں اور پڑوس میں واقع لارنس پور اٹک کے علاقہ میں موجود ریت کے ذخیروں نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔

بیسویں صدی کے نصف اوّل کا جائزہ:۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ انیسویں صدی کے طائرانہ جائزہ کے بعد بیسویں صدی کے پہلے پچاس سالوں یعنی 1901ء سے-1950ء تک کے نسبتاً تفصیلی حالات کے تذکرہ کے اختتام پر معاشرتی، معاشی، سماجی، سیاسی، تعلیمی اور مذہبی حالت کا ماضی سے مختصر تقابلی جائزہ پیش کر دیا جائے تاکہ اس صدی کے نصف ثانی کے حالات پڑھتے ہوئے قاری خود ہونے والی تبدیلی محسوس کر سکے۔

آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اس خطہ میں پہلے آباد ہونے والے مسلمان خاندان جو" گجر" کہلاتے تھے زرعی و چاہی زمینوں کے وسیع رقبوں کے مالک تھے اور ہیں۔اسی طرح "سادات خاندان" بھی۔ان دونوں برادریوں کا ابتدائی انحصار مزارعت اور حکمرانوں کی آشیرآباد سے ملنے والے انعامات اور حکومتی حلقوں میں اثر ورسوخ کی وجہ سے حاصل ہونے والے مفادات پر تھا اسی لئے تعلیم کے حصول میں معدودے چند خاندانوں نے دلچسپی لی جس کا مختصر تذکرہ پچھلے صفحات میں آ چکا ہے۔اسی طرح نقل و حمل کے ذرائع کے نظام میں بھی چند ہی نام ان برادریوں کے آسکے ہیں اسی لئے مذکورہ دور میں بے تحاشا دولت کا مالک کوئی شخص ان میں سے نہیں تھا۔

اس کی وجہ "خاندانی برتری" کا احساس ہے جو محنت مزدوری کی طرف مائل نہیں کرتا۔جنہوں نے تعلیم حاصل کی اور کاروبار کیئے وہ آسودہ حال ہوگئے اور باقی خاندانوں کے جانشین اور ورثاء زمینیں بیچ بیچ کر اپنا کام چلا رہے ہیں۔

ان کے مقابلے میں کشمیری مہاجرین اور دوسرے محنت کش طبقہ نے کسی بھی کام کے کرنے میں عار محسوس نہیں کی جیسا کہ گذر چکا ہے کہ انہوں نے مزارعت کی، گدھے ہانکے، پتھروں کی نکاسی کی غرضیکہ " کمّی "بن گئے غلامی تک برداشت کی اور اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پالتے رہے۔اسی لئے ان طبقوں کی محنت رنگ لائی اور بار برداری کا نظام گدھوں سے شروع ہوکر اب کنٹینروں تک پہنچ گیا ہے جن کے زیادہ مالک یہی لوگ ہیں اسی طرح انسانی نقل و حمل جو گدھوں کی سواری، پھر خچروں کی، پھر گھوڑوں کی، پھر تانگوں کی، پھر بسوں کی پھر کاروں کی شکل اختیار کر گئی اور ٹرانسپورٹ کمپنیاں بھی بن گئیں۔ان بسوں کی کمپنیوں کے مالک بھی اکثر انہی محنت کشوں میں سے ہیں جن کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

سیاسی طور پر جیسا کہ گذر چکا ہے کہ یہ علاقہ اپنے طور پر "بانجھ" تھا۔اس لئے کہ "جو حکم سرکار کا ہم اس کے پیروکار" کی کیفیت تھی۔تعلیمی حالت بھی بیان کی جا چکی ہے کہ 1947ء تک مڈل سکول بھی نہ تھا بمشکل "لوئر مڈل" تک تعلیم کا نظام ہو سکا تھا۔ مذہبی تعلیم و تربیت اور قرآن مجید کے حفظ و ناظرہ کی تعلیم بھی انفرادی طور پر اندرون خانہ ہی تھی۔دینی علوم کی تعلیم کا نظام تو ابھی خواب و خیال تھا۔سوائے "خاکسار تحریک" اور "اصلاح المسلمین" کے جو دو سال تک (1938ء سے 1940ء تک) فعال رہیں، کسی جماعتی نظم و ضبط کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔البتہ قریبی دیہات "سموں" کے دینی و علمی خاندان کے دو قابل فخر سپوتوں نے جن کا موقع بہ موقع مختصر تذکرہ پچھلے صفحات میں موجود ہے ان دو ضرورتوں کو شدت سے محسوس کیا اور بڑے بھائی مولانا حکیم محبوب عالم صاحبؒ نے تقریباً 1932ء سے یہاں ڈیرہ لگا کر اور ان کے برادر اصغر اس شہر کے محسن اعظم حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے 1938ء سے یہاں آباد ہوکر بہترین حکمت عملی سے تنظیمی ضرورت اور عصری و دینی تعلیم کے تقاضے پورے کرنے کے لئے منصوبہ بندی کی اور بہت خاموشی، راز داری اور انفرادی محنت سے ان کاموں کا بیڑہ اٹھایا۔اللہ تعالٰی نے خلوص نیت سے کیئے جانے والے اس کام کی محنت کو قبول فرمایا جس کے ثمرات اس صدی کے نصف آخر کے تفصیلی تذکرے میں دیکھے جاسکیں گے۔اول الذکر برادر اکبر نے مسلمانوں کے بااثر افراد کی شیرازہ بندی کی۔ بلا لحاظ قوم و قبیلہ ان کو ایک لڑی میں پرو دیا جس کا اندازہ گذشتہ صفحات میں ان کی طرف سے اپریل 1938ء میں ایک اجلاس کے انعقاد کے لئے شہر کے چالیس افراد کو جاری کردہ دعوت نامے سے ہو سکتا ہے۔1932ء سے پیدا شدہ سنی، شیعہ کشیدگی کے ماحول کو جو مخصوص مقاصد کے لئے پیدا کیا گیا اور مناظروں سے ہوتا ہوا محلّہ عنایت شاہی کی مسجد کی قبضہ و تنازعہ اور سول نافرمانی کی تحریک تک پہنچ گیا آپ نے "عدالتی طریقہ کار" اختیار کر کے پرامن انداز میں 1946ء میں ہائی کورٹ کے فیصلے تک پہنچا کر ختم کر دیا۔

اس کے مخصوص مقاصد اس لئے لکھا گیا ہے کہ سوائے اس مسجد کے تنازعہ کے دوران شہر کی بہت سے دوسری مساجد میں جہاں دونوں فریق نمازیں ادا کرتے تھے بغیر کسی تنازعے یا بدمزگی کے نمازیں ادا ہوتی رہیں اور بعض میں اب تک ہو رہی ہیں۔ان دونوں بھائیوں نے "مخصوص مقاصد" کے لئے پیدا کردہ اس کشیدگی کو بہترین انداز سے امن میں بدل

دیا۔حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے "انصار المسلمین" کی دوسالہ قیادت کے دوران باوجود "نیم عسکری تنظیم" ہونے اور بیسیوں طاقت ور، تنومند، جانثار رضا کاروں کے اُن سے "جلتی پر آگ" کا کام لے کر سستی شہرت حاصل نہیں کی البتہ حسب ضرورت اپنا ذاتی لازمی کردار ضرور ادا کیا۔اسی طرز عمل کی وجہ سے مذکورہ مسجد کے تنازعہ کے قانونی حل کے بعد الحمدللہ کوئی قابل ذکر کشیدگی نہ رہی اور حضرت مولانا کی ذات دونوں مسالک کے لئے قابل عزت واحترام اور قابل اعتماد رہی۔حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کے حالات میں ان کے طریقہ کار اور منصوبوں کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے۔

بیسیوں صدی کے نصف اول کے اختتام سے پہلے مولانا صاحب موصوف نے 1949ء میں مرکزی جامع مسجد ٹیکسلا میں پہلے قرآن مجید کی با تجوید ناظرہ تعلیم کیلئے بھوئی گاڑ گئے علمی خاندان کے ایک حافظ وقاری جناب استاد قاری عبدالرحمٰن صاحب کی تقرری کی اور مذہبی تعلیم کا آغاز کر دیا اسلئے کہ اُس وقت محدود ے چند افراد ہی صحیح قرآن مجید پڑھ سکتے تھے حتٰی کہ آئمہ کرام بھی مجہول تلاوت ہی کرتے تھے۔

آزادی کے بعد یا بیسویں صدی کے نصف آخر میں طاقت و دولت کے مراکز کی منتقلی

جیسا کہ گذر چکا ہے کہ انگریز حکمرانوں کا طرز حکومت دو واضح طبقات پیدا کر چکا تھا۔ بالا دست طبقہ اور زیر دست طبقہ۔ٹیکسلا کے قدیم آباد" گجر"اور"سادات"خدانداںوں کے سربراہ ہی اس دور میں ہر لحاظ سے بالا دست تھے۔انیسویں صدی کی پہلی چوتھائی سے کشمیر کے مہاجر یہاں آکر آباد ہونا شروع ہوئے اور تقریباً سو سال بعد اس قوم کے سربراہوں نے دولت، قوت اور سیاست کے مراکز کو اپنے ہاں منتقل کرنا شروع کر دیا۔اس "انقلاب" کا سہرا جن شخصیات کے سر ہے ان کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:۔

ٹھیکیدار حاجی شیخ رحمت دین صاحب:۔

آپ حیات محمد ٹھیکیدار کے گھر غالباً 82-1881ء میں پیدا ہوئے۔باوجود مالی تنگی کے عصری علوم میٹرک تک حاصل کئے اور کچھ مذہبی تعلیم بھی۔اس کے بعد پشاور میں بیک وقت پولیس، محکمہ میوزیم اور محکمہ ڈاک میں ملازم ہوئے۔لیکن طبعا آزاد منش تھے اور انگریز افسروں کو "سلیوٹ" کرنا پسند نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے یہ نوکریاں چھوڑ دیں چونکہ صاف گو اور نڈر تھے اسلئے طبیعت بھی سخت تھی جس کی وجہ سے کافی مالی نقصان بھی اٹھایا۔مشہور ہے کہ انگریز حکمرانوں سے ٹکرا جاتے تھے بلکہ ایک دفعہ کسی افسر پر چاقو سے حملہ بھی کر دیا تھا۔

جوانی میں خان عبدالغفار خان صاحب اور ان کے بھائی ڈاکٹر خان صاحب سے بھی ملتے رہے خاکسار تحریک کے بانی علامہ مشرقی سے بھی ملاقات کی۔مجلس احرار اسلام اور جمعیت علمائے ہند سے بھی لگاؤ رہا۔اور آزادی کے جدوجہد کیلئے کانگرس کے رکن بھی رہے اور تاحیات اس موضوع پر اپنے نظریات کو تبدیل نہیں کیا۔آزادی کے بعد کئی دفعہ اس موضوع پر تقسیم کے حامیوں اور مولانا محمد داؤد صاحب سے کافی تلخ بحث وتمحیص بھی ہو جاتی۔

گجر برادری کے سرخیل ملک گوہر دین اگرچہ انگریز کے "انعام خور" تھے لیکن نظریاتی طور پر وہ بھی کانگرس کے حامی تھے اور عمر میں بڑے ہونے کی وجہ سے حاجی صاحب موصوف کے سیاسی استاد اور بہت قریبی دوست تھے۔ان دو دوستوں اور حاجی صاحب کے خاندان نے "مسجد محلّہ عنایت شاہی" کے تنازعہ میں وہاں کے زیر دست غریب سنی مسلمانوں کی کھل کر حمایت کی۔حاجی صاحب کے بھائی فضل دین صاحب عرف پھجا اور ان کے بیٹے شیخ کرم الٰہی صاحب کو ہتھکڑیاں بھی لگیں۔حاجی صاحب کے فرزندوں اور شیخ خورشید احمد صاحب وغیرہ نے اس موقع پر اپنی طاقت وقوت بھی دکھائی جس کی وجہ سے "زیر دست طبقہ" کیلئے روشنی کی ایک کرن ظاہر ہوئی اور غلامی کی زنجیریں کاٹ ڈالنے کا عزم پیدا ہوا۔ان میں مشکل میں سہارا ملنے کی امید بھی پیدا ہوگئی۔اس ذہنی تبدیلی نے آنے والے وقت میں سیاسی و بلدیاتی اقتدار کشمیری خاندان کو منتقل کر دیا۔

جناب حاجی رحمت دین صاحب نے "سادات برادری" کے چند سرخیل افراد سے ذاتی دوستی بھی رکھی بالخصوص حیدر شاہ بھٹے والے، بگا شاہ اور شاہ سوار صاحب سے۔حاجی رحمت دین صاحب نے باقی خدمات کے علاوہ اپنی ذاتی نگرانی میں محلّہ کی مسجد کی تراشیدہ پتھروں سے خوبصورت تعمیر، مرکزی عیدگاہ کیلئے اراضی کے حصول اور اس کی تعمیر کر کے اپنے لئے دائمی صدقہ جاریہ کا اہتمام بھی کیا۔

آپ کے بڑے فرزند شیخ رشید احمد صاحب نے ذاتی ٹرانسپورٹ کا کام سنبھالا۔اس وقت کے ٹرک جو وسیع المقاصد تھے اور باربرداری کے ساتھ موجودہ "سوزوکیوں" کی طرح بند ہونے والی سیٹیں لگا کر سواریاں بھی بٹھاتے تھے۔پہلے آپ نے وہ چلائے اور پھر باقاعدہ بسیں بھی جو ایبٹ آباد تک چلتی تھیں۔آپ کے لائق بیٹوں شیخ طارق محمود اور شیخ جاوید محمود کا ذکر آگے آرہا ہے۔

حاجی صاحب نے دوسرے دو فرزندوں کو اچھی تعلیم دلوائی شیخ محمد جان صاحب جو 1918ء میں پیدا ہوئے اور 1934ء میں راولپنڈی سے میٹرک کیا تو ان کو مولانا محبوب عالم صاحب کے مشورہ سے ریاست بہاولپور کے مشہور علمی مرکز میں بھیجا جہاں انہوں نے 1938ء تک بی اے تک تعلیم حاصل کی۔تعلیم کے بعد آپ "نیوی" میں ملازم ہوگئے لیکن

موسمی ماحول کی تبدیلی کی وجہ سے کچھ عرصہ بعد بیمار ہوگئے اور علاج کے لئے واپس آنا پڑا۔ کچھ مشہور ڈاکٹروں نے آپ کو لاعلاج قرار دے دیا لیکن راولپنڈی کے ایک حکیم صاحب نے ہر وقت نمک چوسنے اور دودھ جلیبی کھانے کا علاج تجویز کیا جس سے آپ صحت مند تو ہوگئے لیکن دائمی زکام لاحق ہوگیا۔ آپ کو صحت یاب ہونے میں تین چار سال لگ گئے، صحیح تندرست ہونے کے بعد نیوی میں واپس جا کر ڈیوٹی شروع کی۔ لیکن جب باقی ساتھیوں کے ہمراہ "پروموشن" مانگی تو طویل چھٹیوں کی وجہ سے نہ دی گئی جس پر احتجاجاً نوکری چھوڑ دی اور واپس آکر بھائیوں کے ساتھ ٹرانسپورٹ کا کام شروع کردیا۔ آپ نے راولپنڈی میں ہی رہائش اختیار کر لی مطالعہ کا شوق اور مذہبی ذوق بھی رکھتے تھے بہاولپور کے تعلیمی ادارہ سے تعلیم کے ساتھ تربیت بھی اچھی حاصل کی تھی اس لئے بہت سنجیدہ، سمجھدار، معاملہ فہم اور شریف ذمہ دار شخص بن گئے۔ دونوں بھائیوں سے مزاج بھی الگ تھا۔ ان کی وفات کے بعد سارے خاندان کی سربراہی بھی کی اور فیصلہ کن اتھارٹی کے طور پر متنازعہ امور اور سیاسی معاملات کا مثبت حل نکال لیا کرتے تھے۔

حاجی صاحب کے دوسرے فرزند و مشہور شخصیت بابو شیخ خورشید احمد صاحب جو یونین کونسل ① کے چیئرمین بھی رہے کے بارے میں تفصیل آگے آرہی ہے۔

الحاج شیخ کرم الٰہی صاحب:۔

آپ شیخ حاجی رحمت دین کے چچازاد بھائی تھے "پنڈی ہزارہ ٹرانسپورٹ" کے ضمن میں آپ کا اجمالی ذکر ہو چکا ہے۔ اگرچہ آپ بیسویں صدی کے نصف اول میں ہی فعال کردار ادا کر رہے تھے لیکن زیادہ کھل کر آپ کا کردار اور فعالیت نصف آخر کی ابتداء سے نمایاں ہوئی اسلئے آپ کا تفصیلی ذکر اب ہو رہا ہے۔

آپ 1908ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد پہلے اپنے والد صاحب کے ساتھ ٹھیکوں کے کام کرتے رہے 1930ء میں چونکہ آپ کو اپنے خاندانی کاروبار "ٹرانسپورٹ" کا تجربہ ہو چکا تھا اسلئے حضرو اور اٹک کے سرمایہ داروں کے ساتھ ملکر بسوں کی ٹرانسپورٹ کمپنی بنائی جو اٹک اور چھچھ سے راولپنڈی تک چلتی تھی بعد میں پنڈی ہزارہ ٹرانسپورٹ بنا کر اس کے وائس چیئرمین بن گئے اس دوران اپنا ذاتی کاروبار بھی راولپنڈی میں شروع کیا آڑھت کا کام کرتے ہوئے آپ شہر کی سبزی منڈی کے تاجروں کی تنظیم کے عہدیدار بھی بنے (1947ء سے 1950ء تک)۔ اسی طرح 1933ء تا 1941ء پہلے راولپنڈی موٹر یونین کے صدر اور پھر آل انڈیا موٹر یونین کے نائب صدر بھی رہے۔ آپ تعلیم یافتہ اور بہت سمجھدار اور زیرک شخص تھے معاملہ فہمی اور منصوبہ بندی کمال درجے کی تھی تعلقات بنانے اور نبھانے کا خوب فن تھا بڑی سے بڑی شخصیت اور عہدیدار کو شیشے میں اتار لیتے۔ آپ نے 1950ء میں بذریعہ سڑک سعودی عرب کا سفر کرکے "حج ٹرانسپورٹ" کے روٹ کا سروے کیا اور حالات کا جائزہ لیا اس دوران ایران کے پہلوی خاندان کویت اور سعودیہ کے شاہی حکمرانوں سے ذاتی مراسم پیدا کئے۔ مقامی طور پر مذکورہ ٹرانسپورٹ کمپنیوں کے ذریعے ہزارہ، اٹک کے سرکردہ لوگوں سے تعلقات تو تھے ہی فیلڈ مارشل صدر محمد ایوب خان صاحب، قدرت اللہ شہاب صاحب، مولانا مودودی صاحب اور مولانا فرید احمد صاحب جو مشرقی پاکستان کے سیاسی و مذہبی رہنما تھے سے بھی شناسائی حاصل کر لی تھی آپ کے صاحبزادے شیخ صلاح الدین کے بقول یہ حج ٹرانسپورٹ 1953ء، 1954ء، 1956ء اور 1957ء اور پھر 1972ء میں حج کے سفر پر گئی۔ آخری سفر میں 18 دسمبر 1972ء کو قافلہ کوئٹہ سے روانہ ہوا جسمیں 7 بسیں، ایک ویگن، ایک موٹر کار اور ایک ایمبولینس تھی۔ ان بسوں میں سے ایک ملک بشیر احمد صدیقی اور ایک اقبال خان ایڈووکیٹ کی ذاتی ملکیت تھیں باقی کمپنی کی ملکیت۔ غالباً اس قافلے میں مرکزی مسجد اسلام آباد کے خطیب حضرت مولانا محمد عبداللہ شہید صاحب بھی شامل تھے جس کا وہ کبھی کبھار تذکرہ فرمایا کرتے تھے اور اسی نسبت سے راقم السطور کو "شیخ صلاح الدین" کہتے تھے۔ انہیں تعلقات کی وجہ سے شیخ صاحب موصوف نے ٹیکسلا میں پہلے "پٹرول پمپ" کے اجراء کی منظوری لی جو "برماشیل کمپنی" نے خود آکر تنصیب کیا۔ اس وقت پٹرول اور ڈیزل ہاتھ سے بھرا جاتا تھا۔

جناب شیخ کرم الٰہی صاحب 1962ء میں یونین کونسل ڈھیری شاہاں (علاقہ ٹیکسلا) کے پہلے منتخب چیئرمین بھی بنے تھے اور اپنی کوشش سے صرف ٹیکسلا شہر پر مشتمل "یونین کونسل ٹیکسلا" منظور کرائی۔ آپ بعد میں بھی بلدیاتی انتخابات میں دلچسپی لیتے رہے 1962ء کے قومی انتخابات میں صوبائی اسمبلی کا انتخاب بھی لڑا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ ہزارہ ٹرانسپورٹ کی انتظامی مصروفیت بھی رہی۔ 1981ء میں اس کی تحلیل اور جائیداد کی فروختگی کے بعد یہ مصروفیات ختم ہوگئیں۔ اس دوران دل کی تکلیف بھی ہوگئی تھی چنانچہ گھر میں ہی قیام پذیر ہوگئے۔ ذوق مطالعہ تو تھا ہی اس لئے وقت اچھا گذرتا رہا۔ بالآخر وقت اجل آنے پر 1988ء میں انتقال فرما گئے۔ آپ کے ورثاء میں دو بیویوں سے سات بیٹے ہیں جن میں سے تین وفات پا چکے ہیں اور چار بقید حیات ہیں آپ کے پوتوں میں سے شیخ ضیاء الدین انجمن تاجران اور تحریک انصاف میں فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔

شیخ محمد دین صاحب:۔

جناب حاجی شیخ رحمت دین صاحب کی سوتیلی والدہ سے دو بھائی شیخ محمد دین صاحب اور شیخ علاؤالدین صاحب تھے جو اپنے کاروبار کے علاوہ سماجی خدمات کے ساتھ ساتھ تعلیم کے فروغ اور نئی نسل کی مذہبی او اخلاقی تربیت کے لئے حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کے معاون اور قریبی ساتھی تھے شیخ محمد دین صاحب نے خصوصی طور پر اس سلسلے میں بہت مالی تعاون کیا حتٰی کہ فیصل شہید روڈ پر واقع موجودہ" گورنمنٹ تعلیم القرآن ہائی سکول ٹیکسلا" کے قیام کیلئے جو اس وقت مدرسہ تعلیم القرآن بنا تھا وسیع قیمتی زمین وقف کرکے حاجی ملک

محمد سلیمان صاحب مرحوم کے تعاون سے خوبصورت تعمیرات بھی خود کرائیں۔ یہ سکول ابتداء میں "انجمن تعلیم القرآن ٹیکسلا رجسٹرڈ" کے زیر انتظام تھا جس کے صدر شیخ محمد دین صاحب اور جنرل سیکرٹری صوفی خالد محمود صاحب تھے۔اس عمارت میں مدرسہ کی منتقلی کے بعد "نصاب، فیس اور انتظامی معاملات" کے سلسلہ میں اختلاف رائے ہو جانے پر بانی مدرسہ حضرت مولانا محمد داؤد صاحب 1966ء میں اہتمام سے الگ ہو گئے۔غالباً 76-1975ء میں بھٹو حکومت نے سکول کو قومی ملکیت میں لے لیا اور اب تک یہ سکول حکومت کے زیر اہتمام ہی چل رہا ہے۔

شیخ محمد دین صاحب بہت فیاض طبیعت کے مالک تھے۔غریب بیواؤں، یتیموں اور بے آسراء لوگوں کی کافی مالی امداد کرتے تھے۔آپ نے اپنی اولاد کی اچھی تربیت کی بڑے صاحبزادے شیخ اختر محمود "انجمن شبان اسلام ٹیکسلا" کے انتظامی سربراہ بھی رہے اور نواسے حاجی فیصل اقبال موجودہ دور کے مشہور غریب پرور ہیں اور رفاہی کاموں کے لئے بھی مشہور۔

بیسیوں صدی کے نصف آخر کے حالات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیر بحث عرصہ کے مذہبی، سیاسی، معاشرتی وسماجی حالات کے تفصیلی تذکرہ سے قبل ایک ایسے انقلابی اقدام کا ذکر کر دیا جائے جس کے مثبت اثرات آج 67 سال بعد بھی محسوس ہو رہے ہیں جو اس پر خلوص جدوجہد کی قبولیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور اسی کاوش کا ثمرہ ہیں۔

عصری ودینی تعلیم کے امتزاج کے حامل تعلیمی ادارہ کے قیام کا مقصد:۔

برصغیر میں مسلمانوں کے آباد ہونے پر اس وقت کے مسلمان زعماء وعلماء نے نوجوانوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کیلئے تعلیمی ادارے قائم کئے جن میں وقت کی ضرورت کے مطابق تعلیم دی جاتی۔دنیاوی ودینی تعلیم میں کوئی تفریق نہ تھی۔تمام مسلمان حکمرانوں نے ایسے اداروں کی مدد، سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی بلکہ بعض بادشاہوں نے خود بھی ایسے تعلیمی ادارے قائم کئے جن میں اعلیٰ معیار کی تعلیم دی جاتی۔

انگریز حکمرانوں نے اپنا تسلط قائم ہو جانے کے بعد بالعموم اور 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد بالخصوص ایسے تعلیمی اداروں کو ختم کر کے ایسا نظام تعلیم رائج کرنے کی کوششیں شروع کر دیں جو بقول "لارڈ میکالے" "ہندوستانی طلبہ کو بظاہر ہندوستانی رہنے دے گا لیکن تمدن ومعاشرت کے لحاظ سے وہ فرنگی عادات واطوار کے مالک بنا دیئے جائیں گے۔

سرکردہ علمائے کرام نے اس ماحول کو دیکھ کر "دینی علوم" کے مٹ جانے کے خدشے کو محسوس کرتے ہوئے مختلف مقامات پر قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کچھ فنی علوم پڑھانے کیلئے اپنے اپنے وسائل کے مطابق چھوٹے بڑے مدارس بنائے جن میں سے 30 مئی 1866ء کو شروع کیا جانے والا "دارالعلوم دیوبند" سب سے موثر ادارہ بنا اور چار دانگ عالم میں اپنی خصوصیات کی وجہ سے مقبول ومشہور ہوا۔

دوسری طرف صرف دنیاوی تعلیم کیلئے سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء نے علی گڑھ میں تعلیمی ادارہ قائم کیا وہ بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے عالمی شہرت کا حامل بنا۔اس کے علاوہ بھی بعض مشہور تعلیمی ادارے برصغیر کے مختلف شہروں میں قائم ہوئے۔

تحریک آزادی کے عظیم مجاہد اور برصغیر کی اقوام کے محسن حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ مذکورہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے شاگرد تھے جنہوں نے بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانا تویؒ سے ظاہراً درس نظامی کا نصاب پڑھا اور باطناً جذبہ حریت اور اس کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کی تربیت حاصل کی۔1873ء میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد 1920ء میں مالٹا کی قید سے رہائی تک حاصل کردہ جذبہ اور تربیت بروئے کار لاتے ہوئے کیا کچھ منصوبے بنائے، کتنی قربانیاں دیں اس کی تفصیل کے لئے آپ کی سوانح کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

زیر نظر بحث سے متعلق آپ کا رہائی کے بعد برصغیر واپسی پر ادا کیا جانے والا کردار ہمارے پیش نظر ہے۔جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ "دارالعلوم دیوبند" اور "مسلم یونیورسٹی علی گڑھ" دینی ودنیاوی علوم کے دو متوازی بڑے ادارے تھے اور نظریاتی بُعد بھی تھا۔پالیسی بھی متضاد تھی لیکن دونوں اداروں کے فضلاء آزادی کے مطالبہ پر متفق الخیال تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی واپسی کے بعد اکتوبر 1920ء کو خود علی گڑھ جا کر حالانکہ آپ پیرانہ سالی، علالت ونقاہت کی وجہ سے سفر کے بالکل قابل نہ تھے دونوں تاریخی اداروں کا رشتہ آپس میں جوڑا۔

اپنے علی گڑھ کے اس دورہ میں خطبہ کے دوران آپ نے فرمایا کہ ہمارے اکابر سلف نے کسی اجنبی زبان کے سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم وفنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ہاں یہ بے شک کہا کہ انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہ ہوتا ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگے جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مزاح اڑائیں یا حکومت کی وقت کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم سے ایک مسلمان کا جاہل رہنا ہی اچھا ہے۔ہماری عظیم الشان قومیت کا یہ فیصلہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے کالجوں

سے بہت سستے داموں کے غلام نہ پیدا کریں بلکہ بغداد اور قرطبہ یونیورسٹیوں جیسے عالم وسکالر بنائیں جنہوں نے یورپ کو اپنا شاگرد بنایا۔
اسی خطبہ میں آپ نے فرمایا اے نونہالان وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے درد کے غم خوار جس میں میری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں مدرسوں، خانقاہوں میں کم اور سکولوں کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا۔
اس موقع پر شیخ الہندؒ نے ایک آزاد یونیورسٹی کے افتتاح کا اعلان کیا جو گورنمنٹ کی اعانت اور اس کے اثر سے بالکل آزاد ہو اور جس کا تمام تر نظام عمل اسلامی خصائل اور قومی ﷺسات پر مبنی ہو۔
یاد رہے کہ دوران تحریک آزادی و تحریک خلافت وغیرہ علی گڑھ کے اکثر فضلاء بالخصوص مولانا محمد علی جوہر، محمد شوکت علی جوہر، حکیم محمد اجمل خان، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی وغیرہ آپ کے رفقائے کار رہے حضرت شیخ الہندؒ کے اس دینی و عصری تعلیم کے امتزاج کے حامل اداروں کے قیام کے منصوبے کی تکمیل کیلئے مولانا محمد علی جوہرؒ نے اسی سال 1920ء میں دہلی میں "جامعہ ملیہ اسلامیہ" قائم کیا اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے گجرات میں آزاد ہائی سکول کی بنیاد رکھی جس کا افتتاح تحریک حریت کے نامور رہنما اور مجاہد آزادی "مولانا ابوالکلام آزاد" نے کیا۔

مدرسہ تعلیم القرآن ٹیکسلا کا قیام:۔

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے مرکزی جامع ☺ٹیکسلا میں 1949ء کے سال قرآن مجید کی ناظرہ تعلیم تجوید کے قواعد کے ساتھ شروع کرادی جس میں طلباء کو ابتدائی ضروری مسائل و دینی معلومات بھی فراہم کرنا شروع کردیں۔ پہلی جماعت جناب مسعود الرحمٰن صاحب، نور الٰہی اعوان صاحب، عبدالخالق ہاشمی صاحب، ماسٹر صغیر احمد شاہ صاحب، میر شوکت محمود صاحب، غلام جیلانی صاحب، علامہ غلام مصطفیٰ زرگر، ملک اللہ دتہ صاحب (ملک بشیر) وغیرہ پر مشتمل تھی۔
ابتدائی طور پر تعلیم مسجد کے اندر ہوتی پھر مسجد کی مشرقی جانب وضوخانوں کے اوپر بنی جگہ پر واقع کمرے میں منتقل کی گئی اور اس دوران مسجد کے شمال میں ملحقہ ہندوؤں کی متروکہ عمارت مل جانے پر وہاں تعلیم کا سلسلہ شروع کردیا گیا۔ مقامی آبادی کے رجوع کو دیکھ کر 1952ء میں باقاعدہ سکول کی طرز پر کلاسوں کا آغاز کردیا گیا۔ مذکورہ طلباء کے علاوہ عطاء محمد صاحب، شیخ جاوید محمود صاحب، میر سلیم اختر صاحب، مطلوب اعوان صاحب، محمد یونس صاحب بھی دوسری کلاس کے طور پر شریک تعلیم ہوگئے۔
قاری عبدالرحمٰن صاحب مذکور کے علاوہ دو مزید اساتذہ استاد غلام ربانی صاحب اور استاد رحمت دین صاحب کا تقرر کردیا گیا۔ انتظامی طور پر حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کے ابتدائی رفقائے کار میں شیخ علاؤالدین صاحب، ملک عبداللہ صاحب، محبوب الٰہی اعوان صاحب، منشی غلام محمد صاحب، مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، استاد محمد دین صاحب، استاد روشن دین صاحب وغیرہ تھے۔ سکول کی تعلیم کا بندوبست ہوجانے پر شہریوں نے اپنے بچوں کو دوسرے سرکاری سکولوں سے اٹھوا کر اس مدرسہ میں داخل کرانا شروع کردیا۔ اور پہلے سال ہی چہارم تک کلاسیں شروع ہوگئیں۔
استاد رحمت دین صاحبؒ کی یادداشتوں کے متعلق 12 فروری 1953ء کو مرکزی جامع مسجد میں مدرسہ کے طلباء کا پہلا اجتماع منعقد کیا گیا جس میں مذکورہ معاونین نے شرکت فرمائی۔ طلباء نے ہی تلاوت، نظم، مدرسہ کے اغراض اور علم کی ضرورت کے موضوع پر مضامین پیش کئے۔ یہ اجتماع بہت کامیاب ثابت ہوا۔ مدرسہ کے نصاب تعلیم اور انداز تربیت کی تفصیلات آئندہ صفحات میں درج کی جائیں گی جن سے متاثر ہوکر ہندوستان کے بڑے بڑے علماء بالخصوص مہتمم دارالعلوم دیوبند جناب مولانا قاری محمد طیّب صاحبؒ بنفس نفیس تشریف لائے معلومات حاصل کیں اور بڑی خوشی کا اظہار کرکے حوصلہ افزائی فرمائی۔
مذکورہ پروگرام کے انعقاد کے چودہ دن بعد چھبیس فروری کو ملک بھر میں "تحفظ ختم نبوت" کے لیئے جاری پرامن تحریک کے مرکزی، صوبائی و ضلعی قائدین کی گرفتاری کے خلاف" احتجاجی تحریک" شروع کردی گئی اور "مدرسہ تعلیم القرآن" میں تعلیم کا سلسلہ جون کے مہینہ تک معطل ہوگیا اس لئے کہ جناب مہتمم مولانا محمد داؤد صاحبؒ، استاد رحمت دین صاحب اپنے ساتھیوں سمیت گرفتار ہوگئے تھے۔ اس تحریک کے اسباب اور مختصر حالات رقم کیئے جارہے ہیں تاکہ موجودہ نسل حقیقی صورتحال سے آگاہ ہوسکے اس لئے کہ "لبرل طبقہ" کے لوگ غلط بیانی کرکے اس تحریک کا منفی تاثر پیدا کرتے رہتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا مختصر تعارف:۔

مذکورہ تحریک چونکہ قادیانیوں کے خلاف چلائی گئی تھی جن کا سربراہ جھوٹا مدعی نبوت مرزا قادیانی تھا اس لئے موصوف کا تعارف اختصار سے درج کیا جاتا ہے۔ انگریز حکمرانوں نے 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر میں اپنی حکومت کے دائمی استحکام کیلئے تجاویز تیار کرنے کی غرض سے برطانوی سیاست دانوں اور پادریوں پر مشتمل دو وفد 1869ء میں یہاں بھیجے جنہوں نے مشترکہ رپورٹ یہ دی جسے "دی ارائیول آف برٹش امپائر ان انڈیا ("The Arrival of british Empire in India) کا نام دیا گیا۔

"ہم برصغیر کی تمام حکومتوں کو غدار تلاش کرنے کی حکمت عملی سے شکست دے چکے ہیں۔اب ایسے غدار کی ضرورت ہے جو ظلی اور مہدی ہونے کا دعویٰ کرے۔ایسے غدار کو تلاش کرنا اصل کام ہے۔ ہندوستانی مسلمان پیروں، فقیروں کے بہت معتقد ہیں اوران کا امام مہدی کے ظہور کا بھی عقیدہ ہے اگر ایسا آدمی مل جائے جو یہ اصل کام کرے تو اس کی حفاظت واعانت کر کے مسلمانوں میں سے حکومت برطانیہ کی وفادار جماعت پیدا کی جاسکتی ہے"۔(رپورٹ سرولیم اور پادری صاحبان)

چنانچہ انگریز حکومت نے اس رپورٹ کو منظور کرتے ہوئے ایسے کردار کی تلاش شروع کردی جو جدّی، پشتی نسلاً بعد نسلٍ غلامی کی خور کھنے والا ہو، مذہبی علم بھی رکھتا ہو اور پہلے سے کچھ شہرت بھی اس حوالے سے موجود ہو۔ادھر قدرت کو "غلام احمد قادیانی" کی بدبختی منظور تھی جس کے آباؤاجداد سکھ حکمرانوں کی غلامی کرتے کرتے برطانوی اقتدار آنے پر ان کے وفادار غلام بن گئے۔مرزا قادیانی تحفہ قیصریہ صفحہ 16 پر خود لکھتا ہے کہ

"میرے والد مرزا غلام مرتضٰی صاحب دربار گورنری میں کرسی نشین تھے اور سرکار انگریزی کے ایسے خیر خواہ اور دل کے بہادر تھے کہ مفسدہ 1857ء (یعنی جنگ آزادی) میں پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر پچاس جوانوں سمیت میدان جنگ پہنچا کر اپنی حیثیت سے زیادہ اس گورنمنٹ عالیہ (انگریز) کو مدد دی تھی"۔

مرزا قادیانی 40-1939 ءکے لگ بھگ پیدا ہوا اس کی تعلیم کے لئے گھر پر ہی اساتذہ مقرر کئے گئے جن میں مولوی فضل الٰہی، مولوی فضل احمد اور مولوی گل علی شاہ سے مرزا نے نحو و منطق کی کتب پڑھیں اور طب کی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں جو کہ ایک حاذق حکیم تھے۔حصول تعلیم کے بعد سیالکوٹ میں انگریز ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں "محرّر" بھرتی ہوا اور 1866ء سے 1868ء تک دو سال وہاں ملازم رہا۔اس دوران کچھ مذہبی معلومات ہونے کی وجہ سے پہلے "آریہ سماج" کے خلاف کتابیں لکھیں، ان سے کچھ مناظرے کئے پھر "عیسائی پادریوں" سے مناظرے شروع کئے اس عرصے میں اسے چند پڑھے لکھے زیرک قسم کے ساتھی بھی مل گئے جن میں "حکیم نورالدین" خاص طور پر قابل ذکر ہے ان مصروفیات کی وجہ سے مسلمانوں میں مرزا قادیانی کو شہرت و مقبولیت حاصل ہوگئی اور ادھر انگریز حکمرانوں کو اپنا گوہر مقصود مل گیا۔

برطانوی ہند کی سنٹرل انٹیلی جنس کی روایت کے مطابق ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے چار اشخاص کو انٹرویو کے لئے طلب کیا اور مرزا قادیانی کو اوپر دیئے گئے مقصد کے لئے منتخب کرلیا۔اسلئے کہ اس ازلی و خاندانی غلامانہ فطرت کے حامل انگریز حکومت کے ملازم کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرنا آسان تھا۔اس دوران ایک پادری "بٹلر" نے مرزا سے ملاقات کی، معاملات طے ہوئے مرزا نے نوکری سے استعفٰی دے دیا اور قادیان چلا گیا۔وہاں اسے گمنام منی آرڈر ملنے شروع ہو گئے جو دراصل اسے بٹلر خدمات کے عوض بھجواتا تھا۔

چنانچہ مرزا قادیانی نے پہلے اپنے معتقدین پر مشتمل ایک جماعت تشکیل دی اور 1880ء میں "ملہم من اللہ" ہونے کا اعلان کردیا، اس کے بعد مجدّد بنا اور سال کے آخر میں اعلان کردیا کہ خدا نے اسے "بیعت" لینے کا حکم کیا ہے۔اگلے سال "مسیح موعود" ہونے کا دعویٰ کردیا اور اپنے لئے "ظلّی نبی" ہونے کی اصطلاح ایجاد کی۔

نبوت کے دعوے کے بعد انگریز حکومت کے بتائے ہوئے ایجنڈے پر عمل شروع کرتے ہوئے پہلے ان کی حکومت کی وفاداری سے انحراف کو جہنم کی سزا کا استحقاق قرار دیا، جہاد کو منسوخ کردیا اور مجاہد مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی شروع کردی۔اس وقت کے ہر مسلک کے سرکردہ جید علماء نے ہر سطح پر اس کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو اس فتنے سے آگاہ کرتے ہوئے ان کے ایمان کے تحفظ کی مساعی کیں۔ چونکہ برسراقتدار حکمرانوں کو اس طبقہ کی ہمہ نو سرپرستی کرنی تھی اس لئے اس فتنے کا ایصال نہ ہوسکا مرزا قادیانی کی مئی 1908 میں عبرتناک موت کے بعد بھی یہ طبقہ فروغ پاتا رہا۔سرکاری عہدوں پر تقرری کے لئے ان کو ترجیح دی جاتی۔ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے ان کو ہر طرح کے وسائل فراہم کئے جاتے۔ برطانوی حکومت نے اپنے دوراقتدار میں ان لوگوں کو کلیدی آسامیوں پر تعینات کیا۔سر ظفراللہ قادیانی کو "واسرائے ہند" کی ایگزیکٹیو کونسل کا ممبر بنایا جس پر مسلمانوں نے احتجاج کیا لیکن شنوائی نہ ہوئی۔ برصغیر کی آزادی کے وقت دونوں ملکوں کی حدود کے تعین کیلئے "باؤنڈری کمشن" کے سامنے مرزائی وفد کو پیش ہونے کی اجازت دے کر اس میں پاکستان کے موقف کو کمزور کروا کر "ضلع گورداسپور" کو ہندوستان کے حوالے کر کے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مسئلہ کشمیر کو متنازعہ کروا دیا اس لئے کہ ہندوستانی فوجیں کسی اور راستے سے کشمیر نہیں جاسکتی تھیں سوائے گورداسپور کے راستے کے۔

پاکستان بننے کے بعد ظفراللہ قادیانی کا کردار:۔

پاکستان بننے پر "برطانوی حکومت" نے ملک کی اہم ترین وزارت یعنی خارجہ امور کیلئے ظفراللہ قادیانی کا تقرر کرایا جس نے ایسی پالیسیاں اختیار کیں جو 70 سال گزر جانے کے بعد بھی پاکستان کے لئے ناممکن الحل دردسر ہیں۔اس نے وزیر خارجہ کی بجائے قادیانی مبلغ کا کردار ادا کیا۔ اکثر سفارتخانوں میں قادیانوں کا تقرر کیا اور اپنے مذہب کے فروغ کیلئے ہر طرح کے اقدامات بے خوف وخطر انجام دیئے۔ اکثر عمائدین سلطنت حتّٰی کہ وزیراعظم بھی ان حرکتوں کو ملک کے لئے نقصان دہ محسوس کرتے لیکن سب "بے بس" تھے۔ بانی پاکستان محمد علی جناح کی وفات پر اس نے یہ کہہ کر جنازہ پڑھنے سے انکار کردیا کہ "مجھے مسلمان حکومت کا کافر وزیر خارجہ سمجھو یا کافر حکومت کا مسلمان وزیر خارجہ" اس نے چودہ سو ایکڑ سے زائد اراضی ٹکا مرلہ کے حساب سے قادیانیوں کو نوّے سال کی لیز پر دے دی۔ بے بہا متروکہ املاک بھی الاٹ کرائیں۔ بلوچستان صوبہ میں ان کو من مانیاں کرنے کا موقع دیا اور صورتحال یہاں تک پہنچ گئی کہ اس وقت کے خلیفہ مرزا بشیرالدین محمود نے کوئٹہ میں قادیانیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "1952ء کو ہاتھ سے نہ جانے دو کم از کم

ایک صوبہ بلوچستان پر ہماری حکومت قائم ہو جائے تا کہ ہم اسے احمدی صوبہ کہہ سکیں"۔

علمائے حق جو قادیانیوں کے خلاف متحرک رہے ان کے بارے میں ہرزہ سرائی کی کہ "خونی ملاؤں کے آخری دن ہیں۔ ہاں آخری وقت آن پہنچا ہے ان تمام مقتولین کے خون کا بدلہ لینے کا جن کو شروع سے لے کر آج تک یہ خونی ملاں قتل کراتے آئے ہیں ان سب کے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے۔۔۔ ملا بدایونی سے۔۔۔ ملا احتشام الحق سے۔۔۔ ملا محمد شفیع سے۔۔۔ ملا مودودی پانچویں سواروں سے" (الفضل 15 جولائی 1972ء)

اسی عزم کی تکمیل کے لئے قادیانیوں نے "فرقان بٹالین" کے نام سے فوجی قوت بھی منظم کی۔ ظفر اللہ خان مسلسل "ربوہ کانفرنسوں" میں شرکت کرتا۔ حکومت کے روکنے کے باوجود مئی 1952ء میں اس نے کراچی میں قادیانیوں کے جلسے میں اشعال انگیز تقریر کی جس سے مسلمانوں میں بہت اضطراب پیدا ہوا۔

"تحریک ختم نبوت" 1953ء کی ابتداء:۔

ان حالات کے پیش نظر تمام مکاتب فکر کے علماء جو اس سے پہلے "قرارداد مقاصد" کی منظوری اور اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے 22 نکات کی تدوین کے وقت بھی متحد ہو چکے تھے اب پھر جمع ہوئے اور 2 جون 1952ء کو اجلاس منعقد کیا۔ ملک کے چوٹی کے علماء ومفتیان نے غور وخوض کے مندرجہ ذیل مطالبات مرتب کئے۔

1) قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جائیں۔

2) چودھری ظفر اللہ خان وزیر خارجہ کے عہدے الگ کر دیئے جائیں۔

3) تمام کلیدی اسامیوں سے قادیانی ہٹائے جائیں۔

ان مطالبات کی منظوری مسلمانوں کے ایک بہت بڑے کھلے جلسہ عام میں لی گئی اور عمائدین پر مشتمل ایک باقاعدہ بورڈ بنا دیا گیا جس میں ہر مسلک کے سرکردہ علماء کو شامل کیا گیا اس کے علاوہ اس وقت متحرک مذہبی جماعتوں کے نمائندے بھی لئے گئے۔ 13 جون 1952ء کو لاہور میں پہلا کنونشن منعقد کیا گیا اور مذکورہ تین مطالبات منوانے کے لئے "مجلس عمل" تشکیل دی گئی جس کا صدر مولانا ابوالحسنات قادری صاحب کو بنایا گیا اس سال یہ تحریک پرامن طریقے سے چلتی رہی مختلف مقامات پر اجتماعات منعقد کر کے حکومت سے یہ مطالبات کئے جاتے رہے لیکن بے سود۔ اگلے قدم کے طور پر کراچی میں 16 جنوری 1953ء کو بعد نماز جمعہ "آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن" منعقد کیا گیا جس میں مشرقی پاکستان کے سرکردہ علماء کرام بھی شریک ہوئے۔ تین دن جاری رہنے والے اس کنونشن کے آخری اجلاس منعقدہ 18 جنوری میں حکومت کے رویہ سے مجبور ہو کر درج ذیل قرار دادیں منظور کی گئیں اور پندرہ نمائندوں پر مشتمل "جنرل کونسل" بنائی گئی جو ان مطالبات کو عملی صورت دے۔

1) حکومت کے طرز عمل کے سبب راست اقدام ناگزیر ہے۔

2) مرزائیوں کا کلی مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ)۔

3) خواجہ ناظم الدین (وزیراعظم) سے استعفٰی کا مطالبہ۔

وزیراعظم سے ملاقات:۔

اس حوالہ سے مولانا عبدالحامد بدایونی کی قیادت میں چار رکنی وفد نے خواجہ ناظم الدین وزیراعظم پاکستان سے 22 جنوری 1953ء کو ملاقات کی انہوں نے مطالبات سے ہمدری کا کا اظہار کیا لیکن یہ کہا کہ میں یہ مطالبات تسلیم کرنے سے قاصر ہوں۔

وزیراعظم کی 16 فروری کو لاہور آمد پر پھر پانچ رکنی وفد نے ان سے ملاقات کی تو انہوں نے کہا کہ میری راہ میں بعض مشکلات حائل ہیں یہ مطالبات تسلیم نہیں کئے جاسکتے۔

کراچی واپسی پر 21 فروری کو وہاں بھی اکابرین کا وفد دوبارہ ملا تو ان سے کہہ دیا گیا کہ نہ مطالبات مانے جاسکتے ہیں اور نہ ہی دستور ساز اسمبلی میں پیش ہو سکتے ہیں۔

راست اقدام کا فیصلہ:۔

اس صورتحال میں قائدین نے مجبوراً 26 فروری 1953ء کو مجلس عمل کا اجلاس کراچی میں منعقد کر کے راست اقدام کا فیصلہ کرتے ہوئے "رضا کارانہ گرفتاریاں" پیش کرنا شروع کر دیں اور رات کو آرام باغ کراچی میں جلسہ عام منعقد کیا جس میں اور قائدین کے علاوہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے بھی پرجوش خطاب فرمایا۔ رات دو بجے یہ جلسہ ختم ہوا اور چار بجے تمام قائدین کو گرفتار کر لیا گیا۔

ملک بھر میں تحریک کا پھیلاؤ اور قتل عام:۔

مذکورہ گرفتاریوں کے بعد اب تک جاری پرامن تحریک ملک بھر میں زور پکڑ گئی۔ رضا کارانہ گرفتاریاں دی جانے لگیں۔ جیلیں بھرنی شروع ہوگئیں۔ عوام بھڑک اٹھے اور ملک میں

افراتفری مچ گئی۔ بعض جگہ مرزائیوں کا قتل ہوا۔ لاہور میں مسجد وزیر خان کے باہر ایک ڈی ایس پی قتل ہوگیا۔ اس طرح حکومت کو بہانہ مل گیا جنرل اعظم کی قیادت میں مارشل لاء لگ گیا۔ جس کے ذریعے لاہور میں پروانگان ختم نبوت کو گولیوں سے شہید کیا جانے لگا جس سے تقریباً دس ہزار نوجوان اپنے محبوب آقا محمد رسول اللہ ﷺ کی ناموس پر شہید ہو کر "امر" ہوگئے۔ جن کے خون نے 1974ء میں ان باغیان خاتم النبین کو قومی اسمبلی سے "غیر مسلم اقلیت" قرار دلوا کر اپنی "مقبول قربانی" ہونے کا ثبوت دے دیا۔

تحریک کا خاتمہ اور تحقیقاتی کمیشن کا قیام:۔

گورنر پنجاب نے 19 جون 1953ء کو 2 ججوں جسٹس منیر اور جسٹس کیانی پر مشتمل تحقیقاتی کورٹ کا اعلان کیا جس نے "مجلس عمل" جو تمام مسالک کے اکابرین پر مشتمل تھی اور تحریک شروع کرنے والی تھی اس کو نظرانداز کر کے صرف "مجلس احرار اسلام" کو فریق قرار دے کر "احرار احمدی تنازعہ" کا عنوان قرار دے دیا۔ اس پر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے شہدا کی خون کی ذمہ داری لینے کا اعلان کر دیا اور فرمایا میں اس کا جواب دہ ہوں اور میرا ضمیر مطمئن ہے اسلئے کہ بعض "نام نہاد سزائے موت ملنے والی قائدین" نے کمیشن کے سامنے بیان دیئے کہ میں تو سڑک سے ہٹ کر کھیت میں چھپ گیا تھا مجھے وہاں ایک ٹرک نے لپیٹ میں لے لیا اس لئے میں ذمہ دار نہیں۔ نام لکھنا مناسب نہیں اسلئے کہ "تعصب" کا طعنہ دے دیا جائے گا ورنہ کمیشن کی رپورٹ میں اس قسم کے الفاظ موجود ہیں۔

ٹیکسلا میں تحریک سے قبل امیر شریعتؒ کی تشریف آوری:۔

پنجاب میں تحریک کے شروع ہونے سے چند دن قبل ہی حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نور اللہ مرقدہ نے فیصل شہید روڈ پر ختم نبوت کے عنوان سے ایک عظیم الشان جلسہ کا پروگرام طے کیا جس سے امیر شریعت اور مولانا محمد علی جالندھری اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے خطاب کرنا تھا۔ جلسہ کی وسیع پیمانہ پر تشہیر کی گئی۔ جلسہ کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے کہ جلسہ سے انعقاد سے تین چار دن قبل امیر شریعتؒ کی اطلاع موصول ہوئی کہ آپ ٹیکسلا کے جلسہ میں تشریف نہیں لاسکیں گے بلکہ تحریک کے سلسلہ میں کسی اور جگہ جانا ضروری ہے حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے فوراً ایک خط امیر شریعتؒ کو لاہور لکھ دیا۔ دیگر باتوں کے علاوہ آپ نے لکھا کہ میں نے جلسہ نہ تو لوگوں کو خوش کرنے کیلئے منعقد کیا ہے اور نہ ہی آپ کی خوشی مقصود ہے۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے رکھا گیا ہے۔ ہمارے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں آپ تشریف لائیں یا نہ لائیں پروگرام ضرور ہوگا۔ اتفاق سے یہ خط امیر شریعتؒ کو لاہور ہی میں مل گیا خط پڑھتے ہی آپ نے جلسہ میں شرکت کا فیصلہ کر لیا اور ٹیکسلا پہنچتے ہی امیر شریعتؒ نے حضرت کو یاد فرمایا۔ جب حضرت کی ملاقات شاہ صاحبؒ سے ہوئی تو آپ کا لکھا ہوا خط حضرت کے حوالے کیا اور فرمایا بھائی! اب تو میں آ گیا ہوں اب تو اللہ راضی ہوں گے نا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ امیر شریعتؒ کے اخلاص اور للّٰھیت کی ادنیٰ مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام اور واسطہ سے متاثر ہوگئے۔ سفر کی صعوبت اور تھکاوٹ کی وجہ سے امیر شریعتؒ نے دوسری نشست میں خطاب کرنے کے ارادہ اظہار فرمایا تو مولانا محمد علی جالندھریؒ نے ذرا سختی سے عرض کی کہ عوام کا جم غفیر صبح سے منتظر ہے ابھی بیان فرمائیں چنانچہ جلسہ میں حضرت امیر شریعتؒ اور مولانا غلام غوث ہزاریؒ کا ختم نبوت کے موضوع پر ولولہ انگیز خطاب ہوا۔ جلسہ کے شرکاء بتاتے ہیں کہ حضرت امیر شریعتؒ نے سکول کے ایک سٹوڈنٹ کو سٹیج پر بلوایا اور پوچھا بتاؤ کہ تمہارے استاد تمہیں غلطی پر مرغا بننے کی سزا دیتے ہیں یا نہیں اس نے جواب دیا کہ جی ہاں! ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا ہمیں مرغا بن کر دکھاؤ جب وہ مرغا بنا تو امیر شریعتؒ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جو شخص یوں مرغا بن کر استاد سے جوتے کھاتا ہو کیا وہ نبی ہوسکتا ہے؟ اس پر خوب نعرے لگے اور حاضرین میں جوش و خروش پیدا ہوگیا۔ اس جلسہ میں حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزارویؒ نے بھی تقریر فرمائی تھی۔ اس جلسہ کی وجہ سے عوام آنے والی تحریک میں پورے خلوص اور جذبہ سے شریک ہوئے۔ اس موقع پر مالی وسائل کی کمی کی وجہ سے پریشان ہونے پر حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے خوب دعائیں کیں اور بعد میں قریبی دوستوں کو بتایا کہ تمام اخراجات پورے ہو کر صرف چھ آنے بچے ہیں۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کی گرفتاری:۔

ٹیکسلا اور گردونواح کیلئے 1953ء کی تحریک کی قیادت آپ نے فرمائی تھی یہاں سے بھی گرفتاریاں دینے کا سلسلہ شروع ہوا۔ 3 مارچ کو عبدالرشید زرگر نے راولپنڈی جا کر پہلی گرفتاری دی۔ 4 مارچ کو بھوئی گاڑ سے ایک دس رضا کاروں کا جتھا راولپنڈی گیا۔ 8 مارچ کو ٹیکسلا شہر میں ہڑتال کی گئی اور مرکزی جامع مسجد میں ظہر کے بعد جلسہ عام ہوا جس میں حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے تفصیل سے تحریک کے مقاصد پر روشنی ڈالی اور راست اقدام کی ضرورت کو واضح کیا۔ مسلمان بھائیوں کو حضور ﷺ کی ختم نبوت کے عقیدہ کے تحفظ کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کی تلقین کی۔ جلسہ کے بعد جلوس نکالا گیا اور مولانا موصوف کی قیادت میں تیرہ رضا کاروں کا قافلہ تحریک کے سلسلہ میں ہونے والے جلسہ میں شرکت کرنے کیلئے حسن ابدال روانہ ہوگیا۔ وہاں بھی مولانا نے جلسہ سے خطاب کیا اور اگلے دن راولپنڈی گرفتاری دینے کے لئے روانہ ہوگئے۔ اس قافلہ میں مضافات کے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ٹیکسلا کے شیخ علاؤ الدین صاحب، استاد رحمت دین صاحب، مولوی خدا بخش صاحب، ملک خدا بخش صاحب اور حسین بخش وغیرہ بھی شامل تھے۔

راولپنڈی میں تحریک کا مرکز مرکزی جامع مسجد تھی۔اس وقت راولپنڈی میں تحریک کے ذمہ دار حضرت مولانا عبدالحنان ہزاروی صاحب تھے جو دارالعلوم دیو بند میں مولانا محمد داؤد صاحب کے ہم سبق رہے تھے۔اس سے ایک دن قبل راولپنڈی میں گولی چل چکی تھی اوراس دن بھی حکومت کے تیور درست نہیں تھے،فضاء میں خوف اور سراسیمگی کا غلبہ تھا۔اس کے باوجود گرفتاری دینے والے رضا کاروں کورخصت کرنے کیلئے ہزاروں افراد موجود تھے اورخوب جوش وخروش تھا۔گرفتار ہونے والوں میں راولپنڈی شہر کے تیس پینتیس آدمیوں کے علاوہ دیگر مقامات کے رضا کار بھی تھے اوراس طرح گرفتاری دینے والے نوے یا پچانوے رضا کار موجود تھے۔

مولانا محمد داؤد صاحبؒ کی مدح سرائی:۔

نماز ظہر کے بعد گرفتاری پیش کی جاتی تھی۔اس دن مجمع بہت زیادہ تھا۔حضرت مولان عبدالحنان صاحب نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگوں کومعلوم نہیں کہ آج تمہاری قیادت کون سے شخصیت کررہی ہے۔آپ نے بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر حضرت داؤد علیہ اسلام کے حالات سنے ہوں گے جن کواللہ تعالیٰ نے دیگر معجزات کے علاوہ ہاتھوں میں لوہا موم کی طرح نرم کرنے کا معجزہ بھی دیا ہوا تھا۔آج تمہارے قائد کا نام بھی محمد داؤد ہے،ان کی وجہ سے آج حکمرانوں کے دل موم ہوں گے اورکل کی طرح سختی نہیں کرسکیں گے اور انشاءاللہ ایسے مخلص اور باعمل علماء کی وجہ سے تحریک کامیاب ہوگی۔ٹیکسلا میں 13 مارچ کو بھی پھر مرکزی جامع مسجد میں احتجاجی جلسہ ہوااور دوسرے دن مزید رضا کار گرفتاری کیلئے راولپنڈی روانہ ہوئے۔

گرفتاری سے جیل تک:۔

گرفتاری دینے والے تین تین کی ٹکڑیوں میں نکلتے،لوگ ان کے گلے میں ہار ڈالتے ہر طرف سے نعرۂ تکبیر اور ختم نبوت زندہ باد کی صدا بلند ہوتی اور چھتوں پر موجود عورتیں بھی گل باشی کرتی تھیں۔گرفتاری کے لئے سب سے آگے مولانا محمد داؤد صاحب تھے آپ کے دائیں طرف شیخ علاؤالدین اور بائیں طرف ✍بخش تھے۔آپ کے پیچھے وقفہ سے تین تین کی لائن لگی ہوئی تھی راجہ بازار سے گذرے اورفوارہ چوک سے پہلے ہی سب کو گرفتار کرلیا گیا اور جیل بھجوادیا گیا۔راولپنڈی جیل کی بیرکیں بھر چکی تھیں،نئے حوالاتیوں کیلئے خیمے لگائے جاتے اوران میں رکھا جاتا تھا۔ایک خیمہ میں آٹھ حوالاتی ہوتے آپ کو بھی چند ساتھیوں سمیت ایک خیمہ میں پہنچا دیا گیا۔گرفتاری کے بعد چند دن تک ملاقات پر سخت پابندی تھی لیکن بیرونی اضطراب اوراندرونی دباؤ کی وجہ سے نرمی کردی گئی اور ملاقات کی اجازت ہوگئی۔

ایک ہفتہ بعد باری باری ہرایک کوجیل سپر نٹنڈنٹ کے دفتر بلوایا گیا اوروہاں معافی مانگنے پر آمادہ کرنے کے لئے لالچ،دھمکی اور مختلف حربے اختیار کئے گئے لیکن کوئی بھی معافی مانگ کر رہائی حاصل کرنے پرآمادہ نہ ہوا۔بلکہ کمزوری کی بجائے مزید جراءت اور حوصلہ پیدا ہوا۔آپ راولپنڈی جیل میں تقریباً ایک ماہ تک رہے۔مقدمہ کی کاروائی جیل کی حدود میں ہی کی گئی۔فیصلہ پر آپ کواور دیگر رفقاء کو دوماہ کی قید سنائی گئی۔

جیل میں بھوک ہڑتال کی استقامت:۔

راولپنڈی جیل میں ختم نبوت کے اسیروں کے ساتھ بہت زیادہ سختی کی جاتی اور ناروا سلوک کیا جاتا تھا۔اس کے علاوہ درج ذیل ایسے امور تھے جن سے ہر حوالاتی پریشان اور سراپا احتجاج بنا ہوا تھا۔

1)جیل میں چند حوالاتیوں پر بلاوجہ تشدد کیا گیا۔

2)کھانا انتہائی ناقص دیا جاتا۔

3)صفائی کا نظام بھی درست نہ تھا۔

4)نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔

اپنے مطالبات منوانے کیلئے حوالاتیوں نے بھوک ہڑتال کا پروگرام بنایا۔جیل انتظامیہ کو ہڑتال کے متعلق معلوم ہوا توانہوں نے حوالاتیوں کی کثیر تعداد کو پنجاب کی مختلف جیلوں میں بھیج دیا۔تاہم پچاس سے زائد حوالاتی رہ گئے تھے جن کا ہڑتال کا پروگرام پختہ تھا۔ہڑتال کے سلسلہ میں مشورہ کیلئے حوالاتی حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے ان کوبھوک ہڑتال سے روکا اور فرمایا کہ جوش میں اعلان کرنے کے بعد استقلال مشکل ہوجاتا ہے۔لیکن جب ان کا حد سے زیادہ اصرار ہوااور ہر طرح کی پختگی اور مستقل مزاجی کے وعدے کئے تو آپ نے بھی ہڑتال میں ان کا ساتھ دیا۔لیکن وہی ہوا جس خدشہ کا آپ اظہار کرچکے تھے۔دودن بعد سب ہڑتالیوں نے ایک ایک کرکے ہڑتال ختم کردی اورصرف آپ اکیلے رہ گئے۔آپ کواللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔مستقل مزاجی اور ابوالعزمی آپ کی خاص صفات تھیں۔آپ ہڑتال ختم کرنے پرآمادہ نہ ہوئے۔جیل قوانین کے مطابق 🕓ص گھنٹوں کی بھوک ہڑتال پر پورے صوبہ میں اطلاع ہوجاتی کہ فلاں جیل کے قیدی نے بھوک ہڑتال کررکھی ہے۔آپ نے یہ🕓ص مدت

مکمل کی تو اب آپ کو علیحدہ کمرہ میں بند کر دیا گیا جہاں آپ کی خصوصی نگہداشت ہوتی۔ پوری جیل میں آپ کی شہرت ہو چکی تھی۔ اس دوران ایک مشہور زمانہ قاتل بھی جیل میں قید کے دن کاٹ رہا تھا۔ اپنے وسائل پر اس نے آپ سے ملاقات کی اور وہ یہ سن کر بہت متاثر ہوا کہ آپ ختم نبوت کے تحفظ کی خاطر قید ہیں اور یہ صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں اس نے اپنے تجربات کی بنیاد پر آپ کو بھوک ہڑتال کے اثرات سے بچنے کیلئے ایک قیمتی گر اور قابل عمل نسخہ بتایا جس پر عمل کرنے سے آپ بھوک ہڑتال کے شدید اثرات سے محفوظ رہے۔ جب حکومت کی طرف سے مقرر کردہ بھوک ہڑتال کی مدت کی آخری حد بھی گذر گئی کہ جس کے بعد بھوک ہڑتال کرنے والے کی ہلاکت کا خطرہ ہوتا ہے تو جیل انتظامیہ نے فوراً تمام مطالبات تسلیم کر لئے اور آپ کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ وہاں ڈاکٹر آپ کی جرات اور استقلال پر حیرت زدہ رہ گئے جب آپ نے تمام احتیاطی تدابیر کے برخلاف خود دوائی پی اور بغیر کسی مدد کے خود ہی کھایا اور پیا تھا۔ اس کے بعد جیل میں آپ کا بہت زیادہ احترام کیا جاتا تھا۔

راولپنڈی جیل سے سیالکوٹ جیل تک اور رہائی:۔

راولپنڈی جیل میں مقدمہ کی کاروائی مکمل ہونے پر آپ کو دو ماہ کی قید با مشقت سنائی گئی اور اس کے ساتھ ہی آپ کو مع چند رفقاء کے سیالکوٹ جیل منتقل کر دیا گیا۔ سیالکوٹ جیل کا سپرنٹنڈنٹ فخر الدین نامی ایک بدقماش اور سخت گیر آدمی تھا۔ بکواس اور گالی اسکی نوک زبان ہوتی۔ کسی بڑے سے بڑے آدمی کی توہین کرنے سے نہ ہچکچاتا۔ لیکن اللہ کی شان! کہ وہ حضرت کا احترام کرتا اور آپ کے خلاف ہتک آمیز رویے سے پرہیز کیا۔ اس کے بجائے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ایک نرم خو اور اچھا آدمی تھا۔ وہ قیدیوں اور حوالاتیوں سے رعایت برتتا تھا۔

سیالکوٹ جیل میں بھی ابتدا میں حوالاتیوں کے ساتھ کچھ سختی کی گئی لیکن بیرونی دباؤ کی وجہ سے جلد ہی نرمی کر دی گئی۔

سیالکوٹ جیل میں مدت قید پوری کرنے سے چند دن قبل ٹیکسلا کے کچھ حضرات رہا ہو کر آگئے تھے اور آپ کی رہائی کا انتظار تھا۔ آخر پانچ دن بعد آپ بھی اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ رہا ہو گئے اور ٹیکسلا آنے پر آپ کا شاندار استقبال کیا گیا۔

مدرسہ میں تعطل کے بعد تدریس کا آغاز، انتظامات اور عزائم:۔

جناب مہتمم حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کے بعد 17 جون 1953ء کو مدرسہ میں تدریس کا سلسلہ از سرنو شروع کر دیا گیا۔ پہلے سے مقرر شدہ اساتذہ میں اضافہ کرتے ہوئے 26 جون کو استاد رحمت دین صاحب کو بھی تدریس کیلئے متعین کر دیا گیا۔ تقریباً سال بھر "عربی مدرّسین" کی تلاش جاری رہی اور غالباً حضرت مولانا محمد صدیق صاحب شہید کو جو جامع مسجد محلہ عنایت شاہی میں اسی دوران امام وخطیب مقرر ہوئے تھے بطور استاد مقرر کیا گیا اور درس نظامی کی کتب کی تدریس کے لئے حضرت مولانا نذر الرحمٰن صاحب (جو موجودہ دو میں عالمی تبلیغی مرکز رائیونڈ کے اکابر علماء میں شامل ہیں اور خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمد صاحبؒ خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے خلیفہ مجاز ہیں) کا تقرر کیا گیا جو اس وقت بھوئی گاڑ کے قدیم علمی مرکز میں دینی کتب پڑھا رہے تھے۔ اسی طرح 1959ء میں حضرت مولانا نذر الرحمٰن صاحب کے استعفٰی کے بعد حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب کو اس مقصد کے لئے بطور استاد متعین کیا گیا۔ ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم کیلئے راقم السطور کے والد گرامی استاد روشن دین صاحب مقرر ہوئے۔

عصری تعلیم کیلئے ہیڈ ماسٹر بہزاد صاحب، استاد بوستان صاحب، محمد یوسف صاحب، ماسٹر اورنگزیب صاحب وغیرہ جیسے مخلص ماہرین ومحنتی اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔

سکول کی طرز پر مدرسہ بنا کر مولانا محمد داؤد صاحب کا اصل منصوبہ حضرت شیخ الہندؒ کے جذبہ و پروگرام کے مطابق ایک ایسی یونیورسٹی کا قیام تھا جس میں کیڈٹ کالجز کی طرز پر بورڈنگ کا نظام بھی موجود ہو اور تمام طلباء کالج اور یونیورسٹی کی حدود کے اندر قیام پذیر ہوں اور یہ ادارہ شہری آبادی سے دور ہو۔ یہاں طلباء کو عصری ومذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی قرآن وسنت کے مطابق بسر کرنے کی تربیت دی جائے تاکہ وہ فارغ التحصیل ہو کر ایک مثالی کردار کے حامل ہوتے ہوئے ملک وملت کی خدمت کر سکیں اور اپنے اخلاق و اعمال میں دوسروں کیلئے نمونہ عمل ہوں۔

اس مقصد کیلئے آپ نے 10 جون 1955ء کو راجہ محمد اسلم صاحب ہیڈ ماسٹر بہزاد صاحب، منشی غلام محمد صاحب، استاد روشن دین صاحب اور اپنے صاحبزادے مسعود الرحمٰن صاحب کے ہمراہ موہڑہ مراد و نزد جولیاں کا دورہ کیا اور برلب سڑک مشرقی جانب ایک جگہ اپنے مجوزہ دار العلوم/یونیورسٹی کیلئے دیکھی۔ جس کا اگرچہ تکوینی طور پر انتظام نہ ہو سکا اس لئے کہ وہ علاقہ آثار قدیمہ پر مشتمل تھا وہیں پر زمانہ قدیم میں "بدھ یونیورسٹی" بنی تھی اور حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کے شیخ طریقت شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری دوران سفر ایک دفعہ وہاں سے گذرتے ہوئے اپنی سواری کی رفتار تیز کرنے کا حکم فرما کر یہ ارشاد کر چکے تھے کہ یہاں اب تک اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ عذاب کے آثار موجود ہیں۔ ظاہر ہے ایسی جگہ مولانا کے پاکیزہ منصوبہ کیلئے کیسے منتخب ہوتی۔ بعد میں اسی منصوبہ کی تکمیل کیلئے موجودہ فیصل شہید روڈ پر 13 کنال پر مشتمل رقبہ حاصل کیا گیا۔ جہاں اب "گورنمنٹ تعلیم القرآن ہائی سکول ٹیکسلا" مصروف عمل ہے۔ اگرچہ اس رقبہ پر بھی حسب پروگرام کام نہ ہو سکا لیکن مولانا کے عظیم ارادے اور بلند عزائم ان کوششوں سے عیاں ہیں۔

اسی لئے ملک کے عظیم دانشور اور کالم نگار شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی صاحب نے چند سال قبل ٹیکسلا میں "شیخ الہند سیمینار" سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ ادارہ تعلیم القرآن اگر "قومیانہ" نہ لیا جاتا اور اپنے پروگرام کے مطابق آگے بڑھتا رہتا تو پاکستان میں یہ پہلا "جامعۃ الرشید" ہوتا اور حضرت شیخ الہندؒ کی خوابوں کی اولین تعبیر بنتا۔

مدرسہ کے دینی نصاب کی تفصیلات، طریقہ کار، انداز تربیت وغیرہ تحریر کرنے سے قبل یہ بتانا ضروری ہے کہ مدرسہ میں تعلیم بالکل مفت تھی۔ مالی وسائل اصحاب خیر کے تعاون سے مہیا ہوتے بالخصوص شہر کی مخیّر شخصیت شیخ محمد دین صاحب ذاتی طور پر مالی تعاون کرے اور احباب کو بھی متوجہ کرتے۔ مذکورہ تیرہ کنال رقبہ بھی شیخ صاحب موصوف نے ہی وقف کیا اور تعمیر کی۔

دینی نصاب:۔

چونکہ سکول اس مقصد کیلئے قائم کیا گیا تھا طلبہ میں دینی رجحان پیدا ہو اور عقائد کی درستگی کے ساتھ انکی عملی اور اخلاقی تربیت بھی کی جائے۔ نیز علوم دینیہ بھی اس حدتک پڑھائے جائیں کہ دین کے تمام شعبوں سے واقفیت پیدا ہو جائے چنانچہ اس نصاب کو خود حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نور اللہ مرقدہ نے ترتیب دیا۔ جس میں درج ذیل مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائی جانے لگیں۔

1) ترجمۃ القرآن:۔

پرائمری تک ناظرہ قرآن پاک کی تعلیم دی جاتی اور پھر جماعت ششم سے قرآن پاک کا ترجمہ مع ضروری تفسیر شروع کر دیا جاتا۔ سکول میں صبح حمد کے بعد پہلا پیریڈ قرآن مجید کا ہوتا اور اس وقت بڑا روح پرور منظر ہوتا جب پورے سکول میں قرآن پاک کی تلاوت اور ترجمہ سے فضا گونج رہی ہوتی۔

2) حدیث شریف:۔

حدیث شریف کی کتاب "خلاصۃ المشکوٰۃ" مرتبہ حضرت اقدس مولانا احمد علی صاحب قدس اللہ سرّہ پڑھائی جاتی۔ احادیث کی تشریح اساتذہ آسان اور عام فہم انداز میں کرتے جس سے تمام طلبہ مستفید ہوتے۔ بعد میں منظور احمد⑧ نی مدظلہ کی معارف الحدیث جلد اول بھی شامل نصاب کر لی گئی۔

3) فقہ:۔

فقہ کی ابتدائی کتاب "نور الایضاح" پڑھائی جاتی اس کے ختم پر "قدوری" کی تدریس ہوتی۔ اردو میں مفتی کفایت اللہ کی تعلیم الاسلام داخل نصاب تھی۔ غسل، وضو اور نماز کے مسائل یاد کرائے جاتے۔ طلبہ آپس میں مسائل کا مذاکرہ کرتے۔

4) اصول فقہ:۔

اصول فقہ کی کتاب اصول الشاشی پڑھائی جاتی تھی۔

5) صرف ونحو:۔

صرف کی کتاب قانونچہ کھیوالی سے صرف کی گردانیں اور صرف کے قواعد وضوابط کاپیوں پر آسان انداز میں لکھائے جاتے اور پھر اس قدر مشق کرائی جاتی کہ طلبہ کو صرف کے مشکل ابواب کی بھی گردانیں ازبر ہو جاتیں۔ نحو کی کتابیں "مراح الارواح"، "ہدایت النحو" کافیہ اور شرح مأۃ عامل پڑھائی جاتیں۔ اس کے علاوہ اساتذہ اردو میں بھی نحو کے قوانین اور ضروری معلومات کاپیوں پر نوٹ کراتے اور صرف ونحو دونوں پر کافی مشق کرائی جاتی۔ صرف کے مشکل صیغے پوچھے جاتے اور نحو کے قوانین کا استعمال کرایا جاتا۔ صفوۃ المصادر بھی پڑھائی جاتی۔

6) منطق:۔

منطق کی دو کتابیں صغریٰ اور کبریٰ داخل نصاب تھیں۔

7) عربی ادب:۔

حکومت کے مروجہ عربی نصابی کتب کے ساتھ ساتھ "دروس الادب" پڑھائی جاتی اور طلبہ کو عربی بول چال کی مشق کرائی جاتی۔

8) فارسی:۔

فارسی میں پندنامہ اور کریما کے علاوہ شیخ سعدیؒ کی گلستان اور بوستان دونوں کتابیں پڑھائی جاتیں۔ گلستان کی حکایات اور بوستان کے اشعار کی تشریح سے طلبہ میں اخلاقی اقدار کو

اجاگر کیا جاتا اور ساتھ ساتھ فارسی ادب پر بھی بات چیت ہوتی۔ اس کے علاوہ جماعت ہشتم تک حکومت کا مروجہ فارسی کا نصاب بھی پڑھایا جاتا۔ ساتویں اور آٹھویں کے ہونہار طلبہ آسانی سے فارسی میں گفتگو کر سکتے تھے۔

درج بالا نصاب کو پڑھانے کے لئے جید علماء کی خدمات حاصل کی گئیں۔ مہتمم صاحب خود بھی کافی عرصہ یہ علوم پڑھاتے رہے تھے۔ علمائے کرام میں سے حضرت مولانا نذرالرحمٰن صاحب، مولانا محمد صدیق شہید اور مولانا خلیل الرحمٰن صاحب قابل ذکر اساتذہ ہیں۔ عربی ادب اور صرف ونحو کی ﷺ کیلئے ٹیکسلا ہی کے ایک قابل اور محنتی معلم استاد رحمت دین صاحب مقرر تھے جن کے پڑھانے کا اپنا مخصوص انداز تھا۔ خوب محنت اور توجہ سے پڑھاتے اور آموختہ یاد نہ ہونے یا پڑھائی میں کمزوری پر خوب باز پرس کرتے اور سزا دیتے۔ چونکہ انتہائی نیک اور متقی تھے اس لئے طلبہ پر ان کا قدرتی رعب بھی تھا۔ شہر کے کئی ممتاز افراد جو کبھی ان کے شاگرد رہ چکے ہیں اب بھی جب کبھی ان کا سامنا ہوتا تھا تو رعب وادب والی کیفیت ہوتی اور دل میں ان کا احترام بھی ہوتا۔

سکول کے متعلق حضرت مولانا احمد علیؒ کا مشورہ:۔

سکول قائم کرتے وقت اگرچہ اکثر اکابر سے مشورہ کیا گیا تھا اور ان کی رائے کے بعد ہی ادارہ کا قیام عمل میں لایا گیا تھا لیکن درمیان میں ایک مشکل پیش آ گئی کہ اساتذہ میں سے کچھ حضرات تبلیغی جماعت میں تبلیغی کاموں کے لئے کافی وقت فارغ کرتے تھے جو اگرچہ ایک دینی اصلاحی کام تھا لیکن ان کی طویل غیر حاضری کی وجہ سے طلبہ کا تعلیمی حرج ہوتا تھا۔ اس سلسلہ میں ان اساتذہ اور تبلیغی بزرگوں سے بات ہوئی تو انہوں نے اپنے کام کی افادیت کو ترجیح دی۔ حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے اپنے شیخ اور دور حاضر کے امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی صاحب نور اللہ مرقدہ سے رابطہ قائم کیا اور سکول کے قیام، اس کے مقاصد اور حالات کو تفصیل سے لکھا اور اس معاملہ میں آپ کی رائے معلوم کی۔ حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ دونوں کام اچھے اور دین سے متعلق ہیں لیکن تبلیغی خدمت سرانجام دینے والے بہت سے لوگ موجود ہیں اور کام بھی تسلّی بخش ہو رہا ہے لیکن سکول کی لائن میں تو کام کی زیادہ ضرورت ہے۔ وہ لوگ جو دین کی طرف متوجہ نہیں ہیں اپنی اولاد کو دنیاوی ﷺ کے لئے سکول بھیجتے ہیں تو ان کو کیوں نہ عصری ﷺ کے ساتھ ساتھ دینی ﷺ بھی دی جائے، تربیت ہو اور ایک بہت بڑے خلاء کو پر کیا جائے لہٰذا اس کام کو جاری رکھا جائے۔ اس کے بعد حضرت مولانا نے پہلے سے بھی زیادہ جانفشانی کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔

برصغیر کے جیّد علماء کا ادارہ سے متاثر ہونا:۔

مدرسہ ﷺ القرآن کو قائم ہوئے جب چار پانچ سال کا عرصہ گذر چکا تو اس کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی ہندوستان سے کئی علمائے کرام اس ادارہ کے نصاب ﷺ اور طرز تدریس کو دیکھنے کیلئے ٹیکسلا شہر میں آئے بالخصوص دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ بطور خاص صرف اس مقصد کیلئے مدرسہ میں تشریف لائے تفصیل سے نصاب کو دیکھا اور اسے انتہائی مفید قرار دیا مدرسین وطلبہ سے خطاب بھی فرمایا اور بعد میں ٹیکسلا کے مسلمانوں کو بھی اپنے مواعظ سے مستفیض فرمایا۔ شاید مہتمم صاحب موصوف نے تاثرات بھی قلم بند کئے ہوں جو راقم السطور کو دستیاب نہیں ہو سکے۔

آپ کے علاوہ پاکستان سے امیر شریعت، حضرت مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی اور مولانا غوث صاحب ہزاروی نے دلچسپی سے سارے منصوبے کو دیکھا اور سراہا راولپنڈی کے مشہور دینی ادارے مدرسہ ﷺ القرآن کے مہتمم شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب چونکہ حضرت مولانا محمد داؤد صاحب سے خصوصی تعلق رکھتے تھے انہوں نے اس ادارہ کے متعلق معلومات حاصل کیں تو بہت خوش ہوئے اور اسی طرز پر ایک ادارہ راولپنڈی میں قائم کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور مولانا موصوف سے ایک قابل مدرس بھی دینے کی درخواست کی جو سکول کے نظام کو اسی طرز پر چلا سکے چنانچہ حضرت نے اپنے ایک معتمد اور قابل مدرس مولانا غلام ربانی صاحب کو اس مقصد کے لئے انہیں دینے کا وعدہ کر لیا چنانچہ ان کو پنڈی میں صدر مدرس مقرر کر دیا گیا۔ اب وہ سکول بھی سرکاری تحویل میں لے لیا گیا ہے۔

سکول کے مالی معاملات:۔

سکول میں طلبہ سے کسی قسم کی فیس اور چندہ وغیرہ نہیں لیا جاتا تھا۔ تعلیم مفت اور عام تھی، کسی خاص طبقہ یا مکتبہ فکر کے لئے مخصوص نہ تھی۔ بعض نادار اور یتیم طلبہ کو درسی کتابیں بھی فراہم کی جاتیں اور بعض مواقع پر ان کو کپڑے بھی خرید کر دیئے جاتے۔ سکول کے مالی معاملات کے ذمہ دار مہتمم صاحب خود تھے۔ آمدنی کا مستقل ذریعہ کوئی نہ تھا۔ کسی کو خبر نہ تھی کہ رقم کہاں سے اور کدھر سے آتی ہے۔ سارا دارومدار توکل اور یقین پر تھا۔ سکول کے خادم استاد رحمت دین صاحب تھے اساتذہ کی تنخواہ اور دیگر ضروری اخراجات ان کے ہاتھوں ہوتے تھے۔ ریکارڈ میں اندراج بھی وہی کرتے تھے۔ ادارہ کے قیام کے بعد سات سال تک آپ ہی خزانچی رہے جب سکول کا ہائی درجہ مکمل ہوا تو پھر یہ ذمہ داری حاجی غلام محمد صاحب کے سپرد کی گئی جنہوں نے آخر تک اس کام کو نبھایا۔

چونکہ کی سکول کی انتظامیہ، اساتذہ اور تمام معاونین کا تعلق اخلاص پر مبنی تھا اس لئے مالی معاملات کے سلسلہ میں کئی حیرت انگیز واقعات بھی پیش آئے مثلاً:

1) ایک دفعہ رقم نہ ہونے کی وجہ سے طویل عرصہ اساتذہ کو تنخواہ نہ مل سکی۔ اساتذہ بھی اپنے تقویٰ اور اخلاص کی وجہ سے حرف شکایت زبان پر نہ لائے تو اللہ تعالیٰ نے اچانک کہیں سے رقم کا انتظام کر دیا اور تمام اساتذہ کو بقایاجات کی ادائیگی کے بعد دو ہزار کے قریب رقم بچ بھی گئی۔

2) ایک دفعہ چند اساتذہ کو تنخواہ کے ساتھ سالانہ ترقی دینے کا فیصلہ کیا گیا جن میں استاد رحمت دین صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں تو انہوں نے سالانہ ترقی لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ چونکہ ادارہ پہلے ہی مالی بحران کا شکار ہے اور ویسے بھی موجود تنخواہ پر ہماری گذر اوقات ہو رہی ہے اسلئے ادارہ پر مزید بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔

3) ایک اور موقع پر سکول کے اخراجات کے لئے کافی رقم کی ضرورت تھی جس میں اساتذہ کی کئی ماہ کی تنخواہ بھی شامل تھی۔ حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ اپنے ایک معصوم صاحبزادے کو ساتھ لے کر چاشت کے وقت مسجد تشریف لے گئے، خود بھی صلوۃ الحاجت پڑھی اور بچے سے بھی پڑھوائی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا تو بہت جلد اللہ کریم نے مالی مشکلات دور فرما دیں۔

4) انتظامیہ کمیٹی میں کئی افراد نے بہت دفعہ مہتمم صاحب سے یہ درخواست کی کہ طلبہ پر فیس عائد کی جائے اگر زیادہ نہ ہو تو اتنی مقدار ضرور ہو جائے جتنی ہر آدمی آسانی سے ادا کر سکے لیکن آپ ہر دفعہ شدت سے انکار فرما دیتے اور آخر تک مفت تعلیم کا سلسلہ ہی قائم رہا۔ سکول کی ابتداء سے کچھ عرصہ بعد گذشتہ صفحات میں مذکور شیخ محمد دین صاحب نے بھی انتظامیہ میں شامل ہو کر مالی امداد کا سلسلہ شروع کر دیا اور راولپنڈی کے کچھ متمول افراد کو بھی مالی تعاون پر آمادہ کر لیا تاہم زیادہ انحصار پھر بھی توکل بر خدا تھا۔

مدرسہ تعلیم القرآن کی چند امتیازی خصوصیات اور متفرق حالات:۔

مدرسہ کے حوالہ سے مہتمم صاحب نے ابتداء میں ایک تعارف شائع کیا جس کے صفحہ اول پر اغراض و مقاصد کے ذیل میں تحریر فرمایا۔

"غریب اور نادار بچوں کو مفت تعلیم دلانا، مروجہ تعلیم کے ساتھ ساتھ پوری پوری دینی تعلیم کا انتظام کرنا، دوران تعلیم ایسی تربیت کرنا اور ایسا ماحول بنانے کی کوشش کرنا کہ طلبہ فارغ ہو کر جہاں خدا اور رسول کے سچے فرمانبردار ہوں وہاں ملک و ملت کے بھی سچے خادم ثابت ہوں۔ ان مقاصد کے حصول کیلئے ملک کے مختلف حصوں میں ہائی سکولز کی حیثیت میں درسگاہیں قائم کرنا"۔

چونکہ حضرت مولانا موصوف بھی سکول کے روح رواں تھے ان کی للہیت اور اخلاص کی وجہ سے مدرسہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ ٹیکسلا اور مضافات کے تعلیمی اداروں میں مدرسہ نے منفرد مقام حاصل کر لیا مڈل سٹینڈرڈ کا امتحان تحصیل کی سطح پر نظامت تعلیمات کی طرف سے لیا جاتا تھا جس کے نتائج بہت ہی اچھے اور حوصلہ افزا ہوتے تھے۔ 1962ء میں تحصیل بھر میں راقم السطور پہلے نمبر پر اور برادرم محمد رفیق صاحب دوسرے نمبر پر رہے اسی طرح 1964ء میں بھی میٹرک کے امتحان میں ہم دونوں نے بہت ہی امتیازی پوزیشن سے کامیابی حاصل کی تھی۔ جو صرف اساتذہ کی محنت اور مہتمم صاحب کی دعاؤں اور خلوص کا نتیجہ تھا۔ اس وقت سکول میں زیر تعلیم طلباء کی تعداد چھ سو سے زیادہ تھی۔

☆ سکول میں دنیاوی تعلیم کے ساتھ معقول دینی تعلیم کا انتظام تھا۔ صبح حمد باری تعالیٰ کے بعد پہلا پیریڈ قرآن مجید کی تعلیم کا ہوتا تھا۔ ابتدائی کلاسوں میں ناظرہ اور بڑی کلاسوں میں ترجمہ پڑھایا جاتا تو ایک خوش کن اور روح پرور منظر ہوتا۔ صبح حمد کے وقت اور قرآن پاک کے پیریڈ میں ننگے سر ہونا جرم ہوتا۔ سر کو ڈھانپ کر رکھنا ضروری تھا۔

☆ حکومت کی طرف سے موسم گرما میں تین ماہ کی تعطیلات ہوتی لیکن اس ادارہ صرف ایک ماہ یا کچھ زائد چھٹیاں رمضان المبارک میں دی جاتیں تا کہ اساتذہ و طلباء اطمینان سے رمضان شریف گذار سکیں اور اعتکاف بیٹھنے والے طلباء اور اساتذہ کو بھی سہولت رہے۔

☆ طلباء کے بیٹھنے کا انتظام فرشی تھا گرمیوں میں دریاں بچھا دی جاتیں۔ اساتذہ اور طلباء دونوں دریوں یعنی ٹاٹوں پر بیٹھتے تھے۔ سردیوں میں ایک خاص قسم کی خشک گھاس جو مقامی بولی میں "بھبھڑ" کے نام سے مشہور تھی وہ بچھائی جاتی۔ آرام دہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ گرم بھی ہوتی تھی اور سردیوں کے اختتام تک اس کو اکٹھا کر کے جلا دیا جاتا تھا۔

☆ گرمیوں اور سردیوں میں سکول میں چھٹی ظہر کی نماز کے بعد ہوتی تھی اور یہ ایک گھنٹہ تفریح کا وقت ہوتا تھا ظہر کی نماز با جماعت سکول کے کمروں اور برآمدوں میں ادا کی جاتی۔ سردیوں میں کئی دفعہ دن چھوٹے ہونے کی وجہ سے ہائی کلاسوں کو عصر کی نماز پڑھوا کر بعد میں چھٹی دی جاتی۔

☆ چونکہ سکول میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کی اکثریت مقامی تھی اس لئے شہر کی مختلف مساجد کیلئے طلباء کی جماعت بندی کر دی جاتی اور ایک طالبعلم کو مانیٹر بنا دیا جاتا جو نمازوں میں طلباء کی حاضری لگاتا تھا۔ دوسرے دن نماز میں سستی کرنے والے طلباء سے باز پرس کی جاتی اور عادی مجرم کو سزا بھی دی جاتی۔

☆ طلباء کی اخلاقی تربیت پر بھی توجہ دی جاتی تھی۔ فیشن کرنا اور انگریزی بال بنوانا منع تھا۔ سکول سے باہر بھی ان کی غیر نصابی سرگرمیوں پر نظر رکھی جاتی تھی۔ غلط اور سوسائٹی اور صحبت اختیار کرنے پر تادیبی کاروائی کی جاتی اور اس رویہ کو والدین بھی بنظر استحسان دیکھتے اور حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

☆اس مدرسہ میں ہمیشہ ہفتہ وار تعطیل جمعتہ المبارک میں ہوتی تھی جب کہ سرکاری اداروں میں اتوار کو۔

☆موسم گرما میں جب خشک سالی ہوجاتی اور بارشیں رک جاتیں تو مولانا محمد داؤد صاحبؒ کی طرف سے نماز استسقاء ادا کرنے کا اعلان کیا جاتا جو شہر سے باہر عیدگاہ کے وسیع اور بلند قطعہ اراضی پر ادا کی جاتی تھی۔ شہر کے لوگوں کے علاوہ سکول کے طلباء کو بھی نماز کے لئے بھیجا جاتا تھا جو اساتذہ کی نگرانی میں خوب نظم وضبط کے ساتھ ایک سیدھی قطار میں روانہ ہوتے۔ عام طور پر قطار کا پہلا سرا عیدگاہ پر پہنچ جاتا جو تقریباً نصف کلومیٹر کے فاصلہ پر تھی اور آخری سرا ابھی سکول میں ہی ہوتا۔ طلبہ راستہ میں آہستہ آہستہ ذکر کرتے جاتے تھے یہ منظر بھی بہت متاثر کن اور روح پرور ہوتا تھا۔ تین دن تک متواتر سنت کے مطابق نماز استسقاء ادا کی جاتی تھی اور عموماً اللہ تعالیٰ کے فضل سے بارش شروع ہوجاتی۔

☆سکول میں مختلف مواقع پر اکابر علماء اور بزرگ تشریف لاتے رہتے تھے اور نظام کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور دعاؤں سے نوازتے کچھ علماء کا ذکر گزشتہ صفحوں میں ہو چکا ہے ہماری یاداشت میں غالباً جب ہم پرائمری میں تھے تو ملک کے مشہور دینی ادارے کٹھالہ شیخاں کے مہتمم حضرت مولانا سلطان محمودؒ جو فتح پور مسجد دہلی کے بھی شیخ الحدیث رہے تھے اور پاکستان کے کئی مشہور علماء کے استاد محترم تھے وہ بھی تشریف لائے تھے اور وعظ بھی فرمایا تھا۔ شیخ التفسیر امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہور نور اللہ مرقدہ اگرچہ تشریف تو نہ لا سکے لیکن ہمہ وقت اپنی دعاؤں سے نوازتے رہے۔

ہفتہ وار بزم ادب کا انعقاد:۔

مدرسہ کے نظام میں ہفتہ وار بزم ادب ہر جمعرات کو منعقد کی جاتی اس پروگرام کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی ہر دفعہ ایک خاص عنوان سے پروگرام منعقد کیا جاتا جس میں طلبہ اور اساتذہ کے ساتھ مہتمم ساتھ بھی شریک ہوتے تھے۔ اس پروگرام کے انچارج معلم بڑی کلاس کے طلبہ کو ہفتہ کی ابتداء ہی سے مختلف عنوانات پر مضامین تیار کرنے کا حکم دیتے۔ طلبہ ان مضامین کو خود تیار کرتے اور زبانی یاد کر کے پروگرام میں پیش کرتے۔ جمعرات کے دن آخری پیریڈ کم کر کے حصہ مڈل اور ہائی کے طلبہ کو سکول کی دوسری منزل کے کمروں اور برآمدوں میں اکٹھا کیا جاتا طلباء ہی میں سے پروگرام کا سیکرٹری ہوتا۔ تلاوت، حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول ﷺ کے بعد طلبہ اپنے اپنے مضامین پڑھتے تھے۔ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی تعلیم الاسلام چونکہ سوال وجواب کے انداز میں مرتب ہے اس میں سے بھی مختلف فقہی، عنوانات پر مضمون دیا جاتا تھا اور دو طلبہ سوال وجواب کی شکل میں وہ پیش کرتے آخر میں مہتمم صاحب کا ایمان افروز خطاب ہوتا۔ خطاب اتنا موثر اور دلچسپ ہوتا کہ اساتذہ اور طلباء ہمہ تن متوجہ ہو کر سنتے اور یہ سب کیلئے یکساں مفید ہوتا۔ زبان سادہ اور دلنشین ہوتی دنیا کی ناپائیداری اور بے ثباتی کو اجاگر کر کے فکر آخرت کی طرف متوجہ کیا جاتا جس سے ہر ایک میں عملی جذبہ کے آثار پیدا ہوتے۔ آپ کی شخصیت اور تعلیمات سے متاثر ہو کر سکول کے ایک طالبعلم نے معارف الحدیث کو حفظ کرنا شروع کیا مہتمم صاحب کو معلوم ہوا تو آپ نے بڑی قدر فرمائی اور حوصلہ افزائی کی۔ بعض دفعہ بزم ادب کے پروگرام کے لئے اساتذہ اور طلباء آپ کے انتظار میں ہوتے آپ تشریف لاتے تو کئی مواقع پر طلباء کے جوتے سیدھے کرتے اور فرماتے کہ شاید ان طلباء میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوجائے اور میرے لئے بھی ذریعہ آخرت بن جائے۔

سکول کے متعلق حضرت کے عزائم اور مستقبل کا پروگرام:۔

سکول کا قیام اس مقصد کے لئے کیا گیا تھا کہ طلبہ میں حصول علم کے ساتھ عمل کا جذبہ بھی پیدا ہو۔ ان کی اخلاقی تربیت اس طریقہ سے کی جائے کہ وہ معاشرہ میں ایک منفرد مقام کے حامل ہوں اور جب عملی زندگی کے مختلف شعبوں میں وہ قدم رکھیں تو ہر جگہ دینی اقدار کو اولیت دیں اور معاشرتی برائیوں کو اپنے عمل اور کردار سے دور کرنے کی کوشش کریں۔ اسی لئے آپ نے ہر طبقہ کے افراد کیلئے سکول میں داخلہ کو عام کیا تاکہ امیر اور غریب ہر طرح کے بچے تعلیم حاصل کر سکیں۔ ایسے اساتذہ کا تقرر کیا جو کہ دیندار اور متقی لوگ تھے جن کا اپنا عمل طلبہ کیلئے نمونہ بن سکتا۔ اس کے علاوہ آپ خود بھی ہونہار اور قابل طلبہ پر نظر رکھتے تاکہ وہ اپنے مقصد سے دور نہ ہوں اور ان پر کی ہوئی محنت ضائع نہ ہو۔

1962ء میں مڈل سٹینڈرڈ کا نتیجہ بہت اچھا رہا تھا، جماعت نہم کیلئے نصابی کتب جب طلبہ کو لکھوائی گئیں تو وہ سائنس مضامین کی تھیں۔ طلبہ نے وہ کتابیں خریدیں تو ان میں عربی کی کوئی کتاب نظر نہ آئی تو کم فہمی کی وجہ سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ سائنس مضامین پڑھا کر انہیں عربی اور دینیات سے دور کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ طلباء کے ایک وفد نے مہتمم صاحب اور استاد رحمت دین صاحب سے ملاقات کی اور اپنا اشکال پیش کیا۔ مہتمم صاحب نے انتہائی پیار اور شفقت سے طلباء کو سمجھایا کہ بیٹا! تم اصل حقیقت نہیں سمجھے، ہماری دینی تربیت اور عربی دینیات کی تعلیم کیلئے تو قابل اساتذہ بلکہ جیّد علماء موجود ہیں۔ حکومت کے مروجہ آرٹس مضامین پڑھ کر نہ تو تم میں عربی دینیات کی سوجھ بوجھ پیدا ہوگی اور نہ ان سے کچھ دینی فائدہ ہوگا۔ سائنس مضامین تو تمہیں ایک خاص مقصد کیلئے پڑھائے جا رہے ہیں تاکہ تم یہاں سے میٹرک کر کے کالج اور یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر و اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسی ادارہ میں بطور مدرس خدمت کرو تاکہ مستقبل کیلئے اپنے ہی تربیت یافتہ اساتذہ مل سکیں اور ہمارے مقاصد کی تکمیل میں آسانی ہو۔ آپ کے سمجھانے پر طلبہ مطمئن ہو گئے۔

سکول کے متعلق آپ کی اصل منزل یہ تھی کہ اس کا درجہ کالج تک بڑھایا جائے اور کیڈٹ کالج کی طرز پر اس میں بورڈنگ کا نظام موجود ہو، تمام طلبہ کی رہائش کالج کے اندر ہو ان کا کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا، رہن سہن اور عبادات شریعت مطہرہ اور سیّد دو عالم ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔ ان کی بہترین تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی اور اخلاقی تربیت کیلئے مخصوص ماحول فراہم کیا جائے جس میں تعلیم و تربیت کیلئے ایک ہمہ وقتی مربوط نظام قائم کیا جائے تا کہ دس بارہ سال ایک خالص دینی ماحول کے اندر رہ کر جب طالبعلم فارغ ہو تو ایک مثالی کردار کا حامل ہو کر ملک و ملت کی خدمت کرے اور ہر ایک کو اپنے اخلاق و کردار سے متاثر کر سکے۔

اس مقصد کیلئے فیصل شہید روڈ پر 13 کنال اراضی حاصل کر لی گئی تھی۔ عمارت کا سنگ بنیاد حافظ الحدیث والقرآن حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی صاحب کے دست مبارک سے رکھوایا گیا۔ غالباً 64-1963ء میں عمارت کی تعمیر شروع ہوگئی اور 1965ء تک مطلوبہ کمروں پر مشتمل ایک خوبصورت عمارت تعمیر ہوگئی لیکن افسوس کہ یہ عمارت مذکورہ مقاصد کیلئے استعمال نہ ہو سکی۔ دو جون 1965ء کلاسیں اس نئی عمارت میں منتقل ہوگئیں اس دوران شیخ محمد دین صاحب جنہوں نے زمین وقف کر کے یہ عمارت تعمیر کرائی تھی سکول کے بنیادی اصولوں کو تبدیل کرنے کیلئے مہتمم صاحب سے اصرار کرنے لگے تو حضرت نے ان کی تجویز کردہ باتوں کو قبول نہ کیا اور کچھ مہینوں بعد آپ نے رضا کارانہ طور پر مستعفی ہو کر علیحدگی اختیار کر لی یہ غالباً 20 مارچ 1966ء کے کمیٹی کے اجلاس میں فیصلہ کیا۔ یہ حضرت مولانا کی للّٰہیت، تقوی اور اخلاص تھا کہ اصولوں پر سمجھوتہ نہ کیا اور بارہ سال کی کی ہوئی محنت کا ثمر نئی انتظامیہ کے جھولی میں ڈال دیا اور خود قربانی دے دی۔

پرُخلوص جدوجہد کے ضائع نہ ہونے کی دلیل اور عملی ثبوت:۔

بظاہر یہ سلسلہ ختم ہو گیا لیکن رب العزت کے علم میں تھا کہ تقریباً دس سال بعد یہ ادارہ حکومت عمارت سمیت اپنی تحویل میں لے لے گی اور اصل مشن تب بھی ختم ہی جائے گا۔ جیسا کہ "رجال کار کی تیاری" کے عنوان نے اختصاراً ذکر کیا گیا ہے اللہ جل شانہٗ نے اپنے مقبول بندے کی سعی و کوشش باقی رکھنے کے لئے تقریباً چودہ پندرہ سال بعد اسی پرانی عمارت میں جو شہر میں واقع تھی "تعلیم الاسلام ہائی سکول" کے نام سے ادارہ شروع ہونے کا انتظام فرمادیا۔ اس ادارہ کی ابتداء انجمن شبان اسلام ٹیکسلا نے اپنے زیر انتظام 1977ء کے اواخر میں کی جس کے امیر جناب حافظ محمد رفیق صاحب اور ناظم اعلیٰ راقم السطور صلاح الدین فاروقی تھے جن کو 1964ء میں میٹرک کے بعد مہتمم صاحب نے بجائے پولی ٹیکنیک کالج کے داخل ہونے کے جوان دونوں کے معاشی حالات کیلئے ضروری تھا، گورنمنٹ کالج راولپنڈی میں داخل ہو کر ایف ایس سی / بی ایس سی وغیرہ کر کے واپس آ کر اپنے مادر علمی میں تدریس کا حکم فرمایا تھا۔ اس وقت بظاہر وہ مقصد پورا نہ ہو سکا۔ مدرسہ پہلے مقصد سے ہٹا پھر سکول بن کر نیشنلائز ہو گیا، ہم دونوں ہم جماعت نوکریوں میں مصروف ہو گئے لیکن حضرت مولانا کی پرخلوص خواہش "کرامت" کی شکل میں پوری ہوئی۔ غیب سے اسباب پیدا ہوئے، ہمارا سکول پہلے کرایہ کی پرانی سی جگہ میں شروع ہوا تو اس دوران اللہ تعالیٰ نے مدرسہ والی پہلی عمارت قابضین سے واگزار کرا دی اور اس عمارت میں ہی ہم دونوں مرکزی منتظم اور ٹیچر بن گئے اور تربیت کیلئے بھی کچھ دال دلیا ہوتا رہا" گندم اگر بہم نہ رسد بھس غنیمت است" اس سکول میں سو فیصد نہ سہی دس بیس فیصد وہی ماحول بن گیا اور طلبہ کی عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی و روحانی تربیت کا عملی انتظام ہو گیا۔ یہ ادارہ بھی تقریباً 25 سال ہی مصروف عمل رہا اور ہزاروں طلبہ و طالبات یہاں سے فیض یاب ہوئے اور معاشرے پر اس نے بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے۔

اگر صرف فروغ تعلیم کے مقصد کو مدنظر رکھا جائے تو اس ادارہ کے جڑواں سکول "اسلامیہ مڈل سکول" اور "اشاعت الاسلام پرائمری سکول" بھی کافی عرصہ چلتے رہے اور اب بھی انہیں سکولوں کے فیض یافتہ طلبہ "مشعل سکول سسٹم" اور "دانش پبلک سکول" کے نام سے فروغ تعلیم میں مصروف ہیں جن میں قرآن و حدیث کی کچھ نہ کچھ تعلیم بھی لازمی ہے جو یقیناً حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کی ہی صدقات جاریہ ہیں۔

"سکول میں علوم اسلامیہ پڑھانے والے چند اساتذہ کا تعارف"

کسی ادارہ کا انتظام خواہ کتنا ہی بہترین ہو اور منتظم کتنی ہی صلاحیتوں کا مالک ہو بہرحال طلبہ کو زیور تعلیم سے آراستہ اساتذہ کا ہی کام ہوتا ہے اور سکول کے مقاصد کو اجاگر کرنا اور انتظامیہ کے مشن کی تکمیل میں اساتذہ ہی کا کردار ہوتا ہے۔ اس لئے چند معروف اساتذہ کا تعارف کرایا جاتا ہے کہ اس کے بغیر یہ موضوع نامکمل رہے گا۔

1) قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ:۔

آپ ٹیکسلا سے پانچ چھ میل دور شمال میں واقع مشہور علمی قصبہ بھوئی گاڑ کے رہنے والے تھے، والد ماجد کا نام حبیب الرحمٰن تھا جو وہاں کے علمی خاندان سے متعلق تھے۔ قاری صاحب سکول کے اولین مدرس تھے جن کو 80 روپے مشاہرہ پر تدریس قرآن کیلئے مقرر کیا گیا جو اس وقت کے لحاظ سے ایک معقول معاوضہ تھا۔ تقریباً دو سال تک آپ واحد مدرس تھے اور سکول میں داخلہ، تدریس اور دیگر امور آپ کے ذمہ تھے آپ چونکہ علم تجوید بھی پڑھے ہوئے تھے اس لئے بڑے اچھے قاری تھے اور اللہ تعالیٰ حسن صوت کے ساتھ حسن صورت بھی عطا کیا ہوا تھا۔ ٹیکسلا شہر تبلیغی جلسوں میں آپ ہی کی تلاوت کلام سے تقاریر کا آغاز ہوتا تھا۔ آپ ٹیکسلا شہر کے وسط میں مسجد بابا جیون میں امامت کے فرائض سرانجام

دیتے تھے۔تقریباً بیس سال تک آپ نے امامت وتدریس کی۔حضرت مہتمم صاحب کے سکول انتظامیہ سے علیحدگی کے بعد آپ بھی مستعفی ہوگئے اور کچھ عرصہ بعد ٹیکسلا سے ایبٹ آباد چلے گئے اور 1989ء میں آپ نے انتقال فرمایا۔آپ کے تین بیٹے غیاث الدین،نصیرالدین اور مغیث الدین ہیں۔

2)استاد غلام ربانی صاحبؒ:۔

آپ کا اصل وطن حویلیاں کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں بانڈا باز دار آپ کے والد ماجد مولوی محمد یاسین صاحب غالباً 1880ء میں ٹیکسلا کے محلّہ مکراں میں امامت کیلئے تشریف لائے اور یہیں رہائش اختیار کر لی استاد غلام ربانی صاحب کی پیدائش 1900ء میں ٹیکسلا میں ہی ہوئی۔مڈل تک تعلیم حاصل کر کے کچھ دینی کتابیں پڑھنے کے بعد درس وتدریس کے شعبہ سے منسلک ہوگئے۔سکول کے قیام کے کچھ عرصہ بعد مہتمم صاحب کی ایماء پر سکول سے وابستہ ہوگئے اور اپنے سابقہ تجربہ کی وجہ سے یہاں کے ماہر اساتذہ میں ان کا شمار ہونے لگا۔کچھ عرصہ بعد شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب نے جب راولپنڈی میں ادارہ قائم کیا تو مہتمم صاحب سے کسی ماہر اور منتظم مدرس کی فرمائش کی تو انہوں نے آپ کی خدمات شیخ القرآن کے سپرد کر دیں۔وہاں پر آپ ان کے ادارہ کے صدر مدرس اور جملہ امور کے نگران مقرر کر دیئے گئے۔سات سال تک وہاں خدمت کی تو مہتمم صاحب نے دوبارہ آپ کو واپس بلوا لیا اور یہ بھی مہتمم صاحب کی علیحدگی تک تدریس کرتے رہے۔آپ ابتداء میں جماعت اسلامی کے ہم خیال تھے لیکن جب جماعت کے بانی مولانا مودودی صاحب کی کتاب "خلافت وملوکیت" شائع ہوئی تو پڑھ کر انکے سخت خلاف ہوگئے اور پھر حسب موقع مثبت طور پر ان عقائد کا رد فرماتے رہے آپ نے درویشانہ زندگی بسر کی۔حرص وہوس اور آلائش دنیا سے کوسوں دور تھے۔26 جون 1970 بروز جمعتہ المبارک انتقال فرمایا اور ٹیکسلا ہی میں تدفین ہوئی۔پسماندگان میں پانچ بیٹے مولانا عبدالماجد صاحب، عبدالخالق ہاشمی،عبدالرؤف عباسی صاحب،محمد زبیر اور عمر فاروق ہیں۔ان کے علاوہ دو بیٹے آپ کی حیات ہی میں وفات پا گئے تھے۔آپ کے ایک بیٹے اور دو پوتے اب بھی خدمت دین میں مصروف ہیں۔

3)استاد رحمت دین صاحبؒ:۔

آپ 1917ء میں ٹیکسلا ہی میں پیدا ہوئے والد ماجد کا نام عبداللہ تھا۔سکول کی ابتدائی تعلیم کے بعد دینی علوم کی طرف متوجہ ہوئے،فقہ کی کتابیں حکیم محبوب عالم صاحب اور ترجمۃ القرآن اور احادیث شریف مولانا حکیم محمد جان صاحبؒ سے پڑھی۔صرف ونحو کی کتابیں آپ کو حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے پڑھائیں گویا آپ نے ہر سہ برادران سے فیض حاصل کی اور ان کے علوم کے امین ہوئے۔آپ مدرسہ تعلیم القرآن کے ابتدائی مدرسین میں سے تھے،تقریباً گیارہ سال خزانچی بھی رہے۔آپ خود فرماتے تھے کہ میں نے فارسی کسی سے سبقاً نہیں پڑھی تھی جب مہتمم صاحب نے یہ مضمون میرے حوالے کیا تو ان کی رہنمائی سے اللہ کا نام لے کر پڑھانا شروع کر دیا۔اب یہ ان کی کرامت تھی کہ پڑھانے میں مجھے کوئی دقت پیش نہ آئی اور گلستان،بوستان جیسی کتابیں آسانی سے پڑھا دیں۔آپ متقی اور نیک شخص تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قدرتی رعب ودبدبے سے بھی نوازا تھا اور تمام طلبہ خواہ وہ بڑے بڑے امیر اور بااثر لوگوں کی اولاد تھے آپ سے بہت ڈرتے تھے۔آپ نے مہتمم صاحب کے شیخ طریقت امام الاولیاء حضرت لاہوریؒ سے 1960ء میں بیعت طریقت کی اور بعد میں ان کی جانشین امام الہدیٰ مولانا عبیداللہ انور صاحبؒ سے اسباق لیتے رہے۔

آپ نے چودہ سو ہجری میں حج کی سعادت حاصل کی اور بعد ایک عمرہ مہتمم صاحب کے ساتھ کیا آپ کی وفات ــــہ میں واہ کینٹ اپنی رہائش گاہ پر ہوئی اور تدفین ٹیکسلا کے قدیم ہنجیرہ قبرستان میں کی گئی جہاں آپ کے استاد اور محسن مولانا محمد داؤد صاحبؒ مدفون ہیں۔

4)استاد حضرت مولانا نذر الرحمٰن صاحب مدظلہ:۔

تبلیغی جماعت کے عالمی مرکز رائیونڈ میں پرانے بزرگوں میں حضرت مولانا کا شمار ہوتا ہے۔آپ ضلع راولپنڈی کے تھانہ چونترہ کے ایک گاؤں بلاول کے رہنے والے تھے آپ 1929ء میں پیدا ہوئے والد صاحب کا نام حافظ محی الدین تھا۔ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے پرائمری سکول سے حاصل کی اور پھر دینی تعلیم کیلئے پنڈی گھیب گئے جہاں فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑ ☆۔بقیہ تعلیم ضلع گجرات کے مشہور قصبہ "انہی" کی درگاہ میں مکمل کی اور دورہ حدیث کٹھالا شیخاں کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سلطان محمود صاحب سے کیا۔ دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے علاقہ میں ہی دینی خدمت میں مصروف ہوگئے،بعد میں بھوئی گاڑ کے علمی مرکز میں تدریس فرماتے رہے۔مہتمم صاحب نے آپ کو مدرسہ تعلیم القرآن میں درس نظامی کی کتابیں پڑھانے کیلئے درخواست کی جو آپ نے قبول کر لی غالباً 1954 میں آپ نے مدرسہ میں تدریس شروع کی۔چونکہ کا آپ کا طبعی رجحان تبلیغی جماعت کی طرف زیادہ تھا اور تدریس کے دوران وقت لگانے کیلئے چھٹیاں کرتے جس کی وجہ سے طلبہ کی تعلیم میں حرج واقع ہوتی۔اس وجہ سے آپ غالباً 59-1958 میں ایک سال تبلیغ میں لگانے کیلئے سکول سے مستعفی ہوگئے اور پھر 1972ء سے رائیونڈ مرکز میں مقیم ہوگئے۔آپ کے تین بیٹے ہیں جن میں سے بڑے مولانا عبدالرحمٰن صاحب عالم فاضل ہیں اور تدریس وتبلیغ کے کام میں تبلیغی مرکز راولپنڈی میں ہی مصروف عمل ہیں۔

استاد مولانا خلیل الرحمٰن صاحب:۔

آپ ضلع ایبٹ آباد کے موضع سج کوٹ کے رہنے والے ہیں والد ماجد کا نام میاں احمد تھا۔آپ 1920ء میں پیدا ہوئے ، پرائمری پاس کرنے کے بعد قریبی دینی مدرسہ میں اپنے استاد عبدالرحمٰن صاحب سے ابتدائی فارسی اور عربی کی کتابیں پڑھیں ۔اس کے بعد حویلیاں کے قریب ایک گاؤں باندی عطائی خان نے مولانا محمد حلیم صاحب سے گرائمر اور منطق کی کتابیں پڑھیں اور موقوف علیہ تک کتابیں ملہوالی کے استاد الکل مولانا نور محمد صاحب سے پڑھیں کچھ عرصہ انہی میں مولانا ولی اللہ سے بھی پڑھا۔آپ نے بھی دورہ حدیث کٹھالاں شیخاں میں مولانا سلطان محمود صاحبؒ سے کیا۔دورہ تفسیر میں مولانا غلام اللہ خان صاحب شرف تلمذ حاصل ہے۔

1951ء میں دینی علوم سے فراغت کے بعد "بھیں ضلع چکوال" میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے مدرسہ میں پڑھانا شروع کیا، ساتھ ہی امامت وخطابت کی ذمہ داری بھی پوری کی اور 1959ء تک وہاں رہے۔مئی 1959ء سے 1966ء تعلیم القرآن ہائی سکول میں تدریس کی خدمات انجام دیں اور ساٹھ سال کی عمر میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔

مذکورہ قابل قدر علمائے کرام کے علاوہ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب شہیدؒ اور استاد روشن دین صاحبؒ (ان دونوں اساتذہ کا تفصیل ذکر آگے آرہا ہے)،استاد مولوی بوستان صاحب، ہیڈ ماسٹر بہزاد صاحب، استاد محمد یوسف صاحب، ماسٹر اورنگزیب صاحب اور ماسٹر محمد اسلم صاحب وغیرہ اساتذہ میں بہت محنت اور خلوص کے ساتھ معمولی معاوضوں پر خدمات انجام دیں اور اپنے خون جگر پلا کر طلباء کو عام تعلیمی اداروں میں بہت اچھی تعلیم دی اور اسی وجہ سے طلباء امتحانات میں شاندار کامیابیاں حاصل کرتے رہے۔

مدرسہ تعلیم القرآن کے ابتدائی فضلاء:۔

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے باقاعدہ عصری تعلیم کی کلاسیں 17 جون 1953ء کو ختم نبوت کے حوالہ سے جاری احتجاجی تحریک ختم ہونے کے بعد شروع ہوئیں جو غالباً تیسری، چوتھی جماعت تک تھیں۔پہلی کلاس کا سرکاری بورڈ کے تحت میٹرک کا امتحان 27 فروری 1959ء کو شروع ہوا اور 5 مارچ کو پیپر ختم ہوئے، سائنس کا پریکٹیکل امتحان بعد میں ہوا اس پہلی کلاس میں قابل ذکر طلباء مولانا مسعود الرحمٰن صاحب، عبدالخالق عباسی صاحب، نور الٰہی اعوان صاحب، میر شوکت محمود صاحب، عطاء محمد صاحب اور ماسٹر صغیر حسین صاحب تھے۔اسی طرح اگلے سال یعنی 1960ء میں میر سلیم اختر صاحب، شیخ جاوید محمد صاحب، مطلوب بھٹی صاحب، علامہ غلام مصطفٰی صاحب اور استاد غلام جیلانی صاحب وغیرہ تھے۔ان میں سے تقریباً آٹھ دس طلبہ نے مختلف کالجوں میں اعلٰی تعلیم حاصل کی اور معاشرے میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔1965ء تک ہائی درجہ کی کلاسیں پرانی عمارت سے ہی میٹرک کا امتحان دیتیں رہیں۔راقم السطور اور حافظ محمد رفیق صاحب نے 1964ء میں امتیازی نمبروں سے سائنس مضامین میں میٹرک پاس کر کے گورنمنٹ ڈگری کالج اصغر مال راولپنڈی میں ایف ایس سی کلاسوں میں داخلہ لیا۔

مدرسہ کی نئی عمارت میں منتقلی اور نظام کی تبدیلی:۔

جیسا کہ گذر چکا ہے کہ اس عمارت میں منتقلی کے بعد انتظامی معاملات میں اختلاف رائے کی وجہ سے مہتمم صاحب الگ ہوگئے اور پھر مدرسہ کی بجائے اب سکول کا انتظام چلانے کیلئے 29 اپریل 1966ء کو "انجمن تعلیم القرآن ٹیکسلا" بنا کر باقاعدہ حکومت سے رجسٹریشن کرائی گئی جس کے صدر شیخ محمد دین صاحب، نائب صدر میر محمد شفیع صاحب، سیکرٹری شیخ صوفی خالد محمود صاحب، خازن نور الٰہی اعوان صاحب، پبلسٹی سیکرٹری میر سلیم اختر اور ممبران مجلس عاملہ حاجی ملک محمد سلیمان صاحب اور ملک محمود الحسن صاحب (راولپنڈی) تھے۔

بھٹو حکومت کے دور میں سکول کو نیشنلائز کر لینے تک یہ نظام چلتا رہا۔اس عمارت اور شہر میں موجود "دھرم شالہ" میں موجود پرائمری حصہ پر حکومت نے قبضہ کر لیا البتہ مرکزی مسجد سے ملحق اصل بنیادی عمارت کو انجمن کے سیکرٹری صاحب نے اپنی ملکیت قرار دے کر حکومت کی تحویل میں جانے سے بچا لیا جسے 80-1979ء میں مارشل لاء حکام کے ذریعے ایک خاص حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے ہم نے قابض موصوف سے قبضہ ختم کروا کر کے بھولی بسری "انجمن تعلیم القرآن ٹیکسلا" کو بحال کروا دیا اور ان کی تحویل میں دلوا دیا۔جنہوں نے وہاں "اسلامیہ سکول" کے نام سے تعلیمی ادارہ شروع کر دیا جو 1981ء میں انجمن شبان اسلام کے ساتھ کچھ شرائط کے تحت معاہدہ کے بعد "تعلیم الاسلام ہائی سکول" کے نام سے 2005ء تک مصروف عمل رہا جبکہ حکومت نے تحویل شدہ عمارتوں میں جو سکول بنائے ہیں وہ سرکاری سکولوں کے طور پر مصروف عمل ہیں۔

تصوف کے سلسلہ "قادریہ راشدیہ" کا آغاز:۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ خود تو امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے دہلی سے واپسی پر بیعت ہو کر پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے سلسلہ قادریہ میں داخل ہو چکے تھے۔اس دوران امام الاولیاء حضرت لاہوریؒ واہ کینٹ میں غالباً 57-1956ء میں وعظ ونصیحت کیلئے تشریف بھی لائے تھے، اس موقع پر اور بعد میں استاد رحمت دین صاحب کی خود نوشت کے مطابق 1960ء میں راولپنڈی میں مولانا موصوف نے قریبی ساتھیوں کو حضرت لاہوریؒ سے بیعت کرایا ان خوش نصیب افراد میں راقم السطور کے والد

ماجد بھی شامل تھے جو اپنے دو قریبی ساتھیوں اور پیر بھائیوں منشی غلام محمد صاحب اور حاجی محمد اقبال صاحب انصاری کے ہمراہ تا حیات اپنے روحانی مرکز شیراں والا لاہور سے وابستہ رہے اور بلا ناغہ حاضری بھی دیتے رہے۔

حضرت لاہوریؒ کے فروری 1962ء بعد میں وصال کے بعد جنوری 1963ء میں راقم السطور بھی اپنے بچپن کے محلّہ دار دوست قاری عبدالحمید صاحب جو اب امام الہدیٰ مولانا عبیداللہ انور صاحب جانشین شیخ التفسیر کے خلیفہ مجاز ہیں کے ہمراہ مسجد بابا قلندر لوسر شرفو نزد واہ کینٹ میں امام الہدیٰ سے بیعت کر کے سلسلہ میں داخل ہوا۔ اور الحمدللہ تا حال اسی سلسلہ " قادریہ راشدیہ " کے ایک " بے عمل سالک " کی حیثیت سے ہی سہی وابستگی جاری رکھے ہوئے ہے۔

ہفتہ وار سلسلہ کی مجلس ذکر:۔

اپنے شیخ ومرشد کے معمول کے مطابق حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے ہفتہ وار جہری طریقہ سے مجلس ذکر کا سلسلہ جاری کیا ہوا تھا۔ ہم نے جب شعور کی آنکھ کھولی تو یہ سلسلہ جاری تھا۔ ذکر میں کامل توجہ کیلئے مولانا موصوف شہر سے باہر قلیل آبادی والے " محلّہ پڑی " کی مسجد میں بعد مغرب یہ مجلس ذکر منعقد کراتے جس میں ہم چار، پانچ دوست بھی شرکت کرتے تھے حالانکہ وہ ہمارا بچپن کا دور تھا الحمدللہ وہ سلسلہ تا حال کسی نہ کسی شکل میں جاری وساری ہے بلکہ صرف ایک جگہ نہیں تین چار مقامات پر ہفتہ وار مجلس ذکر ہوتی ہے۔ طویل عرصہ ماہانہ پروگرام بھی ہوتے رہے اور اب بھی ہفتہ وار کے ساتھ ساتھ پندرہ روزہ بڑی مجلس ذکر بھی " جامع مسجد نفیس گلی لوہسریاں بالمقابل مغل مارکیٹ ٹیکسلا " میں جاری ہے جس میں خصوصی طور پر امام الہدیٰؒ کے خلیفہ مجاز حضرت قاری عبدالحمید صاحب راولپنڈی سے تشریف لا کر شرکت فرماتے ہیں۔

دینی وسیاسی جماعت جمعیت علمائے اسلام کی تشکیل:۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے اپنے شیخ طریقت حضرت لاہوریؒ کی امارت میں آل پاکستان " جمعیت علمائے اسلام " کے نام سے قائم شدہ دینی وسیاسی جماعت کی باضابطہ ٹیکسلا شاخ 25 اکتوبر 1966ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء تشکیل دے کر پہلا اجلاس مرکزی جامع مسجد ٹیکسلا میں منعقد کیا جو سال تشکیل سے لیکر آج تک مصروف عمل ہے۔ تفصیل اسی عنوان سے آگے آرہی ہے۔

انجمن شبان اسلام ٹیکسلا کا قیام:۔

مدرسہ تعلیم القرآن کے فیض یافتہ طلبہ نے 1964ء میں نوجوانوں پر مشتمل تبلیغی مقاصد کے لئے اس انجمن کا قیام عمل میں لایا۔ اس کی تفصیلات بعد میں درج کی جائیں گی۔

جماعت ربانی کا قیام:۔

جب صدر محمد ایوب خان کے دور میں جمعیت علمائے اسلام پر پابندی لگ گئی تو حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے مرکزی جامع مسجد ٹیکسلا میں 6 مئی 1966ء کو جماعت ربّانی کے نام سے ایک تنظیم بنائی جس کے اراکین مولانا محمد داؤد صاحب، مولانا محمد صدیق صاحب، مولانا کرم خان صاحب (ملھوڈھیری)، استاد مولانا علاؤالدین صاحب، استاد روشن دین صاحب، استاد رحمت دین صاحب، محمد ظہور صاحب، محمد تاج صاحب، محمد یونس صاحب (ڈھیاں)، صوفی محمد یونس صاحب (موہڑہ ملیاراں) وغیرہ تھے۔ اس جماعت کا صدر استاد علاؤالدین صاحب کو اور خازن صوفی محمد یونس صاحب کو بنایا گیا اور ہر جمعہ کو ہفتہ وار اجلاس مذکورہ مسجد میں ہی قرار پایا۔

ذہن سازی کے لئے کئے گئے اقدامات:۔

محسن ٹیکسلا حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے جیسا کہ گذر چکا ہے کہ شہر میں دینی، تعلیمی، اخلاقی، معاشرتی، سیاسی انقلاب کیلئے حسب الاستطاعت ہمہ نوع اقدامات کئے۔ 1982ء میں انصار المسلمین کے عسکری کام کے اختتام پر نئے لائحہ عمل کے مطابق سرگرمیاں شروع کردیں۔ اپنی مسجد کے علاوہ محلّہ عیدگاہ میں ہفتہ وار درس شروع کیا شریک نوجوان کے گروپ بنا کر شہر کی مساجد کی صفائی کا کام بھی کرواتے، مساجد میں قرآن مجید کی تعلیم وبنیادی مسائل سے آگاہی کیلئے بھی مختلف انداز میں کوشش کرتے جامع مسجد مین بازار میں خطبہ جمعہ شروع کرنے سے قبل موجودہ مسجد اہلحدیث میں بھی خطبہ دیتے رہے۔

تعلیم یافتہ اور مڈل ہائی کلاسوں کے باشعور طلباء اور نوجوانوں کو قریب کر کے ان کے عقائد کی تصحیح اور اخلاقی تربیت پر بھی پوری توجہ دیتے، آسان اور قابل فہم اسلامی لٹریچر بھی مطالعہ کیلئے فراہم کرتے۔ اپنے شیخ طریقت حضرت لاہوریؒ کا جاری کردہ ہفت روزہ مذہبی آرگن " خدام الدین " باقاعدگی سے منگوا کر تقسیم کیا جاتا جو سے شائع ہونا شروع ہوا اور اس کے بعد 1957ء سے اشاعت پذیر ہونے والا ہفت روزہ جماعت رسالہ " ترجمان اسلام " جو مذہبی تعلیمات کے علاوہ سیاسی معلومات اور جمعیت علمائے اسلام کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا وہ بھی مستقل طور پر جاری کرا کے جماعتی کارکنوں اور نوجوانوں کو فراہم کیا جاتا تا کہ معلومات کے ساتھ ساتھ اضافہ کے ساتھ مثبت اور مفید ذہن سازی بھی ہوتی رہے اسی طرح تنظیم اہلسنت پاکستان کی طرف سے شائع ہونے والا ہفت روزہ " دعوت " بھی پورے اہتمام سے منگوا کر متعلقین کو دیا جاتا تا کہ عقائد کی اصلاح ہو سکے۔ ان رسائل کے

علاوہ مختلف موضوعات پر اکابر کی تصنیفات بھی مطالعہ کیلئے دی جاتیں۔

گمراہ کن نظریات کا تعاقب:۔

گزشتہ صفحات میں تفصیل سے گزر چکا ہے کہ حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے اپنے شیخ طریقت و مرشد حضرت لاہوریؒ کی اتباع میں ان کے طریقہ کار کے مطابق ایسے گمراہ کن فتنوں کا تعاقب حسب ضرورت جاری رکھا اور ان کا زور ٹوٹنے کے بعد معمول کی مصروفیات میں لگ گئے بالخصوص سکول کے معاملات جو کہ عظیم ترین مقصد کی تکمیل میں مصروف تھا۔ سکول میں داخلہ کیلئے مسلک کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ شیعہ حضرات کی اولاد بھی کافی تعداد میں زیر تعلیم تھی۔ اسی طرح تدریسی سٹاف میں جماعت اسلامی کے نظریات کے حامل اساتذہ بھی تھے بلکہ کچھ روشن خیال بھی۔ اگر چہ ایسے اساتذہ پر کڑی نظر رکھی جاتی کہ وہ اپنے نظریات کو طلبہ میں نہ پھیلائیں لیکن تنگ نظری و تعصب نہیں برتا جاتا تھا۔

شہر کے ماحول میں بھی خاکسار تحریک کے اثرات اور شیعہ سنی مناقشت کمزور پڑ گئی تھی البتہ قریبی دفاعی ادارہ پی او ایف واہ کینٹ چونکہ ہر قسم کے خیالات و مسالک کے ملازمین پر مشتمل تھا، ان میں سے مختلف منظّم جماعتوں کے کارکن اپنے مخصوص نظریات کے فروغ اور پرچار کیلئے تمام ذرائع استعمال کرنے لگے تھے خصوصاً لٹریچر کی تقسیم، کتابوں، کتابچوں اور ہفتہ وار و ماہوار جرائد کی ذریعے۔ اسی طرح انفرادی ملاقاتوں اور مخصوص اجتماعات منعقد کر کے۔ مولانا مودودی صاحب کی جماعت اسلامی اس معاملے میں سب سے زیادہ متحرک تھی اور سیاسی طور پر صدر محمد ایوب خان صاحب کی مخالف تحریک میں بھرپور کردار ادا کرنے کی وجہ سے عوام نے مقبول ہونے لگی تھی۔ اسلامی ذہن رکھنے والا نوجوان طبقہ ان وجوہات کی بناء پر متاثر ہو کر جماعت کے پیغام اور نظریات کو گردونواح میں پھیلانے میں مصروف ہو گیا۔ بالخصوص مزکورہ ادارہ کے ملازمین میں۔ مذہبی لحاظ سے چونکہ مولانا موصوف کے عقائد و خیالات گمراہ کن تھے جن کی ایک جھلک آگے مزکور ہے تو مسلمان نوجوانوں کو گمراہی سے بچانے کیلئے مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے بھی قدم اٹھایا اور اپنے شیخ کے شائع کردہ کتابچہ "حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب" اور اسکے علاوہ اپنے استاد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی اس موضوع پر کتب منگوا کر متعلقین کو مطالعہ کیلئے فراہم کیں اور تبلیغی اجتماعات میں بھی مثبت انداز سے ان نظریات کا ابطال کیا۔ قارئین کو اس جماعت کی حقیقت اور قائد جماعت کے نظریات سے آگاہی کیلئے اجمالی طور پر چند سطور تحریر کی جاتیں ہیں۔

جماعت اسلامی اور بانی جماعت کے نظریات:۔

جماعت اسلامی چھبیس اگست 1941ء کو بنائی گئی جس کے مقاصد مسلمانوں کی صحیح دینی تربیت اور انہیں عقائد، ثقافت، تہذیب وغیرہ امور میں سچے مسلمان کا نمونہ بنانا تھا۔

پٹھانکوٹ کے ایک رئیس نے اپنی زمین کا کافی رقبہ "دارالاسلام" کے نام سے وقف کر دیا۔ مولانا مودودی صاحب 1942ء سے وہاں مقیم ہو گئے اور 1945ء میں وہاں کل ہند اجلاس بھی منعقد کیا۔ برصغیر کے کافی علماء مزکورہ مقاصد کیلئے اس اجتماع میں شریک ہوئے۔ تقسیم کے بعد مولانا موصوف لاہور منتقل ہو گئے اگر چہ مولانا مودودی صاحب مزکورہ اجلاس میں یہ اعلان کر چکے تھے کہ

"ہمارا ایمان ہے کہ اس دعوت اور طریقہ کار کے علاوہ دوسری تمام دعوتیں اور طریقہ ہائے کار سراسر باطل ہیں" (چراغ محمد صفحہ 612)

یہ ویسا ہی دعویٰ تھا جو اس سے پہلے علامہ مشرقی 1935ء میں کر چکے تھے لیکن شامل ہونے والے علماء "خوش فہمی" میں رہے لیکن جب 1951ء میں اپنے سابقہ اعلان کردہ مقاصد سے ہٹتے ہوئے جماعت نے الیکشن میں حصہ لیا اور عوام و علماء کی اکثریت نے ساتھ نہ دیا اس لئے کہ یہ مولانا کے ابتدائی موقف کی سراسر خلاف ورزی تھی تو مولانا مودودی صاحب نے تمام مسالک کے علماء و قائدین کے خلاف ایسی " گوہرافشانی" کی کہ سب کی آنکھیں کھل گئیں (حوالہ کے لئے کتاب جماعت اسلامی کا مقصد صفحہ 105,106) اور جو لوگ اور علماء اب تک "خوش فہم" تھے سب الگ ہو گئے۔ چنانچہ 1951 میں ہی علمائے ہند کے تمام مکاتب فکر کا متفقہ فیصلہ بنام "فتنہ مودودیت" شائع ہو گیا۔

اگر چہ اس سے پہلے ہی صاحب بصیرت مشائخ عظام اور علمائے کرام نے ابتداء میں ہی خطرے کی بو سونگھ لی تھی لیکن جب مولانا موصوف نے مزکورہ قلا بازی کھانے کیلئے علاوہ اپنے کتابوں میں درج ذیل خیالات و نظریات کو بیان فرمایا تو ان کی حقیقت اور کھل کے سامنے آ گئی۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:۔

1) رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے۔ (جماعت اسلامی کا دستور نمبر 6)

2) عصمت (گناہوں سے پاک ہونا) انبیاء کے لوازم ذات سے نہیں (تفہیمات حصہ دوم صفحہ 42)

3) حضرت یونسؑ سے فریضہ رسالت کی تبلیغ میں کوتاہیاں ہوئیں (تفہیم القرآن)

4) حضرت موسیٰؑ سے نبوت سے پہلے ایک بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا تھا کہ انہوں نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا (رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ 28)

5) جہاں مردوں اور بنی ٹھنی عورتوں کے ملنے جلنے کا موقع ملتا ہو ایسی جگہ زناء کی شرعی سزا جاری کرنا بلا شبہ ظلم ہو گا (تفہیمات حصہ دوم صفحہ 281)

6) حضور ﷺ کو اپنے زمانہ میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ کے عہد میں ظاہر ہو جائے یا آپ کے بعد کسی قریبی زمانہ میں ظاہر ہو لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضور کا اندیشہ صحیح نہیں تھا (ترجمان القرآن فروری 1946)

انہیں خیالات کی بنیاد پر شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے فرمایا تھا کہ "مودودی صاحب کی دستور نمبر 6 اور اس کا عقیدہ نہایت غلط اور مخالف قرآن و حدیث اور مخالف عقائد اہلسنت و الجماعت و اسلام کرام ہے، جس سے اسلام کو انتہائی ضرر اور نقصان پہنچ رہا ہے، لوگوں کو اس سے احتراز ضروری ہے"۔ (مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت) اور حضرت لاہوریؒ نے اپنی مزکورہ کتاب میں لکھا کہ "میں نے مودودی صاحب کی کتابوں میں دیکھا کہ وہ قرآن مجید اور سنت رسول کے بعض بنیادی اصولوں کی توہین کرتے ہیں" نیز "مودودی صاحب محمدی اسلام کا ایک ایک ستون گرا رہے ہیں"، "مودودی صاحب ایک نیا اسلام مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں"۔

یہ اقتباسات "نمونہ از خروارے" ہیں۔ تفصیل جاننے کیلئے مزکورہ کتب کے علاوہ بہت سے تصنیفات موجود ہیں جو دیکھی جا سکتی ہیں۔

جماعت اسلامی ٹیکسلا شہر:۔

جہاں تک راقم السطور کو یاد ہے ٹیکسلا شہر میں جن لوگوں میں سے تقریباً الحاج شیخ کرم الٰہی صاحب جو مطالعہ کا ذوق رکھتے تھے مولانا مودودی کی کتابوں سے متاثر ہوئے اس لئے وہ خود اور ان کے صاحبزادے شیخ خدا بخش صاحب مرحوم جماعت اسلامی کا پیغام پھیلانے میں مصروف ہوئے۔ ان کے علاوہ محدود ے چند افراد جماعت اسلامی سے متعلق ہوئے جن میں سے سید سجاد حسین صاحب، بشیر کاشمیری صاحب اور اصغیر حسین صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس عمل کا دورانیہ تقریباً 63-1962 سے شروع ہوا۔ اس دوران 68-1967 ء میں ایچ ایم سی ٹیکسلا بنائی گئی تو وہاں کے ملازمین میں سے جو جماعت سے متاثر یا رکن تھے وہ بھی ٹیکسلا میں متحرک ہو گئے جبکہ واہ کینٹ والے پہلے ہی سے مصروف عمل تھے۔ 1968 ء میں پیپلز پارٹی کے مزدوروں میں مقبول ہونے کے بعد ردعمل میں اسلام پسند لوگوں کو بھی فعال ہونا پڑا چنانچہ 1970 ء تک جماعت اسلامی علاقہ کی قابل ذکر "سیاسی و مذہبی جماعت" بن گئی اور اس سال کے قومی انتخابات میں امیدوار کھڑا کر کے زور دار پروپیگنڈے اور اجتماعات کا سہارا لیکر اپنا ایک مقام بنا لیا۔

جماعت اسلامی اور علاقائی جمعیت کی کشمکش:۔

مذہبی و سیاسی نکتہ ہائے نظر مختلف ہونے کی وجہ سے دونوں جماعتوں میں کشمکش ہونا فطری عمل تھا اس لئے کہ جماعت اسلامی سوشل ازم کو کفر قرار دیتی تھی اور جمعیت اس معاملے میں محتاط تھی۔ 1970 کی انتخابی مہم کے سلسلہ میں دونوں جماعتوں نے موجودہ فیصل شہید روڈ پر یکے بعد دیگرے مقابلے میں انتخابی جلسے منعقد کر کے اپنی اپنی عوامی قوت کا مظاہرہ کیا۔ علاقائی سطح پر دیہاتوں میں بھی کچھ ایسے مناظر پیش آئے لیکن چھوٹے موٹے واقعات کے علاوہ کوئی قابل ذکر ٹکراؤ نہیں ہوا البتہ کارکنوں کے درمیان ذہنی تناؤ میں اضافہ ضرور رہا۔

پاکستان پیپلز پارٹی ٹیکسلا:۔

پاک بھارت جنگ 1965 ء میں اس وقت کے وزیر خارجہ جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے اقوام متحدہ میں تقریر کرتے ہوئے بھارت سے ہزار سالہ جنگ کا نعرہ لگا کر عوام میں مقبولیت حاصل کر لی اور بعد میں "معاہدہ تاشقند" کی مخالفت اور راز ظاہر کرنے کا اعلان کرنے سے اس مقبولیت میں اضافہ ہو گیا۔ ایوب حکومت سے مستعفی ہو کر عوام کی بنیادی ضروریات "روٹی، کپڑا، مکان" کی فراہمی اور "مساوات" قائم کرنے کے منشور کا اعلان کرتے ہوئے 1968 ء میں بھٹو صاحب نے "پاکستان پیپلز پارٹی" کی بنیاد رکھ دی اور "اسلامی سوشلزم" کے نفاذ کو اپنا بنیادی مقصد قرار دے دیا۔

اس دور میں پڑھا لکھا روشن خیال طبقہ تو پہلے ہی اسلامی نظام کے مقابلے میں کمیونزم، سوشلزم کو بہتر نظام زندگی سمجھتا تھا اس لئے وہ لوگ اس نعرہ سے متاثر ہو کر پارٹی ممبر بن گئے اور مزدور، کسان، غریب، محنت کش، پسا ہوا طبقہ اپنی مظلومیت کا بدلہ لینے کے لئے اور خوشحال مستقبل کی امید میں پیپلز پارٹی کا پرجوش کارکن بن گیا۔ صنعتی اداروں کے مزدور اپنے کارخانوں کی ملکیت حاصل ہونے کے خیال سے بہت زیادہ پر امید ہو کر ہر قسم کی قربانی دینے پر تیار ہو گئے۔

یوں یہ پارٹی ملک کی مقبول ترین سیاسی جماعت بن گئی۔

پی او ایف، AC واہ اور ایچ ایم سی ٹیکسلا میں تو مزدور یونینوں کے رہنما "پارٹی لیڈر" بن گئے اور ٹیکسلا شہر میں ترقی پسند، روشن خیال، تعلیم یافتہ نوجوان بالخصوص وکلاء طبقہ پیپلز پارٹی میں شامل ہو گیا اور نسبتاً تیز طرار وکیل قیادت پر بھی فائز ہو گئے۔ جلسے جلوس بھی شروع ہو گئے۔ جناب بھٹو صاحب نے اگست 1969 ء میں واہ، ٹیکسلا کی جماعت کی دعوت پر ایک بہت بڑے عوامی جلسے سے خطاب بھی کیا۔ اس موقع پر آپ کے دائیں بائیں مشہور وکیل جناب اقبال صاحب اور جناب شیخ محمد انور صاحب کھڑے تھے جن میں سے موخر الذکر کو قومی انتخابات میں صوبائی اسمبلی کا ٹکٹ ملا اور وہ ایم پی اے بن گئے۔

مذکورہ قائدین کے علاوہ فعال کارکن میر محمد اسلم صاحب، مرزا عبدالروف صاحب، سید رضا حسین صاحب، ملک محمد صدیق صاحب، شیخ منظور صاحب، مستری حسین بخش صاحب،

بابو رفیق پراچہ صاحب، ناصر رشید صاحب، شیخ محمد اسلم صاحب تھے جبکہ علاقائی سربراہ اکبر دین چٹان واہ والے تھے اور تاجران کے علاوہ مزدور طبقے کے جوان اور صنعتی اداروں کے ملازم تھے وہ بھی اپنے اپنے محلوں میں پارٹی کو فروغ دے رہے تھے۔ چند کارکن اب تک "جیالے" کے طور پر مشہور ہیں ایک جیالا "اظہر سموسوں والا" وفات پا گیا ہے اور دوسرا "میر جان محمد" استقلال سے پارٹی میں موجود ہے۔

جمعیت علمائے اسلام ٹیکسلا اور پیپلز پارٹی ٹیکسلا:۔

انتخابی مقابلہ جو 1970ء میں ہوا دونوں جماعتوں کے مثبت رویہ کی وجہ سے ٹیکسلا کے ماحول پر منفی انداز سے زیادہ اثر انداز نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی بڑا ٹکراؤ ہوا۔ کیونکہ جماعت اسلامی بھی انتخاب میں حصہ لے رہی تھی اور ان کا ملکی سطح پر پیپلز پارٹی سے شدید ٹکراؤ تھا اس لئے ان دونوں جماعتوں میں کشیدگی نسبتاً زیادہ تھی۔ چونکہ "جمعیت" کی "انتخابی فعالیت" مستقبل میں ایک سیاسی قوت بننے میں بہت معاون ثابت ہوئی جو پیپلز پارٹی کے لئے نقصان دہ ہو سکتی تھی اور ہوئی۔ اسلئے پیپلز پارٹی کے ایم پی اے اور موقع پرستوں نے موقع ملنے پر جمعیت کے فعال کارکنوں کو نقصان پہنچانے کیلئے اپنا پورا زور لگایا بالخصوص راقم السطور کے خلاف فروری 1976ء کے ایک اتفاقی ٹکراؤ میں۔

اسی طرح 1977ء کی تحریک نظام مصطفیٰ کے دوران جب "ڈیفنس آف پاکستان رولز" مقدمات بنے تو ایک سابق پارٹی عہدیدار جو 1976ء میں انتقام کی خاطر جیل بھجوانے میں کامیاب "پاگل پن" کی حد تک ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہا لیکن "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کی عملاً گوشہ نشینی:۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے تقریباً 35 سال (1973-1938ء) بھرپور عملی زندگی گزاری (جس کی تفصیل گزر چکی ہے اور جمعیت کی کارکردگی آگے آ رہی ہے) اگست 1973ء میں جمعیت علمائے اسلام کے دو حصوں میں تقسیم ہو جانے کے بعد اور اپنے مشن کے تمام اہداف کیلئے کسی نہ کسی درجے میں "فعال" نوجوانوں کو مصروف دیکھ کر خود عملاً تمام سرگرمیوں سے الگ ہو گئے البتہ حسب ضرورت سرپرستی ضرور فرماتے رہے، مشوروں سے بھی نوازتے رہے بالخصوص پرخلوص دعاؤں سے ایسی مدد فرماتے رہے ہم جیسے انتہائی نکمے اور بے عمل نوجوان مقامی، علاقائی اور ملکی سطح کے "مشہور مذہبی کارکن" بن گئے اور صرف ان کی دعاؤں سے الحمد اللہ بہت کامیابیاں بھی حاصل کیں۔ آپ ہی کی وجہ سے اپنے مسلک کے قابل فخر بزرگ مرکزی قائدین ض خصوصاً حافظ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب درخواستیؒ، امام الہدیٰ حضرت مولانا عبیداللہ صاحب انور، مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی، مولانا مفتی محمود صاحب، مولانا قاری اجمل خان صاحب، مولانا سمیع الحق صاحب اور حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب نے بے مثال حوصلہ افزائی فرمائی۔

مذہبی سرگرمیوں اور دینی، سیاسی کام کی ذمہ داریوں کی منتقلی:۔

ٹیکسلا شہر میں 33-1932ء سے کسی حد تک منظم مذہبی کام کی ابتداء حضرت مولانا محبوب عالم صاحبؒ کی ٹیکسلا آمد اور سرپرستی سے ہوئی۔ حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کی ٹیکسلا تشریف آوری کے بعد جو غالباً 1938ء کے اواخر میں ہوئی اس سرپرستی اور قیادت کی ذمہ داری دھیرے دھیرے ان کو منتقل ہو گئی۔ مدرسہ تعلیم القرآن کی انتظامی ذمہ داری سے 1966 سے مستعفی ہو کر آپ نے اپنی ان ذمہ داریوں میں سے یہ ایک کام نئی انتظامیہ کے حوالے کر دیا۔ اس واقع سے 2 سال قبل آپ ہی کے شاگردوں نے مذہبی و تبلیغی کاموں کیلئے مئی 1964ء میں ایک تنظیم "انجمن شبان اسلام" کے نام سے بنالی تھی اور تبلیغی جلسوں کے علاوہ لائبریری وغیرہ اور دفتر بنا کر اپنی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔ اس طرح حضرت مولانا مرحوم کی یہ دوسری ذمہ داری بھی نوجوانوں نے لے لی۔ جب مذہبی و سیاسی جماعت "جمعیت علمائے اسلام ٹیکسلا" نے 1966ء میں تنظیم نو کے بعد کام شروع کیا تو اس میں بھی مذکورہ انجمن کے اراکین معاون بن گئے اور 1970ء کے قومی انتخابات میں بھرپور تحریک چلائی۔ غرضیکہ کہ اگر یہ مثال دی جائے کہ غلط نہ ہو گا کہ جس طرح ملکی سطح پر ایک منتخب حکومت کے اختتام اور نئی حکومت کے انتخاب کے درمیانی عرصہ میں "عبوری حکومت" قائم کی جاتی ہے اسی طرح انجمن شبان اسلام نے 1964ء سے 1973ء تک "عبوری قیادت" کا کردار ادا کیا جس کی کارکردگی سے حضرت مولانا محمد داؤد صاحب قدرے مطمئن ہوئے اور انجمن مذکور کے ہمہ نوع متحرک عہدیدار یعنی راقم السطور صلاح الدین کو 1973ء میں جمعیت علمائے اسلام پنجاب کے مجلس عاملہ کے صوبائی اجلاس منعقدہ ملتان میں "ذاتی نمائندہ" قرار دے کر بھجوایا جو اس سے پہلے 1970ء میں تشکیل کردہ 19 جماعتوں کے "متحدہ دینی محاذ پاکستان" کی مرکزی کونسل کا رکن رہ چکا تھا۔ اس طرح گویا آپ نے اپنی ساری جماعتی ذمہ داریاں اپنی تیار کردہ نوجوان نسل کو منتقل کر دیں۔

"انجمن شبان اسلام" نے بطور جماعت اور راقم السطور نے جماعتی عہدیدار ہونے کے علاوہ ذاتی طور پر کیا کردار ادا کیا، کس کس میدان میں کیا کیا نہیں کیا خواہ وہ مقامی ہو، علاقائی ہو، ملکی سطح کا ہو، مذہبی ہو، سیاسی ہو، سماجی ہو، تحریکی ہو، مزاحمتی ہو، روحانی ہو، فلاحی ہو، تحریری ہو، تدریسی ہو غرضیکہ ہمہ نوع مصروفیات جاری رکھیں اور جاری ہیں۔ یہ تفصیل ہر آنے والے عنوان میں جھلکے گی۔ انشاء اللہ۔ میں یہ اعتراف بغیر کسی جھجک کے کرنا چاہتا ہوں کہ یہ سب کچھ محض ان خدا کے مقبول بندوں کے فیض نظر کا نتیجہ ہے ورنہ "من آنم کہ من دانم"

مقامی مذہبی، سیاسی، اتحادی تنظیمات تفصیلی تذکرہ:۔

سب سے پہلے قائم ہونے والی مذہبی سیاسی جماعت جو 1962ء میں بنائی گئی یعنی جمعیت علمائے اسلام کا تذکرہ ہوگا، اس کے بعد 1964 والی "انجمن شبان اسلام" کا پھر 1977ء کے پاکستان قومی اتحاد کا، اسی طرح جنوری 1971ء میں قائم کردہ انجمن محبان رسول ﷺ ایچ ایم سی ٹیکسلا کا اور اس کے علاوہ 1972 کی مقامی تحریک ختم نبوت اور پھر 1974ء کی ملکی سطح کی تحریک ختم نبوت کا۔ اسی طرح وقتاً فوقتاً حسب ضرورت تشکیل پانے والی مقامی وعلاقائی تنظیموں اور ملکی سطح کے مشہور محاذوں ودیگر جماعتوں کا جن میں جماعتی یا ذاتی نمائندگی راقم السطور نے کی اور کر رہا ہے۔

آزادی کے بعد سے 1961ء تک کے چند اہم قابل ذکر واقعات:۔

1) اعلان آزادی کے بعد ٹیکسلا میں نقل مکانی سے پہلے چھوٹے موٹے فسادات ہوئے جنہیں بااثر لوگوں نے کنٹرول کر لیا ان میں سے ٹیکسلا کی ایک مشہور شخصیت جن کا تعلق گجر برادری سے تھا اور انگریز حکومت کے انعام یافتہ تھے یعنی ملک گوہر دین صاحب 10 مئی 1947ء کو وفات پا گئے۔ اس طرح ایک اہم باب ختم ہو گیا۔

2) پرائمری مسلم لیگ ٹیکسلا کے نائب صدر بابا مظفر صاحب نے گورنر جنرل پاکستان کو 19 مئی 1949ء کو خط لکھا کہ آپ کے اس اعلان کہ زمین کی ملکیت کے لئے اب زراعت وغیر زراعت پیشہ کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا جائے گا۔ ٹیکسلا کے علاقہ میں اس پر عمل نہیں ہو رہا حالانکہ اس سلسلہ میں کئی بار درخواستیں بھی دی گئیں اور وفد بھی حکام سے ملتے رہے ہیں۔

2-A) محلّہ عیدگاہ میں 29 مارچ 1951ء کو اللہ داد نامی موچی قتل ہوا جس کے نامزد ملزمان میں ملک بشیر احمد صدیقی، سیٹھ غلام حیدر، سیٹھ غلام رسول وغیرہ تھے جو مقدمہ چلنے کے بعد بری ہو گئے۔

3) موجودہ مدنی مسجد فیصل شہید روڈ سے متصلہ کنویں میں 10 جولائی 1955ء کو تین آدمی غالباً دوران کھدائی گر کر ہلاک ہوئے تو بہت دردناک منظر تھا۔

4) موہڑہ شاہ ولی شاہ سے ملحقہ محلّہ مجاور میں آباد سنی خاندان جس کے قابل ذکر افراد کرم خان مجاوری، اکبر خان مجاوری وغیرہ کی لڑائی سادات برادری سے ہوئی جس میں ایک شخص غالباً قتل ہو گیا اور سادات برادری کے نامور سربراہ شاہ رحمٰن صاحب گرفتار ہوئے اور 21 مئی 1956ء کو بری ہو گئے۔

5) محلّہ گھیلا خورد میں بڑی پھاٹک کے قریب 15 مئی 1956 کو ایک کشمیری کرم الٰہی ولد غلام حیدر قتل ہوا جس کے نامزد ملزمان نے شیخ خورشید احمد ساتھ ان کے دوست اکبر چھاچھی، فقیر محمد ولد فضل دین وغیرہ تھے۔ یہ سب ملزمان بعد میں بری ہو گئے۔

6) مارشل لاء اکتوبر 1958ء کے نفاذ سے چار ماہ پہلے 25 جون 1958ء کو مسلم لیگ کے صدر خان عبدالقیوم خان ودیگر زعماء کے استقبال کی کمیٹی بنائی گئی جو اس وقت چند لوگوں کی فعالیت کو ظاہر کرتی ہے جو اگرچہ مفادات کیلئے تھی البتہ نمائندگی کے لحاظ سے بلا امتیاز مذہب ومسلک اور قومی ونسلی تعصب تھی۔ ان حضرت کے نام آخر میں درج کئے جائیں گے☆

7) پاکستان کے وزیر مالیات نواب مظفر علی قزلباش 17 اگست 1958ء کو ٹیکسلا کے دورہ پر آئے جو مولوی بشیر انصاری کے سرپرست، بہت قریبی اور معاون تھے۔ آپ نے ہی ٹیکسلا اور ملک کے دوسرے حصوں میں بہت سا رقبہ مولوی موصوف کے نام الاٹ کرایا۔

8) محلّہ گھیلا خورد کے ایک نوجوان مسمیٰ اختر ولد سائیں غلام حیدر کو پولیس نے 22 ستمبر 1958ء کو قتل کر کے قریبی گاؤں ڈھوک سیدو کے ایک کنویں میں پھینک کر اس کو خودکشی قرار دے دیا حالانکہ گاؤں کی مسجد نمازیوں نے نماز فجر کے وقت خود پولیس کو قتل کرتے دیکھا تھا۔

9) بڑی ریلوے پھاٹک کے قریب واقع ہوٹل پر چھاپہ کے وقت 9 مئی 1958ء کو نوجوانوں میں پولیس کے تھانیدار اور اہلکاروں سے مقابلہ کر کے ان کی پٹائی اور تقریباً اور نو، دس ملزمان گرفتار کر کے جیل بھیجے گئے اور چار اپریل 1960ء کو مقدمہ چلنے کے بعد انہیں قید کی سزا ہوئی۔

10) قریبی دیہات کولیاں میں گاؤں کے سربراہ وسیع زمینوں کے مالک ملک امیر خان صاحب 9 جون 1959 کو قتل کر دیئے گئے غالباً پہلے ان کی قاتل کا چچا بھی قتل ہوا تھا۔ علاقہ میں یہ کیس بہت مشہور اور قاتل بھی اس لئے کہ اس نے بعد میں کچھ قتل کئے۔

11) یونین کونسل ڈھیری شاہاں کے پہلے انتخاب کے موقع پر قابل ذکر کردار ادا کرنے والے محمد حیات خان (جو موجودہ ایم این اے سرور خان صاحب کے والد ہیں) 17 جولائی 1960ء کو بشیر خان ولد محمد خان سکنہ پنڈ نوشہری شخص کے قتل میں جو غالباً ان کا چچا زاد بھائی تھا گرفتار ہوئے اور تقریباً سات ماہ بعد 20 فروری 1961ء کو بری ہو گئے۔

12) یونین کونسلوں کے نظام سے قبل حکومت نے متروکہ املاک کے انتظام، نگرانی اور کرایہ وصولی کے ایڈہاک کمیٹیاں بنائی ہوئی تھیں جو یونین کونسل بننے کے بعد 21 ستمبر 1960 کو توڑ دیں گئیں اس کمیٹی کے ٹیکسلا کے صدر ملک حاجی سلیمان صاحب اور وصول کنندہ حاجی مظفر صاحب تھے جبکہ سیکرٹری سادات خاندان میں سے تھا۔ حاجی مظفر صاحب نے رقم کا حساب 5 اکتوبر 1960 کو یونین کونسل کے نامزد ممبر حاجی احمد دین صاحب کے حوالے کر دیا۔

13) امریکی وزیر زراعت مسٹر فری مین 24 اکتوبر 1961ء کو ٹیکسلا آیا اور اسے زمینداروں کے نمائندوں کے طور پر چیئرمین شیخ کرم الٰہی اور حاجی احمد دین صاحب نے تحریری

مطالبات پیش کئے۔

☆استقبالیہ کمیٹی:۔صدر صفدر علی شاہ، نائب صدر محبوب الٰہی، میر علی بہادر، سیکرٹری محمد گلزار، پراپیگنڈہ سیکرٹری سید اصغر علی شاہ، خزانچی عبدالمجید، سالار نیشنل گارڈ جمعدار عطاء محمد، نائب چوہدری گلاب خان۔۔۔۔۔ممبران:۔شیخ محمد یوسف، بابو علی محمد، محمد ابراہیم، محمد رؤف، عبدالرشید، خضر حیات، محمد سعید، محمد ظہور، محمد اشرف، محمد دین، محمد دین ٹھیکیدار، روشن دل، منور دین، اکبر دین، اورنگزیب، صابر شاہ وغیرہ۔

بلدیاتی سیاست وانتخابات:۔

انگریزوں کے دور میں علاقہ سے نمائندہ افراد کا چناؤ وفاداری وتابعداری کی بنیاد پر ہوتا تھا جیسا کہ تفصیل سے گزر چکا ہے۔پاکستان بننے کے کافی عرصہ بعد تک یہی چلن رہا البتہ ڈسٹرکٹ کونسل وغیرہ کے اراکین ووٹوں سے منتخب کردیئے جاتے تھے اسی طرح چند تعلیم یافتہ اور آبادی کے بااثر افراد نامزد کرکے کام چلایا جاتا تھا۔

صدر محمد ایوب خان صاحب نے سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگادینے کے بعد اپنے لئے عوامی حمایت حاصل کرنے اور منصوبہ کے تحت منتخب صدر بننے کیلئے 1959ء کے اواخر میں "بلدیاتی نظام" قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور ایسے بلدیاتی ادارے بنانے کا انتظام کیا جن میں چند نامزد اراکین ہوں اور باقی متناسب نمائندگی کی بنیاد پر منتخب کئے جائیں اور ان اراکین کی ووٹوں سے ہی ملک کا صدر منتخب ہو۔

یونین کونسل ڈھیری شاہاں کا پہلا انتخاب:۔

مزکورہ نظام کے تحت دسمبر 1959ء سے مرحلہ وار دیہی سطح پر یہ انتخاب شروع کردیئے گئے۔ایک میسر ریکارڈ کے مطابق 30 دسمبر کو صادق خان "جلالہ" کا انتخاب جیتا اور 2 فروری 1960 کو اکبر دین چٹان واہ کینٹ کا چیئرمین بنا۔یونین کونسل ڈھیری شاہاں شہر کے علاوہ کچھ نواحی دیہاتوں پر مشتمل بنائی گئی اس کیلئے 13 فروری کو 3 ممبر نامزد کردیئے گئے اور غالباً گیارہ کو منتخب کیا گیا۔حاصل شدہ معلومات کے مطابق مولانا حاجی احمد دین صاحب (فرخ محمود مغل صاحب کے والد)، استاد محمد جان صاحب اور غالباً شاہ رحمٰن صاحب نامزد تھے اور منتخب شیخ کرم الٰہی صاحب، بابو شیخ خورشید احمد صاحب، ٹھیکیدار محمد دین صاحب (ٹھیکیدار محمد یعقوب صاحب کے والد مرحوم)، ملک میر عالم صاحب، میر علی بہادر صاحب، ٹھیکیدار عبدالرحمٰن صاحب، حیات خان صاحب (جناب سرور خان صاحب ایم این اے کے والد)، صوفی نور بخش صاحب، رضا حسین شاہ صاحب، صفدر شاہ صاحب عرف صفدر موٹا، اللہ دتہ صاحب (ٹھٹھہ)، امین خان صاحب (بھڑ درگئی)۔

چیئرمین کے عہدہ کے لئے دو، تین امیدوار تھے غالباً بابو خورشید احمد صاحب، رضا حسین شاہ صاحب اور شیخ کرم الٰہی صاحب۔جوڑ توڑ کے نتیجے میں آخر الذکر چیئرمین منتخب ہو گئے جو اول الذکر کے رشتہ میں "چچا" بنتے تھے۔چیئرمین کا انتخاب 19 فروری 1960 کو ہوا۔اس انتخاب میں آئندہ کیلئے دو بلدیاتی گروپ بن گئے۔دونوں گروپوں میں سے ایسے افراد جو منتخب یا نامزد نہ ہوسکے باوجود امیدوار ہونے کے لیکن فعال اور موثر یا بادشاہ گر رہے ان کے نام درج ذیل ہیں:۔

شیخ محمد دین، شیخ علاؤالدین دین، شیخ رفیق، فضل دین گجر، ملک اسماعیل، دوست محمد صوبیدار، غلام محمد موچی، صادق موچی، مستری فیروز دین، بابو علی محمد، حیدر شاہ (بھٹے والا) شیخ محمد جان، شاہ فضل، محمد مسکین، عبدالمجید وغیرہ۔

موہڑہ شاہ ولی شاہ کی یونین کونسل الگ تھی جس میں غالباً شفیق ولد الٰہی بخش چیئرمین بنا جبکہ کے مقابلے میں سید مصطفٰی شاہ تھا۔

چیئرمینی کے امیدواروں میں سے شیخ کرم الٰہی صاحب کا ذکر پہلے ہوچکا ہے۔باقی دو امیدواروں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

بابو شیخ خورشید احمد صاحب:۔

آپ شیخ حاجی رحمت دین صاحب کے منجھلے صاحبزادے تھے 1913ء میں آپ کی پیدائش ہوئی۔حاجی صاحب نے انہیں بھی بی اے تک اعلیٰ تعلیم دلوائی، جس کے بعد آپ فوج میں بھرتی ہوئے لیکن بوجوہ نوکری چھوڑ کر واپس آ گئے اور والد صاحب کی ناراضگی کے خوف سے امرتسر چلے گئے۔وہاں ایک دوست کے اشتراک سے کوئی کاروبار وغیرہ کیا اور دو تین سال بعد دو ذاتی ٹرک لے کر گھر واپس آ گئے۔

یہاں بڑے بھائی کے ساتھ ٹرانسپورٹ کا کام ہی شروع کردیا۔معاشرتی ماحول سے متاثر ہوکر اس وقت کے اشغال کبڈی وغیرہ کے مقابلے، بیل دوڑ، کشتیوں کے مقابلے، موسیقی وغیرہ ذالک میں بھی مشہور ہوگئے۔دھڑے بندی وغیرہ بھی اختیار کرلی اس دوران 15 مئی 1956 کو ریلوے پھاٹک میں ہونے والے ایک قتل میں نامزد ملزم قرار دے دیئے گئے حالانکہ آپ اس میں ملوث نہ تھے دو تین سال جیل کاٹ کر رہا ہوئے اور پھر سے "پنڈی ہزارہ ٹرانسپورٹ" وغیرہ کی مصروفیات شروع کردی۔جیسا کہ گزر چکا ہے 1960ء کے بلدیاتی انتخابات میں چیئرمین کے عہدے کے امیدوار تھے لیکن تقریباً برابر، برابر حامیوں کی وجہ سے آپ کے چچا شیخ کرم الٰہی صاحب نے اپنی زیرکی کا وصف استعمال کرتے

ہوئے خود کو چیئرمین بنوالیا۔

چار پانچ سال بعد ہونے والے 1966ء کے انتخابات میں آپ "چیئرمین" منتخب ہو گئے اور اپنے شہر کے لئے قابل قدر خدمات انجام دیں آپ کی وفات 13 جون 1973ء کو ہوئی۔ چار فرزندوں میں سے ایک شیخ اختر صاحب کرنل کے عہدے پر فائز ہوئے سب سے بڑے بیٹے شیخ آفتاب احمد جولائی 1917ء میں علالت کی وجہ سے وفات پا گئے جب کہ ان سے چھوٹے بھائی شیخ افتخار احمد صاحب طویل عرصہ سے ہنجیرہ قبرستان اور مرکزی عیدگاہ کی انتظامیہ کمیٹی کے مرکزی عہدیدار ہیں اور اس طرح شہریوں کی خدمت میں مصروف ہیں۔ سب سے چھوٹے فرزند شیخ قمر احمد صاحب معیاری تعلیمی ادارے بنا کر قوم کے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کر رہے ہیں۔ شیخ افتخار احمد صاحب اور مرحوم شیخ آفتاب احمد صاحب قومی انتخابات اور بلدیاتی سیاست میں بھرپور حصہ لیتے رہے ہیں۔

سید رضا حسین شاہ صاحب:۔

موصوف "سادات برادری" کے سرکردہ "ذیلدار و سردار" خاندانوں کی نظر میں پسماندہ سادات خاندان کے فرد تھے کیونکہ آپ کے والد محنت کش اور غریب شخص تھے آزادی سے قبل ایک سکھ کے بھٹے پر بطور منشی کام کر کے اور ریلوے کے چھوٹے موٹے ٹھیکے لیکر اپنی گزراوقات کا انتظام کرتے۔ رضا شاہ صاحب کے والد صاحب نے اپنے بیٹے کو تعلیم دلوائی اور آزادی کے بعد "محکمہ الاٹمنٹ" میں بطور کلرک بھرتی کرا دیا اس وقت آپ تقریباً 20، 25 سال کے نوجوان تھے اور بڑے ذہین، محنتی، ہوشیار اور ملنسار شخص تھے۔ ان خصوصیات کی وجہ سے اپنی مالی حیثیت کو بھی مستحکم کیا اور مستقبل میں معاشرے میں ایک امتیازی حاصل کر لی۔

پہلے 1962ء کے بلدیاتی انتخاب سے ہی متحرک ہو گئے اور ممبر بھی بنے۔ چیئرمین کے عہدے کے انتخاب میں بھی دلچسپی لی پھر 1966ء میں چیئرمینی کے امیدوار بھی بنے اور اس طرح ترقی کرتے کرتے 1979ء "چیئرمین بلدیہ ٹیکسلا" منتخب ہو گئے۔ سیاسی طور پر بھٹو کے دور میں پیپلز پارٹی کے مقامی رہنماؤں میں شمار ہوئے۔ بہرحال ٹیکسلا شہر کے سیاسی، بلدیاتی، سماجی، مذہبی ماحول کے قابل ذکر عنوان بنے رہے۔ اولاد کو اچھی تعلیم دلوائی، ان کے بڑے بیٹے بطور انجینئر ایچ ایم سی میں اچھے عہدے پر رہے۔ ایک بیٹے موجودہ میونسپل کمیٹی میں کونسلر ہیں اور تحریک انصاف کے نمائندہ ہیں۔ آئندہ صفحات میں کچھ حوالوں سے موصوف کا ذکر آتا رہے گا۔

جمعیت علمائے اسلام پاکستان

برصغیر کی تقسیم سے پہلے علمائے کرام دو الگ نکتہ ہائے نظر کے حامل بالخصوص علمائے دیوبند۔ اسی لئے جمعیت علمائے ہند اور جمعیت علمائے اسلام کے نام سے دو الگ الگ تنظیمیں مصروف عمل تھیں اول الذکر جماعت تقسیم کے مخالف تھی جو 1919ء میں بنی اور ثانی الذکر جو 1945ء میں بنی مسلم لیگ کے مطالبہ تقسیم کی ہمنوا۔ جس کے سربراہ اور متحرک قائد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب تھے۔ پاکستان بن جانے کے بعد جو علمائے دیوبند تقسیم کے حامی نہ تھے انہوں نے بھی پاکستان کو ایک ایسی "مسجد" کا درجہ دے کر یہ فیصلہ کیا کہ کسی مسجد کی تعمیر سے پہلے تو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن تعمیر کے بعد بجائے اختلاف کے اس کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینا اور اس کے مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہونا ہر مسلمان ذمہ فرض ہے۔

جمعیت علمائے اسلام پاکستان کا قیام:۔

چنانچہ ملک بننے پر علماء کی کوشش اور مطالبہ یہ ہو ہونا چاہیے تھا کہ اس ملک میں خالص اسلامی نظام قائم ہو۔ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب انفرادی طور پر اس کاوش میں مصروف ہو گئے اور علماء نے 1948ء میں مولانا محمد صادق صاحب کراچی کی امارت میں جمعیت علمائے اسلام قائم کی جس کا ناظم اعلیٰ مولانا عبدالحنان ہزاروی کو بنایا گیا مگر بعض وجوہات کی بناء پر یہ جماعت منظم طریقہ سے آگے نہ چل سکی۔

اس دوران مارچ 1949ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب "قرارداد مقاصد" دستور یہ سے منظور کروا چکے تھے جس کی رو سے پاکستان میں کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بن سکتا۔ دسمبر 1949 میں مولانا شبیر احمد عثمانی کی طرف سے ملتان میں علماء کنونشن بلایا گیا اس لئے کہ وہ مسلم لیگی قیادت سے مایوس ہو گئے تھے اور علماء کو منظم کر کے جمعیت علمائے اسلام کے سٹیج سے جدوجہد کرنا چاہتے تھے لیکن اسی مہینے میں آپ کا انتقال ہو گیا اور آپ کے بعد علامہ سید سلیمان ندوی صاحب کو جمعیت کا امیر بنا دیا گیا اس کے بعد جب "دستور سازی" کی بنیاد پڑی تو ملک کے تمام علماء نے حکومت وقت سے مطالبہ کیا دستور اسلامی ہو۔ اس پر وزیر اعظم لیاقت علی خان نے ایک بیان دیا کہ مولوی صاحبان اسلامی دستور کا مطالبہ تو کرتے ہیں لیکن خود ان کے اندر جو اختلافات ہیں ان کی موجودگی میں یہ دستور کیسے وضع ہو۔

علماء کے متفقہ بائیس نکات:۔

وزیر اعظم کے اس چیلنج کو علماء نے قبول کیا اور اکیس تا چوبیس جنوری 1951ء کو سید سلیمان ندوی کی صدارت میں ملک کے ہر مکتب فکر کے اکتیس علماء کراچی میں جمع ہوئے اور متفقہ

طور پر بائیس نکاتی فارمولہ اسلامی دستور سازی کے پیش کر دیا۔لیکن وزیر اعظم نے لیاقت باغ میں اپنی شہادت تک جو 8 ماہ بعد ہوئی اس پر کوئی پیشرفت نہ کی اور نہ ہی ان کی جماعت مسلم لیگ میں ان نکات کو اپنے پروگرام کا جزو بنایا۔

جمعیت علمائے اسلام کی تشکیل نو:۔

برسراقتدار جماعت مسلم لیگ کی عدم توجہی اور نوکر شاہی کی رکاوٹوں اور سازشوں کے توڑ کے لئے جمعیت کی 1952ء میں تشکیل نو کی گئی اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کو امیر اور مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب کو ناظم اعلیٰ چن لیا گیا۔اس دوران 1953 کی پہلی تاریخ ختم نبوت شروع ہوگئی جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔اس تحریک کے بعد پھر جمعیت کا انتخاب نو کیا گیا جس میں مولانا مفتی محمد حسن صاحب (لاہور) کو امیر اور مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو نائب امیر بنایا گیا مگر یہ تنظیم بھی فعال کردار ادا نہ کر سکی۔ 1956ء میں پاکستان کا پہلا آئین نافذ کیا گیا جسے اسلامی دستور کا نام دیا گیا لیکن اس میں کئی دفعات غیر اسلامی تھیں جن میں ترمیم ضروری تھی۔چنانچہ اکتوبر 1956ء میں علمائے کرام پھر ملتان میں اکٹھے ہوئے اور دوبارہ تشکیل نو کی جس میں شیخ التفسیر امام لاہوریؒ کو امیر اور مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا جبکہ حضرت مفتی محمود صاحب نائب امیر منتخب ہوئے۔اس نئی قیادت نے لاہور میں مرکزی دفتر بھی بنایا اور ایک ہفت روزہ جماعتی آرگن "ترجمان اسلام" بھی جون 1957ء سے جاری کر دیا۔اس ماہ ملتان میں "سہ روزہ جہاد کانفرنس" بڑے پیمانے پر منعقد کی اور اپنا پہلا انتخابی منشور بھی منظور کیا۔

نفاذ نظام اسلامی کے متعلق حکومتی رویہ:۔

انگریز کے نظام حکومت کے عادی فوجی سربراہ اور بیوروکریسی کسی صورت بھی اسلامی نظام کا نفاذ برداشت نہیں کر سکتی تھی اسی طرح اشتراکی ذہن، قوم پرست اور متجددین بھی۔ جمعیت اور دوسری اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والی جماعتوں کے دباؤ اور مطالبات سے مجبور ہو کر حکومت نے ایک "لاءکمیشن" بنایا جو اس سلسلہ میں تجاویز تیار کرے۔لیکن اس کے اراکین کی غالب اکثریت ایسے حضرات کی تھی جو اسلام کی جدید تعبیر وتشریح کے حامی تھے اسی سلسلہ میں دسمبر 1957ء کے آخر میں ایک "اسلامی مذاکرہ" کرانے کا اعلان بھی کر دیا گیا جس کی جمعیت نے اس بنیاد پر مخالفت کی چونکہ اکثریت "متجددین" کی ہے وہ اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کی راہ ہموار کریں گے اور "اشتراکیت" کا خوف دلا کر اسلام کے بنیادی نظریات کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں گے۔چنانچہ بعد میں اس "مذاکرہ" کی روداد سے یہ خدشہ حقیقی ثابت ہوگیا اسلئے کہ اس میں مرزائیوں اور ملحدین کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔

جمعیت کی کاوشیں:۔

جمعیت نے جنوری 1958ء میں موچی دروازہ لاہور میں جلسہ عام منعقد کر کے اس "مذاکرہ" کی اصلیت کا پول کھول دیا اور بارہ قراردادیں پاس کر کے اسلام کو مسخ کرنے کی اس ناپاک کوشش کو ناکام بنا دیا۔اس دوران مئی 1958ء میں مغربی پاکستان کے وزیراعلیٰ ڈاکٹر خان کو قتل کر دیا گیا جو پختون رہنما خان عبدالغفار خان کے بڑے بھائی تھے۔جون 1958ء میں جمعیت نے لاہور اجلاس منعقد کر کے 1956ء کی آئین کی غیر اسلامی دفعات میں ترامیم تیار کرنے کیلئے مولانا شمس الحق افغانی صاحب مولانا مفتی محمود صاحب، شیخ حسام الدین صاحب اور علامہ خالد محمود صاحب پر مشتمل کمیٹی بنائی جس نے اپنی تفصیلی رپورٹ مرتب کی۔
حضرت لاہوریؒ کی امارت میں جمعیت نے باوجود انتہائی کسمپرسی اور تہی دامنی کے ملک بھر میں سینکڑوں شاخیں قائم کر لیں اور علماء کی ایک بڑی جماعت جمعیت سے وابستہ ہوگئی۔ چنانچہ دو سال میں اب جمعیت اس قابل ہوگئی کہ مسلمان عوام کی رائے عامہ کے زبردست مظاہرے کا انتظام کر سکے۔اس مقصد کے لئے 1958ء کے آخر میں لاہور میں عظیم الشان کانفرنس کرنے کا فیصلہ کیا گیا لیکن اس دوران اکتوبر 1958ء میں ملک میں مارشل لاء لگا دیا گیا اور سیاسی جماعتوں کو ختم کر کے سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی۔ پہلے سکندر مرزا صدر بنا جسے بعد میں جنرل محمد ایوب خان صاحب نے ہٹا کر خود صدارت سنبھال لی۔

جمعیت کا متبادل نظام:۔

چونکہ مارشل لاء حکومت میں اکثر سیاستدانوں کو گرفتار کر لیا تھا اور رائے عامہ کو ان کے خلاف متاثر کرنا شروع کر دیا اور سیاسی جماعتیں بھی منقار زیر پر ہوگئیں۔ جمعیت بھی تقریباً ڈیڑھ سال غیر فعال کر دی گئی لیکن جب اکابر نے دیکھا کہ بعض علماء جنرل ایوب خان صاحب کے ساتھ بھرپور تعاون کر رہے ہیں بلکہ اسناد کی تقسیم کے موقع پر اسے تقریر کی صدارت کے لئے بلا رہے ہیں تو انہیں خدشہ ہوا کہ یہ طبقہ علماء حکومت کی غیر اسلامی روش کا آلہ کار نہ بن جائے۔چنانچہ مشورہ کر کے مئی 1959ء میں ملتان میں ایک اجلاس بلا کر "نظام العلماء" کے نام سے تنظیم بنانے کا فیصلہ کیا گیا اور جون میں لاہور میں ملک کے مقتدر علماء کا ایک کنونشن بلا کر اس تنظیم کے امیر و ناظم اعلیٰ حضرت لاہوریؒ اور ہزاروی صاحبؒ منتخب کیئے گئے۔اس تنظیم میں بھی جمعیت والے انداز میں اڑھائی سال تک خوب کام کیا، پابندیاں بھی لگیں مقدمے بنے آرگن بند ہوا زبان بندی ہوئی لیکن غیر اسلامی

اقدامات کے خلاف ہر انداز میں آواز بلند کی جاتی رہی بالخصوص غیر اسلامی دفعات پر مشتمل عائلی قوانین کے نفاذ پر زور احتجاج کیا گیا۔اس دوران امیر مرکزیہ فروری 1962ء میں وصال فرماگئے اور ان کے بعد مارچ میں حضرت درخواستیؒ کو نیا امیر منتخب کیا گیا۔ایوب خان نے مارچ میں نیا آئین نافذ کر کے غیر جماعتی انتخابات بنیادی جمہوریت کی بنیاد پر کرانے کا اعلان کر دیا۔

قومی اور صوبائی اسمبلی میں جمعیت کی پہلی نمائندگی:۔

چنانچہ مئی 1962ء کے اوائل میں انتخابات میں اور جمعیت میں دو رہنما حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب انفرادی طور پر انتخاب لڑ کر علی الترتیب قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے رکن منتخب ہوگئے اور اپنا کردار ادا کرنا شروع کر دیا اس دوران جولائی 1962ء میں سیاسی جماعتوں پر پابندی ختم کر دی گئی۔

جمعیت علمائے اسلام ٹیکسلا کا قیام (1962ء):۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ ٹیکسلا میں کوئی سیاسی جماعت نہ آزادی سے قبل اور نہ بعد منظم تھی اس لئے حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے بھی اپنے شیخ حضرت لاہوریؒ کی عمارت میں بننے والی جمعیت علمائے اسلام کی شاخ یہاں تشکیل نہیں دی اور دوسرے اہداف کی طرف توجہ مبذول رکھی۔جون 1958ء میں مسلم لیگ کے صدر کے استقبال کیلئے ٹیکسلا کے چند سرکردہ افراد بالخصوص بازار کے تاجران پر مشتمل استقبالیہ کمیٹی کی تشکیل،1959 سے بلدیاتی انتخابات کی گہما گہمی اور دھڑوں کی بنیاد پر انتخاب،1962ء کے انتخابات میں ٹیکسلا سے شیخ کرم الٰہی صاحب کے صوبائی اسمبلی کا انتخاب لڑنے جیسے واقعات نے مولانا موصوف کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اب اس میدان کو خالی نہیں چھوڑنا چاہئے اسلئے کہ مذہبی طبقہ اپنی اپنی پسند یا نسلی وقومی تعصب اور دھڑے بندی کی بنیاد پر مروجہ سیاسی جماعتوں میں شریک ہو کر فعال ہو جائے گا اور اس طرح مذہبی کام منفی طور پر متاثر ہو جائے گا چنانچہ آپ نے 25 اکتوبر 1962ء کو "جمعیت علمائے اسلام ٹیکسلا" کی تشکیل کر دی جس کے امیر مولانا خود اور ناظم اعلیٰ استاد رحمت دین صاحب بنائے گئے اور دیگر احباب کے علاوہ قابل ذکر اراکین استاد روشن دین صاحب اور محبوب الٰہی اعوان صاحب بھی شریک اجلاس تھے۔دسمبر تک چار اجلاس منعقد کئے گئے اور مولانا محمد صدیق صاحب، شیخ علاؤالدین صاحب اور دیگر احباب بھی رکن بن گئے۔

علاقہ میں بھی اس سلسلہ میں رابطے کئے گئے۔جنوری 1963ء میں صوبائی امیر حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب لوسر شرفو تشریف لائے اور خطاب فرمایا۔جمعیت کے مرکزی امیر حضرت درخواستیؒ بھی غالباً 1963 یا 1964ء میں مرکزی جامع مسجد ٹیکسلا میں خطاب اور مدرسہ تعلیم القرآن کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھنے کیلئے تشریف لائے۔اس کے بعد ایک اور صوبائی رہنما مولانا لقمان علی پوری صاحب کو 24 اکتوبر 1964ء کو ٹیکسلا کی مرکزی مسجد میں خطاب میں بلائے گئے جنہوں نے جمعیت کا پیغام حاضرین تک پہنچایا۔اس کے بعد حکومت نے جنوری 1965ء میں انتخابات کا اعلان کر دیا جو جماعتی بنیاد پر ہونا تھا۔

ان انتخابات میں ایک طرف صدر محمد ایوب خان کی کنونشن مسلم لیگ تھی اور دوسری طرف حزب اختلاف کی جماعتوں کا محاذ۔جو کمیونسٹوں،سوشلسٹوں،اسلام پسندوں پر مشتمل چوں چوں کا مربہ تھا۔دونوں طرف اسلامی نظام کا نفاذ بطور منشور مفقود تھا۔اس صورتحال میں جمعیت میں خالص اسلامی نظام کے نفاذ کو منشور قرار دے کر الگ سے اکیلے ہی انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔باوجود وسائل نہ ہونے کے یہ ایک قلندرانہ فیصلہ تھا کہ ؎ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی۔

جنوری 1965ء میں ایوب خان اور فاطمہ جناح کا مقابلہ برائے صدارت ہوا اور ایوب خان جیت گئے۔

جمعیت کے مرکزی رہنما حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب 29 اگست 1965ء کو حسن ابدال جماعتی دورہ پر تشریف لائے اور علاقہ بھر کے کارکنوں اور عوام سے خطاب کیا۔

اگلے ماہ پاک بھارت جنگ شروع ہوگئی تو چھ سے تئیس ستمبر تک جاری رہی اور اس سے اگلے سال تاشقند میں دونوں ملکوں کا معاہدہ ہوا جسے حزب اختلاف کے ساتھ جمعیت نے بھی مسترد کر دیا۔اس طرح ملک میں نیا سیاسی انتشار بھی پیدا ہو گیا گرانی اور بے روزگاری بڑھ گئی اور قوم جذباتی ہیجان میں مبتلا ہوگئی۔

جمعیت کی مقامی شاخ کا احیاء (1966ء):۔

مذکورہ حالات کی بنیاد پر مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے پہلے تو علاقائی بنیاد پر مئی 1966ء میں غیر سیاسی "جماعت ربانی" بنائی جس کا تذکرہ ہو چکا ہے لیکن بعد میں غالباً مرکزی وضلعی رہنماؤں کے توجہ دلانے پر 15 جولائی 1966ء کو گزشتہ سال بھر کے تعطل کو ختم کر کے مقامی جمعیت کے سابقہ کارکنوں کا اجلاس بلایا اور دوبارہ جمعیت کو فعال کر دیا۔اسی ماہ مرکزی رہنما مولانا محمد اجمل خان صاحب کا ٹیکسلا میں خطاب ہوا،4 اگست کو دفتر بنا دیا گیا،20 ستمبر کو لوسر شرفو میں علاقائی جمعیت قائم ہوئی جس کے سرپرست آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد جان صاحب منتخب ہوئے اور آپ امیر۔جبکہ بابا عبدالرحمٰن صاحب نائب امیر بنائے گئے۔اکتوبر میں دوبارہ جماعتی کارکنوں سے خطاب کیلئے مولانا محمد اجمل خان صاحب کو دوبارہ ٹیکسلا بلایا گیا۔

کارکردگی 1967ء:۔

مقامی اجلاسوں کے علاوہ 23 ستمبر کو گڑھی افغاناں میں علاقائی تنظیم کے تحت تبلیغی جلسہ منعقد کیا گیا جس میں صوبائی رہنما مولانا حامد علی رحمانی صاحب نے خطاب فرمایا، 14 اکتوبر کو ملک غلام فرید صاحب کے ہاں "تنظیم رضا کاران" کے سلسلہ میں اجتماع ہوا۔ 26 اکتوبر کو اکوڑہ خٹک میں امیر مرکز یہ حضرت درخواستی سے جماعتی وفد نے ملاقات کی۔ 28 اکتوبر کو گڑھی افغاناں میں دوبارہ جلسہ منعقد ہوا اور 23 دسمبر کو مرکز ناظم عمومی مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب ٹیکسلا تشریف لائے اور کارکنوں سے خطاب کیا۔

کارکردگی 1968ء:۔

4 فروری 1968ء کو ناظم عمومی مولانا ہزاروی صاحب نے جمعیت کے سلسلہ میں ملاقات کی گئی اور ٹیکسلا میں جلسہ سے خطاب کیلئے دعوت دی گئی۔ 14 فروری کو مسجد امیر معاویہ ؓ میں جمعیت کا جلسہ منعقد ہوا جس میں مفسر قرآن پیر طریقت حضرت قاضی محمد زاہد الحسینی صاحبؒ اور مولانا غوث ہزاروی صاحب نے خطاب فرمایا۔

پاکستان اور عالمی صورتحال:۔

مغربی ممالک کے سرمایہ دارانہ نظام یعنی "کیپٹل ازم" کے مقابلہ میں ردعمل کے طور پر "کمیونزم" اور "سوشلزم" کا نظام زور وشور سے پروان چڑھنا شروع ہو گیا۔ پاکستان کے دونوں حصوں میں بھی مولانا بھاشانی، پروفیسر مظفر محمود علی قصوری جیسے سیاسی لیڈران نظاموں کے نفاذ کے علمبردار بن گئے اور خان عبدالغفار خان، جی ایم سید، اور شیخ مجیب جیسے نیشنلسٹ بھی ان کے رفیق سفر بن گئے۔ صدر ایوب خان کی کنونشن مسلم لیگ کے مقابلے کے لئے ان مزکورہ لیڈروں نے کونسل مسلم لیگ، جماعتی اسلامی جیسی جماعتوں کو ملا کر ایک متحدہ محاذ بنالیا۔

چونکہ دونوں حریفوں کے "اسلام کے نفاذ" کا کوئی ذکر نہیں تھا اس لئے جمعیت نے الگ تھلگ رہ کر خالص اسلام کے قائم کرنے کا مورچہ قائم کرنے اعلان کر دیا۔ عالمی سطح پر سامراجی طاقتیں مصر، سوڈان، الجزائر، انڈونیشیا، لیبیا جیسے مسلمان ممالک میں مداخلت کر کے سازشوں کے ذریعے وہاں اپنی مرضی کی حکومتیں قائم کرنا چاہتی تھی اور ان کے باہمی اتحاد کو ریزہ ریزہ کر کے کمزور کرنے کی کوششیں کر رہی تھیں۔ اور اس مقصد کے لئے پاکستان وغیرہ اسلامی ممالک میں ان ممالک کے سربراہوں کے اسلام دشمن ہونے کا پروپیگنڈہ زور وشور سے کرایا جانے لگا تاکہ عوام کی ہمدردیاں ان مسلم ممالک کو حاصل نہ ہو سکیں۔ "جمعیت علمائے اسلام" نے اس موقع پر ان سازشوں کا بروقت ادراک کر لیا اور عوامی جلسوں کے علاوہ اپنے جرائد میں مضامین لکھ حقائق کو اجاگر کیا۔ مصر، انڈونیشیا اور لیبیا کے حکمرانوں کیساتھ یکجہتی کا اظہار کرتے ہوئے ان کا خوب دفاع کیا۔

چونکہ مصر کے صدر جمال عبدالناصر کے بارے میں پاکستان میں بہت منفی پروپیگنڈہ کیا گیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان کے بارے میں علمائے کرام کی رائے کی بجائے اس وقت کے ایک اعلیٰ حکومتی عہدیدار جو ملکی سربراہوں کے ذاتی سیکرٹری تک رہے یعنی جناب قدرت اللہ شہاب صاحب کی رائے ان کی کتاب (شہاب نامہ) سے درج کر دی جائے۔ وہ نومبر 1960ء میں صدر ایوب خان صاحب کے دورہ مصر کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

" قاہرہ میں چند روز کی ملاقاتوں اور مذاکرات کے بعد صدر ایوب خان کے ذہن سے صدر ناصر کی ذات پر جمی ہوئی گرد بڑی حد تک چھٹ گئی۔ جمال عبدالناصر کے کردار میں کوئی بدنما پیچ وخم نہ تھا۔ وہ صوم وصلوۃ کے پابند تھے اور ان کے چہرے مہرے سے صدق ووفا، خلوص اور دیانتداری کی پھوار ٹپکتی تھی۔ ان کی گفتگو میں سادگی، متانت اور راستی کا رنگ غالب تھا۔ مذاکرات کے پہلے ہی دور میں انہوں نے بچپن ہی سے اسلام کے ساتھ اپنی والہانہ وابستگی، شاہ فاروق کے عہد میں مصر کی شدید اخلاقی پستی، جنرل مجیب کے ساتھ اختلافات کی وجوہات، اقتدار میں آنے کے بعد علمائے دین کے ایک طبقہ کے ساتھ ذہنی اور نظریاتی کشمکش، مصر میں امریکہ کے عزائم اور پالیسیوں کی طرف سے بے یقینی اور مایوسی اور ردعمل کے طور پر مصر کا روس کی طرف جھکاؤ کی تفصیلات پر ایسا سنجیدہ، مدبرانہ اور متوازن تبصرہ کیا، جس میں صدر ناصر کے جزبات اور احساسات کی دلسوزی کوٹ کوٹ کر بھری تھی"۔

اس دوران پاک بھارت جنگ کے بعد اور متنازعہ "معاہدہ تاشقند" کی وجہ سے عوام میں مایوسی اور اضطراب پیدا ہو گیا جس سے "حزب اختلاف" کے مزکورہ محاذ میں فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ ادھر ایوب حکومت کے وزیر خارجہ "ذوالفقار علی بھٹو" مستعفی ہو کر ان کے خلاف میدان میں آ گئے اور حکومت کی پالیسیوں سے تنگ آئے ہوئے عوام کو روٹی، کپڑا، مکان "دینے کا وعدہ کر کے "اسلامی سوشلزم" نافذ کرنے کا اعلان کر دیا اور پاکستان پیپلز پارٹی کے نام سے 1968ء میں اپنی سیاسی پارٹی بنالی جسے بہت جلد عوام میں پزیرائی مل گئی۔

جماعت اسلامی اور بعض دوسرے علمائے کرام نے 113 مفتیان سے سوشلزم کے کفر ہونے کا فتویٰ لے کر محاذ آرائی شروع کر دی اور یہ نہ سوچا کہ ملک کے غریب، نادار، مظلوم مزدور اور پسے ہوئے طبقات" کاد الفقر ان یکون کفرا" کی حالت میں پہنچے ہوئے ہیں وہ ان فتوں سے متاثر نہیں ہوں گے اور خواہ مخواہ تمہارے فتوے کے مطابق اسلام سے

خارج ہو جائیں گے۔ اس نازک صورتحال میں جمعیت کے اکابر نے معتدل پالیسی اپنائی، "اسلامی مساوات" کے مطالبہ کو صحیح قرار دیتے ہوئے کسانوں، مزدوروں اور غریبوں کے معاشی مسائل پر واضح بیانات و تقاریر شروع کر دیں اور سرمایہ دارانہ و جاگیردارانہ نظام کو ختم کرنے پر زور دینا شروع کر دیا۔ اس پر "لیبر پارٹی پاکستان" نے جمعیت کے ساتھ اتحاد کا اعلان کر دیا۔ جمعیت نے "سوشلزم" کے کفر ہونے کی فتوے کی کھل کی مخالفت کی۔ اس مقصد کیلئے مئی 1968ء میں لاہور میں سہ روزہ عظیم الشان کانفرنس منعقد کی، جلوس نکالا اور اس اجتماع کو عالمی سطح پر بہت کامیاب قرار دیا گیا۔ اس طرح دو سال بعد ہونے والے قومی انتخابات میں پیپلز پارٹی کو ووٹ دینے والے "مسلمان" فتوے کے مطابق کافر ہونے سے بچ گئے۔ مزکورہ کانفرنس میں کی جانے والی حکومت مخالف تقریر پر "آغا شورش کاشمیری" صاحب کو گرفتار کر کے ان کے جریدے پر پابندی لگا دی گئی چنانچہ جمعیت نے ان کی رہائی کیلئے بھرپور تحریک چلائی جس کے نتیجے میں انہیں رہا کر دیا گیا اور کراچی سے لیکر کے لاہور تک ہر ریلوے سٹیشن پر جمعیت کے کارکنوں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔

مقامی جمعیت نے 10-9 جون کو امیر مرکزیہ حضرت درخواستی سے پہلے نوشہرہ اور پھر دوسرے دن اکوڑہ خٹک میں ملاقات کی اور جماعت کیلئے ہدایات لیں۔ 17 جون 1968ء کو جماعت اسلامی نے واہ کینٹ میں ایک مذہبی پروگرام کیلئے مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب کو شرکت کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی تو علم ہونے پر انہیں متوجہ کرنے اور علاقہ کیلئے نقصان دہ ہونے پر مطلع کرنے کیلئے راقم السطور نے ایک عریضہ لکھا۔ 25 اگست کو سموں میں مولانا ہزاروی صاحب نے پنج کٹھہ زریں اور بالائی کی جمعیت کی تنظیمیں بنائیں۔ اس اجلاس میں مولانا محمد داؤد صاحب، مولانا مفتی عبدالحی صاحب اور مولانا ضیاء الدین صاحب وغیرہ موجود تھے دوسرے دن 26 کو مولانا ہزاروی نے لوہسر شرفو میں بھی تنظیم بنائی۔ دس ستمبر کو جمعیت کی طرف سے ٹیکسلا میں ایک بڑے جلسہ کا اہتمام کیا گیا جس کے لئے س صوبہ پنجاب کے عہدیداران مولانا ضیاء القاسمی صاحب، مولانا مجاہد الحسینی صاحب، مولانا عبدالحکیم صاحب اور حامد علی رحمانی صاحب کو دعوت دی گئی۔ اول الذکر دونوں علماء بوجہ مجبوری تشریف نہ لا سکے البتہ موخر الذکر صوبائی رہنماؤں نے جلسہ سے خطاب فرمایا اور شاعر جمعیت سید امین گیلانی صاحب نے اپنا کلام پیش کیا۔

کارکردگی 1969ء:۔

18 اگست 1969ء کو مرکزی جامع مسجد ٹیکسلا میں جمعیت کی طرف سے جلسہ عام منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا غوث صاحب ہزاروی اور مولانا عبدالحکیم صاحب ہزاروی نے خطاب فرمایا جس میں علاقہ بھر سے علماء و اراکین جمعیت شریک ہوئے۔ 20 ستمبر کو جمعیت کے صوبائی امیر مولانا عبیداللہ انور صاحب ٹیکسلا شاخ کے دفتر میں تشریف آور ہوئے اور اراکین سے تنظیمی امور پر گفتگو فرمائی۔ 25 اکتوبر کو جمعیت کی طرف سے پھر مرکزی جامع مسجد میں ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا جس میں صوبائی امیر صاحب کے علاوہ قاضی احسان انور صاحب شجاع آبادی، قاری نورالحق قریشی ایڈووکیٹ کے علاوہ ضلعی عہدیداروں نے خطاب فرمایا، 25 نومبر کو مئوخر الذکر ایڈووکیٹ صاحب دوبارہ تشریف لائے اور جمعیت کے عہدیداران اور اراکین سے ملاقاتیں کیں 10 دسمبر کو مرکزی ناظم اعلیٰ مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب بھی ٹیکسلا تشریف آور ہوئے اور کارکنوں سے خطاب فرمایا۔

ملکی عام انتخابات 1970ء کے لئے تیاری:۔

حکومت کی طرف سے عام ملکی انتخابات کے اعلان پر جمعیت نے مقامی، علاقائی اور ضلعی سطح پر اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں تا کہ اس موقع پر سیاسی جماعت کی حیثیت سے بھرپور کردار ادا کیا جائے۔

جمعیت طلبائے اسلام کا قیام:۔

مرکزی کی طرح مقامی طور پر بھی نوجوان طلبہ مدارس و سکول، کالج کو منظم کرنے کیلئے جمعیت طلبائے اسلام ٹیکسلا کا قیام عمل میں لایا گیا اور 18 جنوری 1970 کو اس تنظیم کے زیر انتظام پہلا جلسہ گڑھی افغاناں میں منعقد کیا گیا جہاں پہلے مقامی کارکن مصروف کار تھے۔ 20 مارچ کو ٹیکسلا تنظیم کا باضابطہ انتخاب ہوا جس میں صدر جناب ابراہیم نفیس صاحب، نائب صدر عشرت علی زیدی صاحب، سیکرٹری فریدون خان، خازن شیخ افتخار احمد اور سیکرٹری نشر و اشاعت اورنگزیب صاحب کو بنایا گیا۔

انجمن شبان اسلام سے تعاون کا حصول:۔

اپنے ہم مسلک نوجوانوں پر مشتمل اس تنظیم سے جو پانچ چھے سال مقامی اور علاقائی سطح پر مصروف تھی اس موقع پر تعاون کیلئے رابطہ کیا گیا تا کہ مختلف مقامات پر موجود انجمن کی تنظیموں سے بھی انتخابات میں تعاون حاصل کیا جائے۔ مارچ 1970ء میں انجمن کی تمام تنظیموں نے اپنے اجلاس میں بھرپور تعاون کا فیصلہ کیا جس کا اعلان 24 اپریل کے جمعیت کے ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور نے بڑے جلی حروف میں چھاپا۔

ٹیکسلا میں عظیم الشان انتخابی عوامی جلسہ:۔

جمعیت کے مرکزی قائدین نے ملک بھر کے انتخابی دورے کے دوران 13 اپریل 70ء کو فیصل شہید روڈ ٹیکسلا پر ایک کھلے میدان میں بہت بڑے عوامی جلسہ سے خطاب کیا

۔مرکزی قائدین میں سے قائد جمعیت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب، مولانا غوث ہزاری صاحب، مزدور رہنما جناب بشیر بختیار صاحب اور دیگر رہنماؤں نے شرکت کی۔شعراء انقلاب جانباز مرزا اور سید امین گیلانی صاحب نے بھی اپنا انقلابی کلام پیش کیا۔اس کامیاب اجتماع نے بہت اچھے اثرات مرتب کئے اور جمعیت کی مقبولیت میں گونا گوں اضافہ کیا۔

ٹیکسلا جماعت کی "متحدہ دینی محاذ" پاکستان میں بالواسطہ نمائندگی:۔

جمعیت علمائے اسلام پاکستان میں مئی 1970ء میں پاکستان کی ہم خیال جماعتوں کو متحد ہو کر سوشلزم، کیپٹل ازم اور ماڈرن اسلام کی علمبردار جماعتوں کا انتخاب میں مقابلہ کرنے کی دعوت دی جس پر 13 مئی کو لاہور میں 19 چھوٹی بڑی سیاسی اور مذہبی جماعتوں نے اجلاس میں شرکت کر کے "متحدہ دینی محاذ پاکستان" کے نام سے ایک اتحاد تشکیل دیا جس میں علاقہ ٹیکسلا اور گردونواح میں اپنے مسلک نوجوانوں کی فعال تنظیم "انجمن شبان اسلام پاکستان" بھی شامل تھی اور اسے مرکزی قائدین بالخصوص مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب نے اس مقصد کے لئے تجویز کیا اور دعوت نامہ بھجوایا تھا گویا یہاں کی جمعیت کو الحمدللہ اتنی اہمیت دی گئی۔لاہور میں محاذ کی طرف سے پروگراموں میں تشکیل سے لے کر تمام اجلاسوں تک بطور نمائندہ شرکت کی۔

قومی اسمبلی کی سیٹ کیلئے انتخابات میں حصہ:۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب چونکہ جمعیت کے اساسی اراکین میں شامل تھے اور جمعیت کے مرکزی امیر آپ شیخ طریقت حضرت امام لاہوریؒ اور ناظم اعلیٰ آپ کے قریبی دوست مولانا غلام غوث ہزارویؒ تھے اسلئے آپ نے علاقہ بھر بلکہ ضلع راولپنڈی وملحقہ قریبی اضلاع میں جماعتی کام کو خوب فروغ دیا تھا آپ کی سیاسی بصیرت تنظیمی صلاحیت، للّٰہیت اور جانبازی وقربانی کو مرکزی قائدین بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس لئے جماعتی طور پر آپ کو مجبور کیا گیا کہ آپ ضلع راولپنڈی کے پاکستان کے سب سے بڑے حلقے سے جمعیت کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کا انتخاب لڑیں۔

آپ نے باوجود بے بضاعتی جماعتی حکم کی تعمیل کی۔ٹیکسلا شہر میں مذکورہ بہت بڑا منظم انتخابی جلسہ کیا۔نوجوانوں کی کثیر تعداد انتخابی مہم میں حصہ لینے کیلئے رضا کارانہ طور پر تیار ہوگئی۔قریبی دیہاتوں کے علاوہ علاقہ چونترہ اور چک بیلی خان کے دور دراز قصبات اور دیہاتوں میں انتخابی جلسے ہوئے۔مالی وسائل، آمدورفت کے ذرائع ناپید ہونے کے باوجود رات دن ایک کر کے لوگوں سے براہ راست رابطے کئے گئے اور عام مسلمانوں نے بہت جوش وجذبہ سے تعاون کا یقین دلایا۔اس مہم میں خاص طور پر آپ کے بے تکلف دوست اور جماعت رفیق حضرت مولانا عبدالستار توحیدی صاحب نے بہت مشقت اٹھائی اور اپنے کندھوں پر سامان اٹھا کر دوروں میں شریک رہے۔ان کے علاوہ دوسرے جماعتی دوست حضرت مولانا عبدالمعبود نے بھی بہت محنت فرمائی اور شریک سفر رہ کر خوب تعاون کیا۔

جمعیت کا کارکنوں اور انجمن شبان اسلام کے نوجوانوں نے بھرپور مہم چلائی۔چونترہ، چک بیلی، اسلام آباد، بھارہ کہو، گولڑہ وغیرہ کے وسیع حلقہ میں حتی الامکان ہر جگہ دورہ کیا۔تحریری کتابچے پہنچائے، پمفلٹ تقسیم کئے، عید کے اجتماعات میں پیغام پہنچایا غرضیکہ اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے تعاون کرنے کی دعوت دور دور تک پہنچانے کی کوشش کی تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔

بہر حال چونکہ پوری پاکستانی قوم بالخصوص پنجاب اور سندھ کے لوگ روٹی، کپڑا، مکان کے پرفریب نعرے کا شکار ہو چکے تھے اس حلقہ میں ایک کھمبے کو ووٹ دیدیا جو غالبًا عقیدے کا قادیانی بھی تھا البتہ یہ ضرور ہوا کہ جہاں جہاں جمعیت کا پیغام پہنچا تھا ان مقامات سے اچھے خاصے ووٹ جمعیت کو مل گئے اور حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کامیاب امیدوار سے دوسرے نمبر پر رہے۔جس طرح پورے مغربی پاکستان جمعیت ووٹوں کی تعداد کے لحاظ سے پیپلز پارٹی کے بعد دوسرے نمبر پر تھی۔

جمعیت طلبائے اسلام کی تشکیل نو:۔

"ترجمان اسلام لاہور" کے مطابق 26 جون کو جمعیت طلبائے اسلام ٹیکسلا کی توسیع کی بعد انتخاب نو ہوا جس میں ظہیر حسین گیلانی صاحب کو صدر، شیخ غیاث الدین نسیم صاحب کو ناظم عمومی، شیخ ظہیر الدین بابر صاحب کو ناظم نشر واشاعت، شیخ افتخار احمد صاحب کو ناظم دفتر اور ملک محمد اکرم صاحب کو خازن بنایا گیا (تین عہدیدار ٹیکسلا کی مشہور باثر کشمیری برادری کے سربراہان کے فرزند تھے)

مقامی انتخابی عمل کے علاوہ مصروفیات:۔

مرکزی جمعیت کی طرف سے لاہور میں جون 1970ء کو دوران آل پاکستان آئین شریعت کانفرنس میں شرکت کیلئے علاقہ سے کثیر تعداد میں اراکین نے اکٹھے ہو کر بسوں کے ذریعے سفر کیا اور سارے راستہ میں جھنڈے لہرا کر اور نعرے لہرا کر جماعت کا پیغام پہنچایا۔25 جون کو رات گجرانوالہ میں منعقدہ پروگرام میں شرکت کی اور اگلے دو دن لاہور میں

جلسوں اور جلوسوں میں بھرپور نمائندگی کی۔

علاقہ بھر میں رابطوں اور ملاقاتوں کا سلسلہ بھی جاری رہا، اجلاس بھی باقاعدگی سے ہوتے رہے۔ 23 تا 25 جولائی دوبارہ لاہور میں مرکزی کی طرف سے منعقدہ کنونشن میں نمائندوں کو بھجوایا گیا۔ 21 اگست کو مولانا زاہد الراشدی صاحب کا ٹیکسلا میں خطاب ہوا راقم السطور نے ستمبر سے نومبر تک تین ماہ لاہور میں قیام کے دوران حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور اور علامہ خالد محمود صاحب کے حلقہ ہائے انتخاب میں مسلسل انتخابی مہم میں بھرپور حصہ لیا اور جماعتی کارکنوں سے مل کر ہر قسم کے کاموں کو سرانجام دیا۔ مرکزی دفتر میں تقریباً ہفتے میں دو تین بار حاضری ہوتی رہی اور موفضہ امور کی انجام دہی جاری رہی۔

ٹیکسلا شاخ اہم عہدیدار کا انتقال:۔

ترجمان اسلام لاہور نے 2 اکتوبر کے شمارہ میں جناب شیخ علاؤالدین صاحب کے انتقال پر تعزیتی بیان اہتمام سے شائع کیا جو خود بھی جمعیت کے اساسی رکن تھے اور ان کے صاحبزادے جمعیت طلبائے اسلام کے مقامی ناظم عمومی تھے۔

انتخابات کے بعد جماعتی کام:۔

قومی انتخابات کے بعد جماعتی اجلاس باقاعدگی سے ہوتے رہے۔ ضلعی، صوبائی اور مرکزی قائدین سے رابطہ مسلسل رہا۔ صوبائی رہنما مولانا زاہدی الراشدی صاحب مرکزی ناظم دفتر اکبر سلیمانی صاحب اور احمد سعید لدھیانوی صاحب ٹیکسلا تشریف لائے، راقم السطور نے مارچ 1971ء میں مرکزی دفتر لاہور میں حاضری دی اسی طرح جہاد کانفرنس کے عنوان سے دوروزہ جلسے منعقد کئے گئے جن میں صوبائی رہنماؤں مولانا منظور احمد چنیوٹی اور مولانا زاہد الراشدی صاحب نے خطاب فرمایا۔ راولپنڈی، اٹک، حسن ابدال میں ہونے والے پروگراموں میں جمعیت کے مرکزی قائدین سے ملاقاتیں بھی کی گئیں جن میں قائد جمعیت مفتی محمود صاحب، مولانا غوث ہزاروی، مولانا ضیاء القاسمی، قاری نورالحق قریشی صاحب قابل ذکر ہیں۔ 22 اکتوبر کو صوبائی قائدین ضلع راولپنڈی کا دورہ کر کے رابطہ کمیٹی بنائی جس کا سربراہ مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب (راولپنڈی) کو بنایا گیا۔ اس مہم میں ٹیکسلا کی جماعت نے بھرپور تعاون کیا بالخصوص راقم السطور جناب قاری صاحب موصوف کے ہمراہ دورہ کرتا رہا۔ نومبر 71ء میں لاہور میں منعقدہ مرکزی اجتماع میں بھی شرکت کی گئی۔ اس سال مولانا محمد داؤد صاحب پنجاب جمعیت کے رکن شوریٰ بھی بنائے گئے۔

23 نومبر کو جنرل یحییٰ خان صاحب نے ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا۔ مشرقی پاکستان میں جنگ چھڑ گئی اور دسمبر میں ملک دولخت ہو گیا۔

کارکردگی 1972ء:۔

اب پاکستان صرف مغربی پاکستان والا صوبہ رہ گیا تھا ساری توجہ سیاسی جماعتوں کی مستقبل پر ہوگئی۔ پیپلز پارٹی کا سربراہ ذوالفقار علی بھٹو ملک کا صدر بن گیا اور سول مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی۔ جمعیت نے لاہور میں ملک ٹوٹنے کے بعد ایک کنونشن منعقد کر کے "نظام العلماء" کے نام سے کام جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلہ میں راقم السطور نے جامعہ فرقانیہ راولپنڈی جا کر اکابر سے ہدایت لیں اور مقامی جماعت کے ذمہ داران تک پہنچائیں۔ دو تین ماہ سیاسی جماعتوں میں رابطے ہوتے رہے اور بالآخر "جمعیت" اور "نیپ" نے صوبہ سرحد اور بلوچستان میں حکمران جماعت کے ساتھ اتحاد کر کے صوبائی حکومتیں بنانے کا فیصلہ کیا تاکہ ملک میں سیاسی استحکام ہو اور مارشل لاء ختم ہو سکے۔ اس عرصے میں ہمارا مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی سے رابطہ رہا اور جب حضرت درخواستیؒ راولپنڈی تشریف لائے تو ان سے بھی ملاقات کی گئی۔ لاہور دفتر بھی جانا ہوا اور 24 اپریل کو لیاقت باغ راولپنڈی میں حضرت مفتی محمود صاحب کے خطاب میں بھی شرکت کی گئی۔

حضرت مفتی محمود صاحب بطور وزیر اعلیٰ سرحد:۔

یکم مئی کو قائد جمعیت حضرت مفتی محمود صاحب نے بطور وزیر اعلیٰ حلف اٹھایا جس پر پانچ مئی کو "یوم تشکر" کے سلسلہ میں قریباً دو کارکن سپیشل بسوں کے ذریعے پشاور گئے جہاں امیر مرکزیہ حضرت درخواستی صاحب نے جمعہ پڑھایا اور نماز کے بعد عظیم الشان جلسہ اور جلوس منعقد کیئے گئے۔

ماہ مئی کی مصروفیات:۔

جمعیت گڑھی افغاناں شاخ کی دعوت پر اوائل مئی میں وہاں کا دورہ کیا گیا۔ 7 مئی کو ہری پور میں مفتی صاحب کے پروگرام میں شرکت کی گئی۔ 9 تاریخ کو حسن ابدال میں صوبائی رہنما مولانا منظور احمد چنیوٹی سے ملاقات ہوئی، 10 مئی کو ٹیکسلا اڈہ پر دوران سفر حضرت مفتی صاحب کا پرجوش استقبال کیا گیا، 12 مئی کو پنڈی میں جمعیت کے قائدین سے ملاقاتیں کی گئیں اور 21 مئی کو لالہ رخ واہ اور لوہسر شرفو میں جمعیت کے اجلاس منعقد کئے گئے۔ 28 مئی کو صوبائی امیر حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور واہ، ٹیکسلا تشریف لائے۔ اراکین سے ملاقاتیں کیں اور اسی دن ٹیکسلا شاخ کا اجلاس بھی منعقد ہوا۔

جون، جولائی کی سرگرمیاں:۔

جمعیت کی ذیلی تنظیم جمعیت طلبائے اسلام کے زیر انتظام تین جون کو جلسہ عام منعقد کیا گیا جس میں حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اور سید سلمان گیلانی نے شرکت کی اور اس کے علاوہ اجلاس بھی منعقد ہوئے اور 16 جون کو امیر مرکزیہ حضرت درخواستیؒ کے اٹک جلسہ میں شرکت کی گئی۔ کرموال، ڈھبیاں اور بھیرہ کے دورے بھی ہوئے۔ یکم جولائی کو گڑھی افغاناں میں جمعیت کا جلسہ ہوا۔ 9 تاریخ کو مولانا ہزاروی نے پنڈ گا کھڑہ میں خطاب فرمایا۔ 24 جولائی مرکزی رہنما مولانا زاہد الراشدی ٹیکسلا تشریف لائے اور کارکنوں سے خطاب کیا اور 29 جولائی کو صوبائی رہنما مولانا لقمان علی پوری نے ٹیکسلا میں تقریر کی۔

اگست، ستمبر کی مصروفیات:۔

ان دو ماہ میں لوہسر شرفو، پنڈ گا کھڑہ، کوٹھا، ایچ ایم سی، تو تنیاں وغیرہ میں حضرت ہزاروی صاحب، قاری سعید الرحمٰن صاحب اور دیگر علماء کے پروگراموں می شرکت کی گئی۔ 12 ستمبر کو پنڈی میں حضرت مفتی صاحب سے ملاقات بھی کی گئی اور علاقائی تنظیموں سے رابطے بھی جاری رہے اور لوہسر شرفو، ٹیکسلا میں جمعیت کی تشکیل نو کر دی گئی

۔

سال کی آخری سہ ماہی کی سرگرمیاں:۔

اکتوبر کے پہلے ہفتے میں گڑھی افغاناں، گانگو بہادر اور بھوئی گاڑ کا جماعتی دورہ کیا گیا اور وہاں بھی نئی تشکیلات ہوئیں۔ 6 اکتوبر کو جمعیت طلبائے اسلام کا بھی انتخاب نو کیا گیا ۔ جمعیت کے اکابر میں سے مولانا سرفراز خان صفدر صاحب نے بھوئی گاڑ میں خطاب فرمایا، رمضان المبارک میں مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب کا ٹیکسلا میں خطاب ہوا اور 22 نومبر کو جامعہ فرقانیہ راولپنڈی میں مرکزی اجلاس میں شرکت کی گئی۔

کارکردگی 1973ء:۔

اس سال کی پہلی سہ ماہی میں فروری کے مہینہ میں قائد جمعیت حضرت مفتی محمود صاحب کی راولپنڈی میں تقریر ہوئی اور 16 فروری کو آپ نے بلوچستان حکومت کی برطرفی پر وزیر اعلیٰ کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔ اسی دن مقامی جمعیت کا اجلاس منعقد ہوا اور علاقہ بھر کی تنظیموں سے رابطہ کر کے نئے حالات کیلئے پالیسی سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے دورے کئے گئے اس دوران سیاسی جماعتوں نے متحدہ محاذ تشکیل دے دیا اور احتجاجی جلسے شروع کر دیئے۔

متحدہ محاذ کے پنڈی جلسے پر فائرنگ:۔

متحدہ محاذ پاکستان نے 23 مارچ کو لیاقت باغ میں بہت بڑے جلسے کا اہتمام کیا جس میں علاقائی جمعیت کے بہت کارکنوں نے شرکت کی۔ عین جمعہ کے وقت جلسہ گاہ پر فائرنگ کر دی گئی جس سے بہت سے سرحد سے آئے ہوئے محاذ کے کارکن شہید ہوئے۔ قائد جمعیت مفتی محمود صاحب راجہ بازار جمعہ پڑھا کر تشریف لائے تو کارکنوں نے بڑی مشکل سے لیاقت روڈ سے آپ کو واپس جانے پر آمادہ کیا ان میں راقم السطور کے علاوہ ٹیکسلا کے کارکنوں کی اکثریت تھی۔

دوسری سہ ماہی کی سرگرمیاں:۔

اپریل میں علاقائی سرگرمیوں کے علاوہ لاہور مرکزی دفتر کا دورہ کیا اور تازہ ہدایت حاصل کیں گئیں۔ 17 اپریل کو پنڈی اسلام آباد کے علماء کا اجلاس منعقد ہوا جس میں ٹیکسلا سے بھی نمائندگی کی گئی۔ 29 اپریل کو صوبائی امیر حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب ٹیکسلا تشریف لائے، مئی میں مولانا قاری محمد اجمل خان صاحب بھی علاقہ کے دورہ پر آئے۔ اس عرصہ میں مولانا غوث ہزاروی صاحب سے بھی دو ملاقاتیں کیں گئیں اور حسن ابدال میں صوبائی رہنما مولانا حامد علی رحمانی صاحب سے بھی جماعتی امور پر تبادلہ خیال کیا گیا۔

جمعیت کے صوبائی اجلاس منعقدہ ملتان میں شرکت:۔

صوبہ پنجاب کی مجلس عاملہ کا اجلاس 22 جولائی کو طلب کیا گیا تھا جس میں شرکت کے لئے بطور رکن شوریٰ حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کو دعوت نامہ بھیجا گیا تو حضرت نے راقم السطور کو ملتان جا کر اپنی نمائندگی کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ میں نے مزکورہ اجلاس میں شرکت کی، اس موقع پر صوبائی انتخابات بھی کرائے گئے۔ واپسی پر لاہور مرکزی دفتر اور شیرانوالہ جلسہ میں بھی حاضری دی گئی۔ 27 جولائی 73ء کو راولپنڈی کی ضلعی تنظیم کا انتخاب کیا گیا جس میں غالباً والد محترم کو ناظم عمومی منتخب کیا گیا۔ اگست کے مہینے میں امیر مرکزیہ حضرت درخواستیؒ لالہ رخ واہ کی مسجد میں تشریف لائے، ستمبر میں صوبائی رہنما مولانا منظور احمد چنیوٹی میں ٹیکسلا میں تقریر کرائی گئی اسی طرح مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب کے پروگرام بھی ہوئے۔ حضرو، حسن ابدال، پنڈ گا کھڑہ، راولپنڈی میں جمعیت کے پروگراموں میں شرکت کی گئی 25 نومبر کو لاہور مرکزی دفتر کا دورہ بھی کیا گیا۔

جمعیت علمائے اسلام کے دو حصوں میں بٹنے کا المیہ:۔

جمعیت کے دو مرکزی قائدین حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا غوث ہزاروی صاحب کے درمیان صوبہ سرحد اور بلوچستان کی حکومتوں کی تشکیل کے وقت اختلاف رائے جو 1972ء کی ابتداء میں شروع ہوا، اتار چڑھاؤ کے باوجود ایک سال تک اندر خانے ہی رہا۔ فروری 1973ء میں یہ دونوں حکومتیں ختم ہونے کے بعد اس اختلاف نے برگ و بار لانے شروع کردیئے اور نتیجتاً دونوں گروپوں پر باری باری ایک دوسرے کی نظامت عمومی ختم کردی۔ الگ الگ اجلاس ہونے لگے بالآخر اگست 1973ء سے علماء وقائدین مولانا مفتی محمود صاحب کے گروپ میں رہے اور تین چار مرکزی رہنما حضرت مولانا غوث ہزاروی صاحب کے ہم خیال بن گئے اور یوں جمعیت کا "ہزاروی گروپ" وجود میں آکر مصروف عمل ہوگیا۔ اس دھڑے میں قابل ذکر دوسرے رہنما مولانا عبدالحکیم ہزاروی صاحب اور مولانا ضیاء القاسمی صاحب تھے۔

جمعیت کی تقسیم کا مقامی طور پر اثر:۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے باوجود حضرت مولانا غوث ہزاروی صاحب سے انتہائی قریبی تعلق کے مقامی جماعت کو مشورہ اور حکم دیا کہ علماء کی غالب اکثریت والے دھڑے کے ساتھ ہی منسلک رہیں اس لئے کہ آپ کے شیخ طریقت کے روحانی وسیاسی جانشین دونوں یعنی حضرت مولانا عبیداللہ صاحب انور اور حافظ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب درخواستی مفتی محمود صاحب والے گروپ میں تھے۔ مقامی جمعیت نے فیصلہ کیا کہ کوئی رکن حضرت ہزاروی صاحب کے واجب احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے منفی تبصرہ نہ کرے اور علاقہ کے آپ کے مذہبی پروگراموں میں بدستور شرکت کی جاتی رہے۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے خود کو نسبتاً غیر فعال کردیا اور چونکہ آپ کو اندرونی اختلاف کی شدت کا پہلے سے علم تھا اس لئے غالباً آپ نے 21 جولائی 1973ء کو جمعیت کے صوبائی اجلاس منعقدہ ملتان میں راقم السطور کو نمائندگی کے لئے بھجوایا اور اس طرح اگلے تقسیم کے مرحلے کے بعد جو اگست میں ہوئی مقامی جمعیت کی ذمہ داری گویا مکمل طور پر ہمارے حوالے کردی۔

جیسا کہ پچھلے صفحات میں تحریر کیا گیا تھا کہ مدرسہ تعلیم القرآن کے دو دینی اساتذہ کا ذکر آگے تفصیل سے کیا جائے گا اس سلسلہ میں پہلے مولانا محمد صدیق صاحب شہید اور پھر استاد روشن دین صاحب کا تفصیلی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

استاد مولانا محمد صدیق صاحب شہیدؒ

وطن اصلی و پیدائش:۔

آپ ہزارہ روڈ پر جھاری کس کے قریب گاؤں میر پور میں اپنے والد قاضی حمیداللہ صاحب کے گھر 1924ء میں پیدا ہوئے۔ گیارہ سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا کچھ عرصہ تک والدہ کی سرپرستی میں رہے لیکن جلد ہی والدہ بھی دار بقاء کو کوچ کر گئیں۔ آپ کے ایک ہی چھوٹے بھائی محمد رفیق صاحب تھے۔

عصری و دینی تعلیم:۔

مولانا شہید نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول شاہیا اور گورنمنٹ ہائی سکول حسن ابدال میں مڈل تک حاصل کی۔ دینی تعلیم کے سلسلہ میں 37-1936ء میں سلطان پور (ہرو) میں فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں پھر بھوئی گاڑ کے قدیم دینی ادارے میں صرف ونحو اور فقہ کی ابتدائی تعلیم حاصل کی اس کے بعد مولانا سکندر دین صاحب سے ہری پور کے علاقہ شاہ محمد میں منطق فنون پڑھے۔ سیریاں بگڑا ہری پور میں شیخ الحدیث مولانا عبدالرؤف صاحب سے ادبی کتابوں کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد علم منطق کے ماہر استاد محمد دین عرف بدھو والے بابا صاحب سے منطق کی بڑی کتابیں پڑھیں پھر خوشاب کے علاقے میں اصول فقہ، نحو، صرف اور ادب کی بعض کتابیں پڑھیں اور بعد میں موضع "انہی" مولانا ولی اللہ صاحب سے معانی اور اصول کی کتابیں پڑھی پھر حضرو اور فتح اللہ میں مولوی خدا بخش سے ہدایہ شریف، جلالین شریف اور موقوف علیہ پڑھا۔ بعد ازاں شیخ الحدیث مولانا عبدالقدیر صاحب سے کتب حدیث اور سراجی پڑھی۔ دورہ حدیث آپ نے کوٹھیالہ شیخاں میں حضرت مولانا سلطان محمود صاحب سے کیا۔ اس دوران آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ مولانا حکیم محمد جان صاحب سے پڑھا اور دورہ تفسیر شیخ القرآن مولانا غلام اللہ صاحب کے ہاں کیا۔ آپ کے ہم عصر علماء تمام کے تمام ملک کے نامور لوگوں میں شمار کیئے جاتے ہیں۔

فراغت کے بعد مصروفیات:۔

دینی علوم میں حتمی تعلیم کی تکمیل پر پہلے بھلڑ جوگی میں خطابت شروع کی پھر پنڈ گدوال واہ کینٹ کچھ عرصہ تک امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیئے۔ ٹیکسلا کی محلّہ عنایت شاہی کی جامع مسجد میں امام وخطیب کی ضرورت پڑنے پر جب اہل محلّہ نے حضرت مولانا محمد جان صاحب سے مشورہ کیا تو انہوں نے آپ کو وہاں جانے کا حکم فرمایا۔ آپ غالباً 55-1954ء میں ٹیکسلا تشریف لائے۔ یہاں آنے کے تھوڑا عرصہ بعد ہی شادی کرلی اور تاحیات اسی مسجد میں دین کی خدمت کرتے رہے۔ ساتھ ہی دینی علوم کی تعلیم کیلئے

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے آپ کا تقرر اپنے مدرسہ تعلیم القرآن میں کر دیا۔اس مدرسہ کے سکول میں تبدیل ہو کر نیشنلائز ہونے کے بعد بھی آپ بطور مدرس خدمات انجام دیتے رہے اوراسی ملازمت کے دوران ایک دن گھر واپسی پر آپ کو شہید کر دیا گیا۔

آپ کی دینی، تبلیغی اور تحریکی خدمات:۔

مولانا محمد صدیق صاحب شہیدؒ ساری زندگی شرک وبدعت اور رفض کے عقائد کی تردید میں توحید وسنت اور مدح صحابہ کے موضوع پر تقاریر فرماتے رہے۔آپ چونکہ خوش آواز تھے اور مثبت انداز میں بیان فرمایا کرتے تھے اس لئے علاقہ بھر سے عقیدت مند جمعہ پڑھنے کے لئے آپ کی مسجد میں آیا کرتے۔اس کے علاوہ جب کبھی کسی عنوان پر ملکی سطح پر علماء تحریک چلاتے تو آپ اس میں بھر پور حصہ لیتے۔1953ء کی تحریک ختم نبوت میں حصہ لے کر پولیس کے ظلم وتشدد اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔اسی طرح ایوب خان کے زمانے میں چاند نہ ہونے کے باوجود حکومت کی طرف سے نماز عید ادا کرنے کی کوشش کا مقابلہ کیا،عید نہ پڑھائی اور پھر گرفتار ہوئے۔1977ء کی تحریک میں بھی آپ نے بھر پور حصہ لیا۔

دینی وسیاسی تنظیمات میں شمولیت:۔

جب 1962ء میں مولانا محمد داؤد صاحب نے جمعیت علمائے اسلام کی مقامی شاخ قائم کی تو آپ اس کے عہدے دار بنے،ٹیکسلا کی تنظیم اہلسنت کیلئے آپ ذمہ دار حضرات میں سے تھے۔اسی طرح انجمن شبان اسلام ٹیکسلا،مجلس تحفظ حقوق اہلسنت اور مجلس تحفظ ختم نبوت وغیرہ تنظیموں کے بھی اہم عہدوں پر آپ فائز رہے۔

آزمائشوں اور مشکلات میں کردار:۔

دنیاوی معاملات میں آپ "حلیم الطبع" تھے البتہ دینی معاملات میں مداہنت سے کام نہیں لیتے تھے۔نازک ترین ماحول کی مسجد میں آپ نے تقریباً پچیس سال رواداری کا ماحول برقرار رکھا۔باوجود بعض اہل محلّہ اور حریفوں کی طرف سے تکالیف،مخالفت اور زیادتیوں کے آپ نے صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔آپ اندرون خانہ بھی بہت نرم مزاج تھے جس کا اگرچہ بہت عظیم نقصان بھی ہوا جسے آپ نے اپنے مزاج کے مطابق بہت حکمت سے مقابلہ کر کے برداشت کیا۔1980ء میں سازش کے تحت پہلے مبینہ طور پر آپ کے گھر پر رات کے وقت فائرنگ کی گئی جس کے بعد انتظامیہ کی سطح پر امکانی حملہ آوروں کے ساتھ مصالحت کرلی گئی۔لیکن دو تین ماہ بعد چند مسلح نوجوانوں نے آپ کے صاحبزادے حبیب الرحمٰن صدیقی اور ان کے رفقاء پر ایک گولی سے گزرتے ہوئے قاتلانہ حملہ کر دیا جس میں خود حملہ آور فریق کا ایک نوجوان قتل ہو گیا۔اس مقدمہ میں آپ کے صاحبزادے اور تین ساتھیوں جناب استاد محمد رفیق صاحب،غلام حیدر صاحب اور یعقوب صاحب کو بطور ملزم نامزد کر دیا گیا۔تمام ملزمان جیل بھیج دیئے گئے جن میں سے مئوخر الذکر تین افراد ضمانتوں پر رہا ہوتے رہے لیکن آپ کے صاحبزادے آپ کی اگلے سال شہادت تک پابند سلاسل رہے۔اس دوران آپ نے بڑی ثابت قدمی سے مقدمات کی پیروی کی اور بہت صعوبتیں برداشت کیں۔(اس مقدمہ کے تفصیلی حالات کتاب کی دوسری جلد میں درج کئے جائیں گے)۔

مولانا محمد صدیق صاحب کی مظلومانہ شہادت:۔

آپ کافی عرصہ سے دمہ جیسی موذی بیماری میں مبتلا تھے لیکن باوجود علالت،کمزوری اور پریشانیوں کے اپنی سکول کی ذمہ داریاں بلاناغہ انجام دے رہے تھے۔دس مئی 1981ء بروز اتوار صبح دس بجے آپ سکول سے محلّہ پڑی کے راستے اپنے گھر کی طرف جارہے تھے تو پیچھے سے قاتل نے 12 بور پستول سے فائر کر کے آپ کو شہید کر دیا اور موقع سے فرار ہو گیا۔آپ کی شہادت کی خبر آناً فاناً پورے شہر میں پھیل گئی اور سینکڑوں عقیدت مند اور شاگرد آپ کے گھر پہنچ گئے۔اس موقع پر مقامی علمائے کرام اور شہری عمائدین نے بہت حکمت عملی سے اشتعال کی کیفیت نہ پیدا ہونے دی اور لواحقین کو صبر وتحمل کی تلقین کی۔

مولانا شہید کا بے مثال جنازہ:۔

دوسرے دن صبح میوزیم کے قریب بہت وسیع میدان میں آپ کی نماز جنازہ مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب (راولپنڈی) نے پڑھائی اور جنازہ میں ہزاروں علماء ومشائخ،حفاظ وقراء،صالحین اور مقامی وعلاقائی مسلمانوں نے ادا کی۔آپ کا جنازہ ٹیکسلا کی تاریخ بہت بڑا اجتماع تھا۔اس موقع پر بھی ذمہ دار حضرات نے اشتعال نہ پیدا ہونے دیا۔مولانا کو آپ کی وصیت کے مطابق گاؤں میں تدفین کیلئے میرپور نزد حسن ابدال لے جایا گیا جہاں دوبارہ شیخ الحدیث مولانا عبدالقدیر صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو اپنے والد صاحب کے جوار میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

آپ کے ورثاء واولاد:۔

آپ کے سوگواروں میں ہزاروں شاگردوں، متعلقین،اہل مسلک،احباب کے علاوہ پانچ بیٹے،ایک بیوہ اور صاحبزادیاں شامل ہیں۔آپ کے جانشین اور بڑے صاحبزادے

مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی صاحب کو بھی 1997ء میں شہید کر دیا گیا۔ اب آپ کی جانشینی مولانا محمد عمر فاروق صدیقی صاحب کے ذمہ جو تا حال براہمہ میں مدرسہ قائم کر کے دینی خدمت میں مصروف ہیں۔ بہر حال آپ تو شہادت جیسی نعمت عظمیٰ سے فیض یاب ہو گئے ہیں اور آپ کے صاحبزادے بھی۔ اس کے ساتھ آپ کے صدقات جاریہ بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائیں۔ آمین۔

زندگی بھر کی دینی خدمت کا صلہ:۔

حضرت مولانا محمد صدیق صاحب شہیدؒ نے خلوص نیت سے پوری زندگی جو پوری زندگی مسلک حقہ کی خدمت کی اس کا صلہ تو آپ کو شہادت کی پر سعادت موت کی صورت میں مل گیا اور دوسرا انعام اللہ تعالیٰ نے ایک شہید فرزند کی شکل میں عطا فرمایا جس نے اپنے ساری جوانی دین کے کاموں اور عقائد حقہ کی تشہیر و حفاظت میں گزار دی یعنی "مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی شہیدؒ"۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کی ٹیکسلا شہر کے لئے پانچ سالہ ہمہ گیر خدمات کا تذکرہ کر دیا جائے تا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ اس خاندان کے ٹیکسلا شہر پر کتنے احسانات ہیں۔

مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی شہیدؒ:۔

آپ کی شہادت کے بعد بہت سے رسائل و اخبارات میں مختلف مضامین تفصیل سے چھپ چکے ہیں۔ یہاں اجمالاً ان کے حالات ذکر کر کے ٹیکسلا شہر کے حوالے سے ان کی گرانقدر خدمات کا تذکرہ مقصود ہے۔

پیدائش، تعلیم اور خدمات:۔

آپ 15 مارچ 1956ء کو ٹیکسلا میں ہی پیدا ہوئے۔ عصری تعلیم میٹرک تک تعلیم القرآن ہائی سکول سے ہی حاصل کی۔ ابتدائی دینی تعلیم والد صاحب سے اور پھر گوجرانوالہ، راولپنڈی اور حضرو میں رہ کر تجوید اور درس نظامی کی کتب پڑھیں۔ 1975ء میں ٹیکسلا فعال تنظیم "انجمن شبان اسلام" میں شامل ہوئے اور ساتھ ہی محلّہ موچیاں میں امامت و تدریس شروع کر دی۔

بقول پروانہ ختم نبوت حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب کے آپ چھوٹی عمر سے ہی مجاہدانہ زندگی کے مالک تھے اور قدرتاً ذہین بھی تھے پٹھان نسل ہونے کے ناطے انتہائی نڈر اور بے باک بھی۔ 1977ء کی تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ میں سب سے پہلے گرفتاری دی، پولیس تشدد کا نشانہ بنے جیل کاٹی اور رہائی کے بعد اپنی رہائش اور مسجد کے محلّہ کے ساتھ ساتھ ملحقہ آبادی سے نوجوانوں کو منظّم کر کے "انجمن غلامان خلفائے راشدین ٹیکسلا" تشکیل دی اور ان کی عقائد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ دینی کام کیلئے متحرک کر دیا۔

کامیاب منصوبہ بندی اور انقلابی اقدامات:۔

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ مذکورہ محلوں میں نسبتاً "زبردست" خاندانوں کی اکثریت تھی اور کسی درجے میں وہ لوگ غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کی طویل المیعاد منصوبہ بندی اور اس پر عمل کے نتیجہ میں نوجوان نسل بیدار ہونا شروع ہو گئی تھی البتہ پختہ عمر اور ادھیڑ عمر طبقے میں ابھی اثرات باقی تھے۔ مولانا صدیقی شہید نے ان افراد کی اولاد کے ذریعے مذکورہ اثرات کو ختم کیا۔ مارشل لاء دور میں مقامی فوجی افسران اور سول انتظامیہ سے ذاتی تعلقات قائم کئے اس لئے کہ قومی اتحاد کی طرف سے وفاقی کابینہ میں شامل جمعیت کے وزراء کے مسلسل دوروں کی وجہ سے مذکورہ افسران سے قرب حاصل ہو گیا تھا اس طرح اہل محلّہ وغیرہ کو اپنے ذاتی مسائل کیلئے بھی ایک سہارا مل گیا جس کیلئے وہ "بالا دست طبقہ" کے دست نظر ہوتے تھے۔

مستقبل کی مشکلات کا سبب بننے والا فیصلہ کن کارنامہ:۔

ٹیکسلا کی بلدیہ کیلئے جب 1979ء میں انتخابات ہوئے تو دوسرے احباب کے ہمراہ آپ نے انجمن شبان اسلام کے سابق صدر اور جمعیت کے سرگرم عہدیدار "سید محمود حسین شاہ صاحب" (موجودہ چیئرمین میونسپل کمیٹی ٹیکسلا) کو اپنے حلقہ سے "کونسلر" کا انتخاب لڑوا کر اور شب و روز کی محنت شاقہ اور کامیاب منصوبہ بندی کر کے کامیاب کروا دیا تو "بااثر حریفوں" کے حلقہ میں شدید "خطرے کی گھنٹیاں" بج گئیں۔ جلتی پر آگ کام آپ نے منتخب چیئرمین کے خلاف عذرداری اور شہری مسائل کے حل کیلئے "انجمن فلاح و بہبود ٹیکسلا" قائم کر کے جہد و جہد اور مطالبات کی منظوری کیلئے اخباری بیانات میں کر دیا۔

مقدمہ قتل میں تلویث اور مصائب کا آغاز و خاتمہ:۔

چنانچہ سازشیں شروع ہو گئیں اور 1980ء کے اوائل سے ان کے مطابق عمل بھی شروع کر دیا گیا۔ پہلی کوشش ناکام ہو گئی تو حتمی کام کیلئے جون کے مہینے میں قاتلانہ حملہ کرا دیا گیا لیکن مارنے والے سے بچانے والے طاقتور خدا نے دشمن کا منصوبہ ان پر الٹ دیا۔ البتہ صدیقی صاحب قتل کے جھوٹے الزام میں ملوث ہو کر جیل چلے گئے اور 1981ء میں والد

مرحوم کی شہادت کے بعد ضمانت پر کچھ دنوں کیلئے جیل سے باہر آئے۔1982ء میں مقدمات سے بری ہو گئے اور اتنی عظیم قربانیوں کے نتیجہ میں بظاہر مصائب کا خاتمہ ہو گیا۔

ٹیکسلا سے ہجرت:۔

قدرت کی طرف سے ٹیکسلا شہر کے لئے مقدر خدمات انجام دے کر اور شہر میں انقلاب بپا کر کے آپ نے حالات کے تناظر میں نقل مکانی کا فیصلہ کیا اور براہمہ میں ڈیرے لگا لیئے۔ اس کے بعد کی شہادت کے دن تک کی قربانیاں اور خدمات بہت تفصیل طلب ہیں۔ یہاں صرف ٹیکسلا میں رہتے ہوئے انقلابی اقدامات کا ذکر مقصود تھا البتہ اس بات کا اعتراف ضروری ہے کہ آپ نے شہر کے لئے ایک پوری فعال نوجوان نسل تیار کر دی جو بدستور مصروف عمل ہے۔

استاد روشن دین صاحبؒ

وطن اصلی اور پیدائش:۔

آپ کے آباؤ اجداد تقریباً دو سال قبل جموں کشمیر سے ہجرت کر کے ٹیکسلا آکر آباد ہوئے۔ چونکہ محنت کش اور باہمت لوگ تھے اس لئے محنت مزدوری کر کے اپنی گزر اوقات کرتے رہے آپ کے والد صاحب بطور ڈرائیور ملازم تھے۔آپ غالباً 1920ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ بدقسمتی سے آپ کے سارے بہن بھائی کچھ بچپن میں اور ایک بڑے بھائی دوران ملازمت سمندر میں ڈوب کر وفات پا گئے۔آپ کے باروزگار ہونے سے پہلے ہی والد صاحب بھی وفات پا گئے۔

عصری تعلیم اور ملازمت:۔

آپ نے غالباً مڈل تک تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد کچھ عرصہ محنت مزدوری کرنے کے بعد فوج میں ملازمت اختیار کر لی اور اس دوران مشرق وسطیٰ میں خدمات انجام دینے کیلئے بھیج دیئے گئے۔ دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر وطن واپسی ہوئی اور مختلف مقامات پر ڈیوٹی سرانجام دیتے رہے۔اس دوران اپنی بیوہ بھابھی سے شادی ہو گئی جو ہماری والدہ ہیں۔

مشیت ایزدی کا فیصلہ:۔

ظاہر ہے کہ اگر فوج میں بصحت نوکری اور رہتے تو آنے والے زندگی اسی ڈھب سے گزرتی جو ریٹائرڈ فوجیوں کا معمول ہے۔اللہ تعالیٰ نے چونکہ آپ کے مقدر میں اپنی پیاری کتاب کی خدمت لکھی تھی اور اس کا منتخب وارث بنانا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا" اور بقول ہمارے محسن، مفسر قرآن حضرت قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب نور اللہ مرقدہ کے "علمائے ربانین" میں شامل فرمانا تھا اس لئے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ ان علماء سے مراد یہ ناظرہ قرآن مجید پڑھانے والے اساتذہ ہیں اسی لئے غالباً اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوران ملازمت اس وقت کی مہلک بیماری ٹی بی میں مبتلا کر دیا جس کی وجہ سے آپ کو فوج سے ریٹائر کر دیا گیا۔اور یوں آپ کی انقلابی زندگی کا آغاز ہو گیا۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب سے قربت:۔

حضرت مولانا چونکہ محلّہ کی مسجد کے امام تھے اور طبیب بھی تھے اس لئے والد صاحب کو حضرت سے قربت حاصل ہو گئی اور حضرت نے بھی آپ سے بھی چھوٹے بھائیوں کی طرح کا سلوک شروع کر دیا اس لئے کہ گھر میں غربت بھی تھی اور گزارہ صرف معمولی پنشن پر تھا۔

والد صاحب کا علاج، صحت یابی اور خدائی عطیہ:۔

اگرچہ مذکورہ مرض آج کی طرح کا" کینسر" تھا جس کا علاج انتہائی مہنگا تھا اور مرض بھی بہت مہلک تھا، مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے خود بھی ادویہ دیں اور کوشش کر کے مری کے سالمی سینی ٹوریم میں داخلہ بھی کروا دیا جہاں طویل عرصہ داخل رہ کر والد صاحب نے علاج کرایا تو اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرما دی۔اس دوران ہی رب کائنات نے راقم السطور اولاد کا عطیہ دے دیا۔جس کا نام غالباً حضرت مولانا محبوب عالم صاحبؒ یا مولانا موصوف نے "صلاح الدین" رکھا۔ جسے ایک بار حضرت قاضی صاحبؒ نے اپنے ایک مکتوب میں یوں رقم فرمایا" آپ کے نام میں صلاح دین کا عنصر بحمد تعالیٰ غالب ہے"۔میری پیدائش کی تاریخ آپ نے چھوٹی سے ڈائری میں 26دسمبر 1948ء تحریر فرمائی ہے۔

تبلیغی جماعت سے تعلق اور دوسری بیماری:۔

محترم والد صاحب مرحوم حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کی ترغیب پر تبلیغی جماعت سے منسلک ہو گئے تھے اور وقت لگانا شروع کر دیا تھا بلکہ ٹیکسلا کی مقامی جماعت کے امیر بھی مقرر کر دیئے گئے اسی لئے بعض دوست آپ کو "امیر صاحب" لقب ہی سے پکارا کرتے تھے۔غالباً میر شیر خوارگی کے عرصے میں ہی آپ جماعت کے ساتھ جہلم شہر میں وقت لگا رہے تھے کہ ایک رات مسجد میں ذکر کے دوران ایسا انوارات کا نزول ہوا جس کا تحمل نہ کر سکے اور ذہن مختل ہو گیا کچھ عرصہ یہ بیماری بھی چلتی رہی اور مولانا موصوف کے علاوہ دوسرے معالجوں کی دوائیوں سے اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرما دی۔آپ تاحیات کسی نہ کسی سطح پر تبلیغی جماعت کے معمولات میں حصہ لیتے رہے مقامی کام سے لے کر سالانہ اجتماع

تک۔

امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے بیعت سلوک:۔

چونکہ مولانا محمد داؤد صاحب امام لاہوریؒ کے سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے اور ہفتہ وار مجلس ذکر بھی کراتے تھے جبکہ والد صاحب کا آپ سے بہت قریبی تعلق تھا اس لئے مولانا موصوف نے والد صاحب کو اپنے شیخ سے بیعت سلوک کرنے کا مشورہ دیا۔ اس مشورہ پر عمل کس سال ہوا یہ تو معلوم نہیں ہوسکا البتہ بیعت ہونے کے بعد آپ تاحیات اپنے روحانی اسباق کا معمول پورا کرتے رہے اور سال میں دوتین بار شیرانوالہ مرکز میں بلاناغہ حاضری بھی دیتے رہے اسی طرح ہفتہ روزہ "خدام الدین" کا مطالعہ بھی کرتے رہے۔ اسی طرح اپنے شیخ کی سیاسی جماعت کے طویل عرصہ مقامی سے لے کر ضلعی عہدے دار بھی رہے۔ جس کی تفصیل جمعیت کے حوالے سے آگے آ رہی ہے۔

مدرسہ تعلیم القرآن میں خدمات:۔

آپ نے کافی عرصہ مزکورہ مدرسہ میں ناظرہ قرآن پاک کی تعلیم اور ابتدائی کلاسوں کو قاعدہ پڑھانے اور خوشخطی سکھانے کی ذمہ داری پوری کرتے رہے۔ غالباً اس ملازمت کا 25 یا 30 روپے معاوضہ ملتا تھا جو کبھی کبھار یا کئی ماہ بعد اکٹھا ملتا۔ اس دوران پنشن کی کچھ رقم اکٹھی ملنے پر آپ نے پنساری کی دکان شروع کی لیکن صبح پہلے سکول جا کر بچوں کو ناظرہ قرآن مجید پڑھانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ سلسلہ آپ نے گھر میں بھی تاحیات ختم نہ ہونے دیا اور الحمدللہ اب بھی راقم السطور اور آپ کے پوتے اس مبارک کام کو جاری رکھے ہوئے ہیں ۔ مدرسہ کی ملازمت کے دوران اللہ تعالیٰ نے 1957ء میں آپ کو دوسرا بیٹا بھی عطاء فرمایا۔

قید و بند کی صعوبتیں:۔

آپ چونکہ جمعیت کے ذمہ دار عہدے دار تھے اور ساتھ ہی 1977ء میں بننے والے پاکستان قومی اتحاد تحصیل ٹیکسلا کے صدر بھی تھے اسلئے تحریک نظام مصطفٰی کے دوران آپ کو "ڈیفنس آف پاکستان رولز" کے تحت گرفتار کرکے جیل بھیج دیا گیا جہاں سے تحریک کے خاتمہ پر ہی رہائی نصیب ہوئی۔ اس کے علاوہ تین چار دفعہ 188 کے مقدمات میں دیگر علماء اور راقم السطور کے ساتھ آپ کو بھی بطور ملزم نامزد کیا جاتا رہا۔ مقدمات بھی چلے اور اللہ نے کیا کہ ختم بھی ہوتے گئے۔

رزق حلال کی برکات:۔

تجارت کے دوران آپ خصوصی طور پر جائز منافع لینے کی کوشش کرتے، گاہک کو تھوڑی دوا لینے کی نصیحت کرتے تاکہ اس کا خرچ کم ہو اسی طرح شراب وغیرہ بنانے والوں کو مطلوبہ اشیاء نہ بیچتے۔ بظاہر دیندار ملازمین رکھتے جو بہت زیادہ غبن کرتے لیکن آپ جب تک اس کو خود نہ دیکھ لیتے ملازمت سے فارغ نہ کرتے اور اس وقت بھی اسے اس جرم کا حوالہ نہ دیتے۔ اس کی برکت سے اگرچہ دوسرے ہم عصروں کے مقابلہ میں آمدنی کم ہوتی لیکن آپ اطمینان قلب سے اپنا معمول جاری رکھتے اور دوکانداری کے ساتھ ساتھ تبلیغ دین کا فریضہ بھی انجام دیتے چنانچہ آمدنی میں غالب حصہ حلال کا ہوتا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سفر آخرت سے پہلے پانچ حافظ پوتے نصیب فرمائے جنہوں نے خود آخری غسل دے کر اور جنازہ پڑھ کر آپ کو اپنے رب کی ملاقات کیلئے الوداع کہا۔ موت بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں دوران اعتکاف نصیب فرمائی اور جنازہ بھی انتیسویں شب کو سینکڑوں علماء، مشائخ، حفاظ، قراء اور صالحین نے ادا کیا۔ کئی علماء نے آپ کی موت کو قابل رشک قرار دیا اور ایسی موت کی اپنے لئے تمنا کی۔

حج بیت اللہ کی سعادت:۔

باوجود مالی حالات زیادہ بہتر نہ ہونے کے آپ نے حج کا ارادہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے 1980ء میں یہ سعادت نصیب فرمادی حالانکہ ان دنوں میں قتل کے مقدمات کی وجہ سے بہت زیادہ مصروف اور بظاہر سرپرستی کا محتاج تھا لیکن غالباً میرے لئے مقبول دعاؤں کا قدرت نے یہ غیبی انتظام فرمادیا تھا اور واقعی ان دعاؤں کی قبولیت کے مظاہر قدم قدم پر محسوس بھی ہوئے۔

والد گرامی کے بارے میں ایک مشہور عالم دین کی رائے:۔

ملک کے نامور عالم دین شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی صاحبؒ چونکہ رمضان المبارک کی وجہ سے جنازہ میں شرکت نہ فرما سکے تھے اس لئے وہ عید الفطر کے بعد تعزیت کے لئے تشریف لائے اور بعد میں روزنامہ "اسلام" کے دو نومبر 2006ء کے شمارے میں شائع شدہ اپنے کالم میں یوں رقم طراز ہوئے:۔

"عید الفطر سے ایک روز قبل ہمارے ایک پرانے بزرگ مولانا روشن دین صاحب ٹیکسلا میں انتقال کر گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ وہ ہمارے دور میں جمعیت علمائے اسلام ضلع راولپنڈی کے سیکرٹری جنرل اور پھر امیر رہے۔ شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز سے بیعت کا تعلق تھا اور اتنے پکے مرید تھے کہ حضرتؒ کے بتائے ہوئے اسباق کا معمول زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا۔ سادہ اور نیک دل بزرگ تھے۔ اپنی کریانے کی دکان تھی اور دکانداری کے ساتھ ساتھ جمعیت علمائے اسلام اور تبلیغی

جماعت دونوں کو اچھا خاصہ وقت دیا کرتے تھے۔تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ کے دوران 1977ء میں گرفتار ہوئے۔اور بھی متعدد دینی تحریکات میں سرگرم کردار ادا کیا۔ان کے فرزند صلاح الدین فاروقی دینی تحریکات اور جدوجہد کے باشعور،خاموش اور فعال کارکنوں میں سے ہیں۔وقت کی دینی ضروریات کو سمجھنا اوران کے لئے خاموشی سے کچھ نہ کچھ کرتے رہناان کا معمول ہے میرے انتہائی قریبی دوستوں اور ساتھیوں میں سے ہیں۔گزشتہ کم وبیش 35 برس سے ان کا گھر میری آمدورفت کا مرکز ہے اوراب بھی وقت اجازت دے تو آتے جاتے ایک رات ان کے ہاں گزارنے کی کوشش کرتا ہوں۔مولانا روشن دینؒ کے ساتھ ایک عرصہ جماعتی تعلق رہا ہے۔ان کی سادگی،بے باکی اور استقامت ہمیشہ متاثر کیا اورانہوں نے ہمیشہ دعاؤں،نصیحتوں اور حوصلہ افزائی سے نوازا۔29 رمضان المبارک کو ان کے پوتے حافظ محمد معاویہ نے فون پر اطلاع دی کہ دادا جی کا انتقال ہو گیا،رمضان المبارک کے آخری ایام کی مصروفیات اس قدر زیادہ ہوتیں ہیں کہ خواہش کے باوجود جنازہ میں حاضری کی کوئی صورت نہ نکال سکا۔اس موقع پر صلاح الدین فاروقی صاحب نے ایک مسجد میں عشاء کے بعد تعزیتی جلسہ کا پروگرام رکھ لیا اور ہم نے ان کے خاندان کے ساتھ ساتھ ٹیکسلا کے عام دوستوں سے بھی ایک نیک اور بزرگ رہنما کی وفات پر تعزیت کر لی"۔

ان اساتذہ کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ ایک اور ٹیکسلا وعلاقہ کی محسن شخصیت حضرت مولانا قاضی شمس الدین احمد قریشی صاحب کا تذکرہ بھی بہت ضروری ہے جنہوں نے تقریباً دس پندرہ سال ٹیکسلا میں مطب اور کتب خانہ قائم کر کے بڑی خدمات انجام دیں۔

مولانا قاضی شمس الدین احمد قریشی صاحب

خاندانی پس منظر،پیدائش اور تعلیم:۔

آپ گزشتہ صفحات میں بار بار مذکور بھوئی گاڑ کے مشہور علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے مولانا غلام ربانی صاحب جو آپ کے والد گرامی تھے بھوئی گاڑ آکر آباد ہونے والے حافظ شیخ احمد قریشیؒ کے پوتے تھے۔قاضی صاحب کے دادا کا نام مولانا امیر حمزہ تھا۔آپ کی والدہ قریبی دیہات ملھوڈ ھیری دے تعلق رکھتی تھیں آپ پانچ جون 1929ء کو تولد ہوئے اور ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں میں ہی حاصل کی پھر علاقہ سواں میں کچھ عرصہ دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے بڑے بھائی مولانا قاضی ضیاء الدین صاحب اور بھتیجے حکیم احمد حسن کے ہمراہ 1942ء میں مشہور علمی درسگاہ موضع انہی ضلع گجرات میں مولانا ولی اللہ صاحب کے ہاں درس نظامی کی کتب مکمل کیں اور دورہ حدیث 1950ء میں کٹھالہ شیخاں میں شیخ الہندؒ کے مایہ ناز شاگرد شیخ الحدیث مولانا سلطان محمود صاحب کے ہاں کیا۔فارغ التحصیل ہونے کے بعد راولپنڈی میں مولانا مسعود عالم ندوی صاحب سے عربی ادب کی کتابیں پڑھیں۔

تدریس وتبلیغ:۔

دینی علوم کے حصول کے بعد ابتدائی طور پر اپنے آبائی مدرسہ میں تدریس کی اور بعد میں 1955ء کے لگ بھگ ٹیکسلا شہر میں قائم عیسائیوں کے مشن ہسپتال کے بالمقابل کتب خانہ اور دواخانہ بنایا جہاں ایک دینی اشاعتی ادارہ "دارالاشاعت والتبلیغ" کے نام سے قائم کر کے کتابوں کی اشاعت بھی شروع کر دی اور ساتھ ہی حسن ابدال میں مدرسہ اشرفیہ تعلیم القرآن میں تدریس اور مسجد محلّہ اندرون میں درس قرآن کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ساتھ ہی آپ تبلیغی جماعت کے کام میں بھی مصروف ہو گئے اور بیرون ملک کئی اسفار بھی اس سلسلہ میں کئے۔1970ء میں آپ حسن ابدال کے مدرسہ کے مہتمم مقرر ہو گئے اور 1975ء میں اپنے اہل وعیال سمیت رہائش بھی حسن ابدال میں ہی اختیار کر لی۔وہاں کی مسجد میں آپ طویل عرصہ خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے رہے۔

اصلاحی وتبلیغی خدمات اور روحانی نسبت:۔

آپ نے اپنا سلسلہ سلوک کا روحانی تعلق خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے سجادہ نشین خواجہ محمد عبداللہ صاحبؒ سے قائم کیا اوران کے وصال کے بعد ان کے جانشین حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ سے تجدید بیعت کر لی۔ان مذکورہ تدریسی تبلیغی اور اصلاحی مصروفیات کے ساتھ ساتھ آپ نے علاقہ بھر کے مسلکی اور تحریکی کاموں میں بھی بھرپور شرکت جاری رکھی۔جمعیت علمائے اسلام اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے پروگراموں فعال رہے۔1953ء کی تحریک ختم نبوت میں گرفتار بھی ہوئے۔عیسائیت کی تبلیغ کا دفاع کتابیں شائع کر کے کیا۔فرق باطلہ اور بدعات ورسومات کے خاتمہ کیلئے اجتماعات سے خطاب کے دوران تحقیقی کتابیں اور کتابچے شائع کئے جن میں سے کچھ کے نام درج ذیل ہیں:۔

1)حقیقت عیسائیت 2)عیسائیت کی پہچان 3)بائبل کے شگوفے 4)آئینہ عیسائیت 5)عیسائیوں کی خطرناک چالیں 6)پرویزی مذہب

7)سیرت امام اعظمؒ 8)برکات رمضان 9)اتحاد ملت 10)افتراق امت 11)عقائد اہلسنت 12)شان محرم

13)برکات الحرمین الشرفین 14)حقیقت معراج النبی ﷺ 15)اشاعت اسلام کے اسباب 16)سیاست اسلامیہ اور فلسفہ جہاد

17)درودوسلام مع مسئلہ قیام 18)سیرت حبیب مع حلیہ شریف 19)مسئلہ قربانی مع جوابات منکرین 20)نایاب موتی یعنی دعوت وتبلیغ

21)نداءالفرقان مع فتوی علیٰ مسئلہ دوران القرآن

حج بیت اللہ کے اسفار:۔

آپ نے 1957ء، 1967ء اور 1975ء میں تین بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور روضہ رسول اللہ ﷺ پر حاضری کا شرف حاصل کیا۔

سفر آخرت اور اولاد:۔

حسن ابدال میں تشریف لا کر آپ تاحیات وہیں مقیم رہے اور بوجہ علالت 26 فروری 1989ء رحلت فرما گئے۔صدقہ جاریہ کے طور پر دینی خدمات ومذہبی مصروفیات کے علاوہ چار حافظ وعالم فرزند دینی خدمات میں مصروف ہیں جن کے اسمائے گرامی مولانا پروفیسر قاضی محمد یوسف قریشی، مولان قاضی معین الدین، مولانا قاضی محمد طیب قریشی اور مولانا حکیم محمد قاسم قریشی ہیں۔مئوخر الذکر اواخر اگست 2017ء میں ٹریفک حادثہ میں جاں بحق ہو کر شہادت کا رتبہ پا گئے ہیں۔اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائیں۔

جناب حافظ محمد رفیق صاحبؒ

پیدائش:۔

14 اگست 1947ء بمطابق 27 رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ

خاندان:۔

ٹیکسلا کے ایک محنت کش خاندان میں پیدا ہوئے۔والد کا نام عبدالرحمٰن تھا جو میرے والد صاحب کے ہمراہ فوج میں ملازم رہے۔اور قیام پاکستان سے پہلے مشرق وسطیٰ میں فوج کے ساتھ خدمات انجام دیتے رہے۔فوج سے فارغ ہو کر اپنے آبائی پیشے کے مطابق رزق حلال کماتے رہے۔

تعلیم:۔

عصری تعلیم کیلئے ہم دونوں حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کے قائم کردہ "مدرسہ تعلیم القرآن" میں 1953ء میں داخل کرائے گئے جہاں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ درس نظامی کی ابتدائی کتب بھی پڑھائی جاتی تھیں اور عملی دینی تربیت کا بھی انتظام تھا۔قرآن مجید ناظرہ وترجمہ تمام کلاسوں کو پہلے پیریڈ کے طور پر پڑھایا جاتا۔

مڈل سٹینڈرڈ کا امتحان ہم نے 1962ء میں دیا اور پورے تحصیل کے سنٹر میں اول اور دوم پوزیشنیں لے کر پاس کیا۔میٹرک سائنس مضامین کے ساتھ 1964ء میں فرسٹ ڈویژن میں اچھے نمبروں سے کیا۔اتفاق سے ہم دونوں کے حاصل کردہ نمبر بالکل برابر تھے۔انٹرمیڈیٹ کی سائنس مضامین کے ساتھ تعلیم کیلئے حضرت مولان محمد داؤد صاحبؒ کے حکم کے مطابق راولپنڈی کے گورنمنٹ ڈگری کالج اصغر مال میں داخلہ لیا لیکن بوجوہ سالانہ امتحان میں کامیاب نہ ہو سکے اور پھر مالی حالت کمزور ہونے کی وجہ سے ہم دونوں نے ملازمتیں اختیار کرلیں اور بعد میں اگلے امتحانات پرائیویٹ امیدوار کے طور پر دیئے۔حافظ محمد رفیق صاحب نے سرگودھا بورڈ سے 1969ء میں ایف ایس سی کا امتحان پاس کیا پنجاب یونیورسٹی سے بی اے 1976ء میں، ایم اے (اسلامیات) 1979ء میں اور ایم اے (تاریخ) 1980ء میں کیا۔

حفظ قرآن مجید:۔

مڈل کا امتحان دے کر علاقہ کی مشہور درسگاہ بھوئی گاڑ میں حفظ کیلئے داخلہ لے لیا تھا لیکن والد صاحب نے پہلے میٹرک کر لینے کا حکم دیا۔پھر 1973ء میں اپنے طور پر قرآن مجید حافظ قائم دین صاحب سے یاد کرنا شروع کر دیا اور تقریباً دس پارے حفظ ہو گئے لیکن پھر ملازمت اور جماعتی مصروفیات کے وجہ سے یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا اور یاد کردہ پارے بھول گئے۔

قتل کے مقدمات کے بعد جب ملازمت سے مستعفی ہو گئے "تعلیم الاسلام ہائی سکول ٹیکسلا" کے مینیجر اور ہیڈ ماسٹر کے طور پر فرائض انجام دے رہے تھے اور سلسلہ سلوک میں ولی کامل حضرت قاضی محمد زاہد الحسینی صاحبؒ سے بیعت ہو کر باطنی تربیت کرانے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا تو اس دوران پینتالیس سال کی عمر میں 1992ء کے سال اپنے شیخ سے حفظ قرآن کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے اجازت بھی دے دی اور اسی وقت دعاؤں سے بھی نوازا۔چنانچہ آپ نے اپنے پہلے استاد حافظ قائم الدین صاحب کو سابقہ طریقہ کے مطابق روزانہ ایک پاؤ پارہ یاد کر کے سنانا شروع کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اپنے شیخ کے دعاؤں اور توجہ سے پانچ ماہ اور تین دن میں پورا قرآن مجید یاد کر لیا۔

اس موقع پر حضرت قاری صاحبؒ نے آپ کو اپنی طرف سے حوصلہ افزائی کیلئے ایک نفیس قسم کی سفید چادر عطا فرمائی اور چند دن بعد شروع ہونے والے رمضان المبارک میں تراویح کے اندر سنانے کا حکم فرمایا۔چنانچہ آپ نے اسی سال منزل سنادی۔

ملازمت:۔

انٹرمیڈیٹ کے پہلے امتحان میں ناکامی کے بعد گھریلو حالات کے پیشِ نظر چند جگہوں پر جزوی ملازمت کی اور بالآخر 9 فروری 1968ء کو پی او ایف میں ڈرائنگ آفس میں ملازم ہوگئے اور اپریل 1979ء میں جب انجمن کا سکول تعلیم الاسلام قائم ہوکر فعال ہو چکا تھا۔ تو اپنے سرکاری ملازمت سے مستعفی ہوکر بطور مینیجر اور ہیڈ ماسٹر سکول کا انتظام سنبھال لیا اور اپنی زندگی اس خدمت میں کھپادی۔ چونکہ سکول پہلے انجمن شبان اسلام اور بعد انجمن تعلیم القرآن کے زیرِ انتظام تھا اور آپ ایک طرح انجموں کے ملازم ہی تھے تو یہ ملازم 2005ء تک جاری رہی۔

فعال زندگی کے شب وروز:۔

جناب حافظ محمد رفیق صاحب اور راقم السطور عصری تعلیم کے حصول کیلئے اول ادنیٰ سے ایف ایس سی تک ہم جماعت رہے اور انجمن شبان اسلام کی رکنیت، عہدیداری اور فعالیت کے علاوہ جمعیت علمائے اسلام کے سیاسی کام کے ساتھ ساتھ وقتاً فوقتاً بننے والی "پارٹ ٹائم" مقامی تنظیموں میں ہم سفر رہے۔ روحانی تربیت کے لئے اپنے محسن ومربی حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی نور اللہ مرقدہ سے 1981ء سے اکٹھا سفر شروع کیا جو حضرتؒ کے وصال تک جاری رہا۔ اپنے اپنے فطری مزاج کے مطابق حضرتؒ سے جتنا جتنا مقدر تھا فیض حاصل کیا۔ چونکہ یہ معاملہ "روحانی" ہوتا ہے، اس کا علم یا اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے یا شیخ طریقت کو کہ "سالک" کی "باطنی کیفیت" کیا ہے؟ بہرحال عام انسان ظاہری حالت کے مشاہدہ سے ہی اپنی رائے قائم کرسکتا ہے۔

رفیق محترم کے زندگی کے شب وروز اجمالاً پیش کرنے سے پہلے اپنے مشاہدے کے مطابق ان کے مزاج، ذوق اور دلچسپیوں کے متعلق مختصر جائزہ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ بچپن ہی سے "سلیم الطبع" تھے اور نیکیوں میں سبقت لینے کا جذبہ رکھتے تھے۔ نوعمری میں بھی ہم جیسے شرارتی دوستوں کی رفاقت کے باوجود نامناسب حرکات میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ البتہ میٹرک کے بعد "انٹر" کی کلاسوں میں راولپنڈی قیام پذیر ہونے کے بعد مجھ جیسے بگڑے نوجوان کی ہمراہی اور شہر کے ماحول سے تقریباً چار سال کے عرصہ کیلئے متاثر ضرور ہوئے اور یہ کیفیت واپس گھر آکر واہ میں ملازمت شروع کرنے تک جاری رہی۔ اپنے شہر میں "انجمن شبان اسلام" کی مذہبی مصروفیات میں "فطری سلامت طبع" کے جذبہ کو اجاگر کردیا اور تاحیات مثالی کردار کے حامل بن گئے۔

جماعتی کاموں میں "زیادہ مشقت" کے عادی نہ تھے البتہ علمی ذوق کی وجہ سے "مطالعہ کتب" اور "اسفار" آپ کا دل پسند معمول تھا۔ اس طرح جماعت کی فکری رہنمائی وقیادت آپ کے حصہ میں آئی۔ اسی طرح اپنی خوش خلقی، انکساری، نرم گوئی، صبر وتحمل، ہمدردی وخلوص کی صفات کے استعمال سے اراکین ومعاشرے کے ذمہ دار افراد سے قریبی تعلقات جماعت کیلئے اور خود ان کے لئے ہمیشہ فائدہ مند ثابت ہوئے۔ آپ مخاطب کو متاثر کرنے کے فن کے ماہر تھے اور آسانی سے مطلوبہ ہدف پورا کرلیتے تھے۔ باقی تفصیلات راقم السطور کے ذاتی حالات وواقعات اور سرگرمیوں کے ضمن میں آجائیں گیں۔

محترم جناب حافظ محمد رفیق صاحب مرحوم کی زندگی ومصروفیات کی ایک جھلک سال بہ سال کے حساب سے درج ذیل ہے۔ یہ تفصیلات ان کی سرکاری ملازمت کی مصروفیت کے علاوہ ہیں اور انجمن شبان اسلام کے قیام سے اختتام تک۔

16-08-1964:۔انجمن شبان اسلام ٹیکسلا میں شرکت، 18-07-1965:۔انجمن کے نائب ناظم 15-10-1965:۔انجمن کے ناظم دفتر

22-05-1966:۔انجمن کے معاون ناظم نشر واشاعت، 15-10-1967:۔انجمن کے ناظم دفتر وانچارج لائبریری

28-11-1967:۔اسلامیہ سکول پنڈی کی ملازمت سے استعفیٰ، 1967 سے 1970ء:۔ملازمت کے ساتھ ساتھ مرکزی انجمن کی مصروفیات، شاخوں کے دورے، جمعیت کی لاہور کانفرنس میں شرکت۔ 1970ء:۔جمعیت کی انتخابی مہم میں مصروفیت مارچ 1973ء:۔لاہور، ساہیوال، پاکپتن، ملتان اور بہاولپور کا جماعتی سفر۔ اپریل 1974ء:۔لاہور، ملتان، خانپور اور دین پور کا ذاتی مطالعاتی سفر۔ مئی 1974ء:۔"مجلس عمل تحریک ختم نبوت" کی مقامی شاخ میں فعالیت، 07-08-1974ء:۔حافظ الحدیث حضرت درخواستیؒ کی ٹیکسلا آمد پر تقریب نکاح 15-19-1974:۔ذاتی شادی

08-02-1975ء:۔مطالعاتی سفر مظفر آباد براستہ ایبٹ آباد اور واپسی براستہ مری۔ 15-06-1975:۔لاہور میں جمعیت کے اجلاس میں ٹیکسلا کی نمائندگی

-06-1975 :۔مجلس تحفظ ناموس صحابہؓ ٹیکسلا کی رکنیت۔ 29-08-1975:۔جامع مسجد گدوال واہ کینٹ میں جمعہ کی خطابت کا آغاز۔

20-09-75 تا 25:۔دوران رمضان خانقاہ سراجیہ کندیاں میں قیام۔ 12-10-1975:۔انجمن شبان اسلام کے بطور امیر۔

10-1975 :۔زیارت کاکا صاحب، پشاور اور کوہاٹ کا مطالعاتی سفر۔ 19-11-1975:۔استاد صاحب سے قرآن مجید کے ترجمہ پڑھنے کا آغاز

15-05-1976:۔اسلام آباد میں "مسجد شب بھر" کی تعمیر میں شرکت 25-07-1976:۔اسلام آباد میں انجمن کی شاخ کا قیام اور اجلاس کی صدارت۔

12-1976 :۔انجمن کی طرف سے اسلامی کیلنڈروں کی طباعت کیلئے لاہور کا سفر۔ 1977-4 تا15:۔بارہ روزہ مطالعاتی دورہ کراچی۔

28,29-05-1977:۔مطالعاتی سفر مری، ایوبیہ، نتھیا گلی، ایبٹ آباد 06-07-77 تا14:۔پورے پاکستان کی سیر کیلئے کراچی شہر تک آمد ورفت۔

12-08-77 تا15:۔مطالعاتی سفر سوات، کالام، بحرین، مرغزار 21-10-77 تا22:۔مطالعاتی سفر پشاور باڑہ۔

13-12-1977:۔آغاز "تعلیم الاسلام سکول ٹیکسلا" 18-06-1978:۔قیام شاخ "مجلس تحفظ حقوق اہلسنت ٹیکسلا"

25-06-78 تا27:۔جماعتی سفر ڈیرہ اسماعیل خان برائے شرکت "خلافت راشدہ کانفرنس" 12-07-1978:۔ملاقات قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند (ٹیکسلا) 15-07-1978:۔ملاقات حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب دیوبند (راولپنڈی)۔ 17-07-1978:۔ملاقات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب (راولپنڈی)۔ 16-09-1978:۔جماعتی سفر ملتان برائے شرکت اجلاس جمعیت، واپسی براستہ خانقاہ سراجیہ کندیاں۔

12-10-1978:۔"انجمن فلاح و بہبود ٹیکسلا" میں شرکت۔ 15-10-1978:۔ملاقات حضرت مولانا مفتی محمود صاحب برائے عیادت (روالپنڈی)۔

12-1978 :۔"انجمن شہریان ٹیکسلا" کے قیام کی کوشش 15-05-8-1979:۔روحانی سفر پشاور برائے ملاقات حضرت مولانا فقیر محمد صاحب ومولانا محمد اشرف صاحب۔ 05-1979- :۔ٹیکسلا شہر کی بلدیاتی انتخاب کیلئے حلقہ بندی کے کام میں دلچسپی وذمہ داری 06-1989- :۔مستقل تقرری بطور مینیجر وہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام سکول بعد استعفیٰ از ملازمت 06-07-1979:۔جمعیت علمائے اسلام ٹیکسلا کا بطور ناظم انتخاب 15-8-79 تا25:۔اجتماعی اعتکاف مرکزی جامع مسجد ٹیکسلا۔ 25-09-1979:۔بلدیاتی انتخاب میں فعالیت اور سید محمود شاہ صاحب پر بطور کونسلر انتخاب 12-79- :۔پوراماہ دورِدھوپ برائے سنی چیئر مین انتخاب۔ 12-1979 :۔بالواسطہ کوشش سے تعلیم القرآن کی عمارت کی بازیابی 08-06-1980:۔سنی، شیعہ تصادم میں زخمی اور بطور قتل کے ملزم نامزدگی وگرفتاری 29-06-1980:۔عبوری ضمانت پر رہائی برائے امتحان ایم اے۔

14-10-1980:۔جناب مفتی محمود صاحب کے جنازہ میں شرکت (ڈیرہ اسماعیل خان) 09-11-1980:۔منسوخی عبوری ضمانت وجیل روانگی

20-5-1981:۔بعد شہادت مولانا محمد صدیق صاحب ضمانت پر رہائی۔ 21-05-1981:۔"سواد اعظم اہلسنت علاقہ ٹیکسلا" کا قیام اور شرکت۔

03-7-1981:۔ابتداء روحانی تعلق حضرت قاضی محمد زاہد الحسینی صاحبؒ ایبٹ آباد۔ 24-07-1981:۔ابتداء اجتماعی اعتکاف مرکزی جامع ٹیکسلا

08-8-1981:۔منتقلی سکول انتظام ملحقہ عمارت انجمن تعلیم القرآن ٹیکسلا۔ 09-1981- :۔کامیابی تحریک عدم اعتماد بخلاف چیئر مین بلدیہ ٹیکسلا رضا حسین شاہ۔ 01-02-1982:۔روانگی ہمراہ وفد خانقاہ سراجیہ کندیاں:۔27-3-1982:۔روانگی ہمراہ وفد چکوال برائے ملاقات جناب قاضی مظہر حسین شاہ صاحب۔ 17-05-1982:۔صلح مقدمات قتل وتشکیل امن کمیٹی ٹیکسلا۔ 22-05-1982:۔مقدمات قتل سے برّیت۔

01-07-1982:۔ملاقات حضرت صوفی محمد اقبال مدنی صاحب (چوہڑ ہڑپال پنڈی)

30-07-1982:۔"انجمن اشاعت والقرآن والحدیث ٹیکسلا" کا قیام 01-09-1982:۔سہ روزہ دورہ لاہور وملاقات حضرت درخواستیؒ، امام الہدیٰؒ وصوفی اقبال مدنی صاحبؒ۔ 07-11-1982:۔سفر لاہور وملاقات حضرت شاہ ابرارالحق صاحب خلیفہ حضرت تھانویؒ، 6-1983- :۔اجتماعی اعتکاف مدینہ مسجد اٹک مع طلبہ سکول حصہ ہائی۔ 7-1983- :۔انجمن کے خلفشار کی وجہ سے امارت سے استعفیٰ لیکن نامنظوری 23-10-1983:۔انتقال پر ملال والد محترم عبدالرحمٰن صاحب۔ 25-10-1983:۔تشریف آوری حضرت قاضی صاحبؒ برائے تعزیت 17-11-1983:۔انتقال نومولود پہلی بیٹی۔

01-04-1984:۔ اسلامیہ سکول برائے طالبات ٹیکسلا کی ابتداء۔ 4-1984- :انجمن شبان اسلام کی دوحصوں میں تقسیم۔

30-04-1981:۔ابتداء تعمیر مشترکہ ذاتی عمارت برائے اسلامیہ سکول۔ 7-1984 :۔مطالعاتی سفر، کاغان، ناران ہمراہ طلبہ سکول ہائی حصہ ہائی

01-01-1985:۔ابتداء اسلامیہ ہائی سکول برائے طلبہ (جیون روڈ) 14-02-1985:۔قیام جمعیت اہلسنت ٹیکسلا۔

25-02-1985:۔قومی انتخابات میں چوہدری نثار علی خان وسرور خان کی بھرپور حمایت 3-1985 :۔سکول کی پہلی میٹرک کلاس کا سالانہ امتحان

16-7-1985:۔"مدنی سکول اٹک" کی ابتداء بتعاون جناب رفیق صاحب 16-7-1985:۔انجمن شبان اسلام کی تنظیم نو با انضمام فاروقی فورس ٹیکسلا

29-12-1985 تا06-01-1986 سفر بھارت برائے شرکت "شیخ الہند سیمینار" دہلی۔ 24-03-1986:۔ابتداء شاخ "اسلامیہ پرائمری سکول ڈھیاں"

01-10-1986:۔ابتداء شاخ "اسلامیہ پرائمری سکول" احاطہ 11-1986:۔مسجد عثمان غنیؓ میں قفل شکنی کی واردات۔ 04-02-1987 تشریف آوری

"حضرت قاضی صاحبؒ اسلامیہ سکول برائے دعا۔ 4-1987:۔ابتداء اسلامیہ سکول ہائی حصہ برائے طلبہ

11,12-1987:۔دوڑ دھوپ برائے سنی چیئر مین بلدیہ ٹیکسلا وہ کامیابی۔ 05-02-1988:۔اسلامیہ سکول میں چوری کی واردات

17-08-1988:۔اسلامیہ سکول میں دوبارہ چوری وآتش زنی کی کاروائی اور مقدمات 31-5-1989:۔اسلامیہ سکول کے طلبہ وطالبات حصوں کا الگ الگ نظام

07-1990:۔ابتدا تنازعہ مسجد پیراں والی بعد قبضہ شیعہ حضرات 02-08-1990:۔"اہلسنت ایکشن کمیٹی ٹیکسلا "

03-08-1990:۔گرفتاری بوجہ دلچسپی تنازعہ ولالہ رخ مقدمات 09-08-1990:۔ضمانت پر رہائی

10-1990 :۔قومی انتخابات کے متعلق دلچسپیاں ومشورے اور محمود حسین شاہ صاحب کو فیصلے کا اختیار۔

11-1990 :۔حالات کی تبدیلی ودیگر جماعتوں کی فعالیت کی وجہ سے انجمن شبان اسلام کو غیر فعال کرنے کا فیصلہ۔

سکولوں کا قیام،تدریس اور فروغ تعلیم کیلئے خدمات:۔

جناب حافظ محمد رفیق صاحب نے کسی سکول میں بطور ٹیچر خدمات کی ابتداء اپنے راولپنڈی کے تقریباً چار سالہ قیام (1965 تا1968ء) کے دوران" گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول راولپنڈی بالمقابل لیاقت باغ" سے کی۔ملازمت کی ابتداء کی تاریخ معلوم نہیں ہوسکی البتہ مستعفی ہونے کا دن 28 نومبر 1967ء ہے۔اس کے بعد 1978ء میں"انجمن شبان اسلام" کے زیر انتظام قائم کردہ سکول" تعلیم الاسلام" میں پہلے جزوی طور پر اور پھر 1979ء سے اپریل 2005ء تک ہمہ وقتی تدریس واہتمام میں مصروف رہے ۔طالبات کیلئے استاد جیلانی صاحب اور راقم السطور کی شراکت سے جیون روڈ پر 1984ء میں"اسلامیہ سکول" قائم کیا جو بعد میں طلبہ کیلئے بھی شروع ہوگیا۔اس سکول کی دو پرائمری شاخیں"ڈھیاں"اور"احاطہ"نزد کامرہ میں قائم کیں۔المدنی سکول اٹک میں تعاون کے علاوہ کامرہ ضلع راولپنڈی میں"فاطمہ پبلک سکول"کے قیام وانتظام میں بھی بھر پور حصہ لیا۔صوبہ خیبر پختونخواہ کی قائم کردہ"نصاب کمیٹی"کے رکن کی حیثیت سے آٹھ روزہ ورکشاپ منعقدہ 1992ء میں شرکت کرکے اس قومی خدمت کو بھی انجام دیا۔آپ کی زندگی کی"نمایاں ترین" کارکردگی یہ فروغ تعلیم اور دینی تعلیم میں مصروفیت ہے۔

یک جان دو قالب دوستوں کی مذہبی مصروفیات وروحانی سلسلہ میں تفاوت:۔

سکول میں اول ادنیٰ (1953) سے شروع ہونے والی سکول وکالج کی رفاقت،"انجمن شبان اسلام"میں سرگرمیوں کی ہم آہنگی اور"اسلامیہ سکول" کی انتظامی شراکت کا غالب حصہ"دنیاوی مقاصد" کا حامل تھا۔اگر چہ دینی ومذہبی مفادات بھی ضرور تھے لیکن ان کا فیصد تناسب دونوں دوستوں کی ذاتی ترجیحات ونیت کے مطابق تھا جس کو ناپنے کا کوئی پیمانہ دنیا میں موجود نہیں۔یہ صرف ذات باری تعالیٰ اور خود صاحب معاملہ کے علم میں ہوتا ہے۔

اس دوران 1981ء میں چونکہ ایک ہی شیخ طریقت سے باطنی اصلاح کی خاطر"راہ سلوک" کے ہم سفر بھی بن گئے تھے اور روحانی تربیت کے لئے حضرت قاضی محمد زاہد الحسینی صاحبؒ کی رہنمائی میسر آ گئی تھی۔میری کوشش ہوتی تھی کہ ذاتی حالات ومعاملات کے سلسلہ میں ہدایت پر حتی الوسع عمل ہوجائے مگر 1984ء میں ان کی اس نصیحت کہ "شراکت جتنی کم ہو بہتر ہے"پر من وعن عمل نہ ہوسکا البتہ آپؒ سکولوں کے مشترکہ نظام سے باخبر تھے اور کبھی ختم کرنے کا حکم نہ فرمایا۔1986ء میں مجھے مشورہ دیا کہ "وہ کام کرو جو خود کر سکو" ۔اس پر حضرتؒ ہی کے ساتھ تفصیلی مشاورت کے ساتھ 1989ء میں سکولوں وغیرہ کی تمام شراکتیں ختم کردی گئیں تھیں حتیٰ کہ 1990ء میں جب میرے لیئے حضرت قاضی صاحبؒ نے یہ تحریری ہدایت فرمائی کہ "ایک آدمی ہر کام میں دخل دے یا اسے اپنے ہاتھ میں لے یہ مشکل ہے۔اکابر کی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے،انہوں نے علیحدہ علیحدہ محاذوں پر اخلاص سے کام کیا تو کامیاب رہے۔جتنا علیحدہ رہیں گے اتنا فائدہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔قطع رحمی اگر باقی اعمال کے مفید ہو مثلاً غیبت سے بچ سکتا ہو تو قطع رحمی بطور علاج جائز ہے مگر پھر بھی خیر خواہی کا خیال رکھا جائے"تو راقم السطور نے 1991ء میں انجمن شبان اسلام کو غیر فعال کردیئے جانے کے بعد میل ملاپ بھی ختم کردیا۔

اس دوران"روحانی سلسلہ" کا جو تفاوت پیدا ہوا وہ کچھ یوں تھا کہ راقم السطور نے تو 1963ء میں جانشین شیخ التفسیر امام الہدیٰ مولانا عبیداللہ صاحب انور سے "سلسلہ قادریہ راشدیہ" کی بیعت کی ہوئی تھی اور 1981ء سے انہیں کے حکم پر حضرت قاضی صاحبؒ سے اسباق کی تکمیل اور روحانی تربیت حاصل کرنی شروع کی تھی جب کہ حافظ محمد رفیق صاحب نے بیعت ہوکر اس موقع پر حضرت قاضی صاحبؒ کو اپنا "شیخ طریقت بنایا تھا"اور سلسلہ کے اسباق لینے شروع کردیئے تھے۔1985ء میں اپریل کے مہینہ میں راقم السطور کے"شیخ طریقت امام الہدیٰؒ" کا وصال ہوگیا اور میں اپنی "سلسلہ سلوک" کے بارے میں کم فہمی کی بناء پر حضرت قاضی صاحبؒ یا جانشین امام الہدیٰ مولانا محمد اجمل قادری صاحب دامت برکاتہم سے "تجدید بیعت" نہ کرسکا۔

اُدھر جون 1985ء میں دوران اعتکاف میرے گیارہ اسباق مکمل ہوگئے تو حضرت قاضی صاحبؒ نے ستائیسویں شب کو تخلیہ میں مجھے فرمایا کہ عید کے بعد تمہیں کچھ ذمہ داری دوں

گا ساتھ ہی حکم فرمایا کہ مولانا محمد زمان صاحب کو (جو حضرتؒ کے خلیفہ مجاز تھے) اسباق سناؤ۔ حکم کی تعمیل کے دوران میں مولانا موصوف کی "روحانی توجہ کا متحمل نہ ہو سکا چنانچہ اس کے بعد حضرتؒ نے مجھے "سلسلہ چشتیہ" کے "مراقبہ معیت" کی تعلیم دی، سلسلہ قادریہ کے اذکار ختم کرا دیئے اور کچھ عرصہ بعد "سلسلہ چشتیہ" کا پہلا مختصر سبق بھی دیا۔ اس دوران دیوبند کے سفر میں جب راقم السطور "سلسلہ چشتیہ" میں حضرت قاضی صاحبؒ کے مربی" شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ" کی قبر مبارک پر دوبار حاضر ہوا تو کچھ "روحانی کیفیات" محسوس ہوئیں اور واپسی پر 1986ء سے حضرت قاضی صاحبؒ نے باقاعدہ سلسلہ چشتیہ کے چودہ تسبیح والا معمول شروع کرا دیا۔ 1997ء میں اپنے وصال سے تقریباً چار ماہ قبل اپنی آخری تحریری ہدایت میں واضح طور پر لکھ دیا کہ آپ پر "چشتیت" کا غلبہ محسوس ہوتا ہے اور ساتھ ہی دونوں "سلاسل" کے مراقبات یعنی معیت اور نوری کرتے رہنے کا حکم فرمایا یوں جناب حافظ محمد رفیق صاحب سے "روحانی سلسلہ" کی بھی تفاوت پیدا ہو گئی۔ اس مرحلہ پر پہلی دفعہ یہ تفصیلی وضاحت کرنا متعلقہ احباب اور "سلسلہ قادریہ راشدیہ" کے ذمہ داروں کے اطمینان کے لئے ضروری سمجھا گیا ہے۔

جناب حافظ محمد رفیق صاحب نے تاحیات اپنے سلسلہ کے تعلق کو خوب نبھایا، سکول کے بالغ طلبہ کے علاوہ دیگر احباب کو حضرت قاضی صاحبؒ اور آپ کے جانشین حضرت قاضی محمد ارشد الحسینی صاحب دامت فیوضہم سے بیعت کروا کر سلسلہ میں داخل کرایا تقریباً ایک سو پچاس خوش نصیب اس سلسلہ میں منسلک ہوئے۔

ان کی وجوہات کی بناء پر راقم السطور 1990ء کے بعد جناب حافظ محمد رفیق صاحب کی تفصیلی مصروفیات، سرگرمیوں اور خدمات سے لاعلم رہا اس لئے اگلی سطور میں صرف وہ خدمات ذکر کروں گا جو کسی نہ کسی حوالے سے میرے علم میں آ گئیں ہیں "یا" وہ سرگرمیاں جو 2012ء میں ان کے وصال تک بوجوہ اکٹھے اختیار کرنا پڑی ہیں۔

"سلسلہ قادریہ راشدیہ" کے فروغ کے لئے خدمات:۔

جیسا کہ گذر چکا ہے کہ 1981ء میں حضرت قاضی صاحبؒ سے بیعت کر کے رفیق صاحب نے اپنے اسباق شروع کئے تھے۔ اس سے پہلے آپ 1973ء میں حضرت شیخ التفسیرؒ کے خلیفہ مجاز، پیر طریقت حضرت مولانا عبدالہادی صاحب دین پوریؒ سے دین پور شریف جا کر بیعت ہوئے تھے اور ان کے وصال 1978ء تک ان ہی کے سلسلہ طریقت میں شریک رہے۔ البتہ حضرت دین پوریؒ سے اسباق لینے کی تفصیل یا بذریعہ خط و کتابت رابطے کے متعلق معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔

حضرت قاضی صاحبؒ سے سلسلہ شروع ہونے کے بعد ہم دونوں سلسلہ کے سارے معمولات مثلاً نوچندی جمعرات کی ماہانہ مجلس ذکر (اٹک اور ایبٹ آباد)، واہ کینٹ کا ماہانہ درس قرآن، مدینہ مسجد اٹک کے تبلیغی و اصلاحی اجتماعات، سلسلہ کی مقامی ہفتہ وار و ماہانہ مجلس ذکر، حضرتؒ کی تصنیفات کی اشاعت وغیرہ مشترکہ طور پر پورے کرتے رہے البتہ کچھ خدمات حضرتؒ کے مطابق انفرادی طور پر انجام دی جاتی رہیں مثلاً حافظ محمد رفیق صاحب کتابوں کی طباعت و اشاعت اور تالیف و ترتیب نیز "المدنی سکول اٹک" کے قیام و انتظام میں تعاون وغیرہ کرتے اور راقم السطور چند اور امور کو جن کا حسب ضرورت اپنی مصروفیات کے ضمن میں تذکرہ کر دیا جائے گا حسب الاستطاعت انجام دیتا رہا۔ جہاں تک سلسلہ کے اسباق کا تعلق ہے اس کی تفصیل میں نے کبھی رفیق صاحب سے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا اس لئے کہ یہ شیخ اور سالک کے درمیان ایک طرح کا نجی تعلق ہوتا ہے۔ بظاہر آپ کے حضرتؒ کی خدمت میں ارسال کردہ عریضوں اور آپؒ کے جوابی مطلوبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ غالباً بارہ اسباق کی تکمیل نہیں ہوئی۔

اپنے عظیم و روحانی مربی حضرت قاضی صاحبؒ کے مئی 1997ء میں وصال کے بعد اگست 1997ء میں مرکزی جامع مسجد ٹیکسلا میں تعزیتی پروگرام کے طور پر بہت بڑی تاریخی "روحانی کانفرنس" جناب حافظ محمد رفیق صاحب ہی کے زیر نگرانی و انتظام منعقد ہوئی اور اس کے بعد تا حال مسجد عثمان غنیؓ میں تھوڑے بہت تعطل سے سالانہ روحانی کانفرنسیں انعقاد پذیر ہو رہی ہیں اسی طرح ہفتہ وار و ماہوار مجالس ذکر بھی اور اٹک و ایبٹ آباد کے سلسلہ کے پروگراموں میں شرکت بھی۔ آپ نے تاحیات ان معمولات کا سلسلہ جاری رکھا اور اب ان کے جانشین قاری معاویہ حسن صاحب بھی کبھی کبھار کچھ وقفہ ہو جانے کے باوجود جاری رکھے ہوئے ہیں۔

مختلف تنظیموں کی بوقت ضرورت تشکیل:۔

"انجمن شبان اسلام" اور "جمعیت علمائے اسلام" کے علاوہ مقامی یا علاقائی سطح پر وقتی یا ہنگامی حالات کے مطابق مختلف تنظیمات بنائی جاتی رہیں۔ 1990ء تک بننے والی جماعتوں کا اشاریہ "شب و روز" میں دیا جا چکا ہے اور بعد کے عرصے کا اجمالاً ذکر درج ذیل ہے۔

1996ء میں مقامی ضرورت کے پیش نظر "تنظیم اہلسنت والجماعت ٹیکسلا" کا قیام عمل میں آیا پھر 1998ء میں مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی اور علامہ شعیب ندیم شہید صاحب کی شہادت کے بعد 21 ستمبر کو "اہلسنت ایکشن کمیٹی" بنی۔ اس کے بعد 2001ء میں "سنی سپریم کونسل"، 2002ء میں "عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ٹیکسلا شاخ"، 2006ء میں "غلامان اصحاب رسول" اور 15 جون 2008ء کو آخری بھرپور رکنیت والی "انجمن خدام علمائے دیوبند" ٹیکسلا تشکیل دی گئی جس کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان "محفل حمد و نعت" ریلوے روڈ پر ایک وسیع میدان میں منعقد کرائی گئی۔ اس کانفرنس میں کچھ تنازعہ بھی پیدا ہو گیا جو ایک "صلح نامہ" کے بعد ختم کر دیا گیا لیکن بوجوہ یہ "دبنگ تنظیم" بھی چار

پانچ ماہ سے زیادہ فعال نہ رہ سکی۔ (اگر موقع ملا تو ان تنظیمات کی کچھ تفصیلات انشاء اللہ جلد دوم میں درج کر دیں جائیں گی)۔

روزانہ کے درس قرآن مجید کا سلسلہ:۔

حافظ صاحب موصوف نے 6 اگست 1991ء کو روزانہ کا درس قرآن مجید اپنی مسجد عثمان غنیؓ میں شروع کیا۔ ہر سال اس کی سالانہ تقاریر ہوتی رہیں اور چھٹے سال یعنی 1997ء میں قرآن مجید کی تکمیل پر آخری تقریب کو شیخ طریقت حضرت قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب نور اللہ مرقدہ کی یاد میں نو اگست میں منعقد ہونے والی عظیم الشان "روحانی کانفرنس" کے ساتھ ہی انعقاد پذیر کر لیا گیا اور تقریباً پچاس شرکاء درس کو اسناد دی گئیں۔ 16 اگست 1997ء کو دوبارہ درس شروع کرنے کا اعلان بھی کر دیا گیا۔

ذاتی تعلیم الاسلام سکول برائے طالبات:۔

پہلے سے مذکور سکولوں کے علاوہ جب اسلامیہ سکول کا انتظام دو الگ حصوں "طلبہ" اور "طالبات" میں تقسیم کر دیا گیا تو آپ نے حصہ طالبات کو تعلیم الاسلام کا نام دے کر ذاتی ملکیت اور نگرانی میں شروع کر دیا جو حصہ ہائی تک طویل عرصہ فعال رہا اور پھر بوجوہ ختم کر دیا گیا۔ طالبات کی سینکڑوں کی تعداد نے یہاں سے دنیاوی تعلیم اور دینی تربیت حاصل کی۔

جمعۃ المبارک کی خطابت کی تفصیل:۔

جامع مسجد گرد وال واہ کینٹ میں آپ نے اگست 1975ء میں جمعہ پڑھانا شروع کیا، کچھ عرصہ بعد مستقل خطیب کے تقرر کے بعد یہ ذمہ داری ختم ہوگئی۔ پھر جامع مسجد امیر حمزہؓ ایچ ایم سی روڈ ٹیکسلا میں غالباً 95-1994ء میں خطابت شروع کی جو بعد میں راقم السطور کے ذمہ لگ گئی اور آپ نے اپنے شیخ طریقت کے حکم پر جامع مسجد سنٹرل پارک واہ کینٹ میں اور کچھ عرصہ مسجد خالد بن ولیدؓ لالہ رخ واہ کینٹ میں بھی جمعہ پڑھانے کے فرائض ادا کئے۔

کتابوں کی تصنیف و تالیف اور اشاعت:۔

دینی کتابوں کی خرید و مطالعہ آپ کا خصوصی ذوق تھا۔ سب سے پہلے تو سکول کے طلبہ کیلئے ہم دونوں نے "اردو قاعدہ" کے علاوہ حضرت قاضی صاحبؒ کی رہنمائی اور مشورہ سے "دینی نصاب" مرتب کیا جو دو حصوں میں طبع ہوا اور کافی مقبول ہونے پر کئی اور تعلیمی اداروں پر بھی رائج ہوا۔ بعض نے جناب حافظ محمد رفیق صاحب نے حضرتؒ کے حکم پر "ضروریات دین" کے نام سے اجمالاً اسی نصاب کو شائع کیا اور پھر وقتاً فوقتاً کتابوں اور کتابچوں اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا جن میں کچھ کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:۔

1) سیرت سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔ 2) سچے واقعات 3) فضائل و مسائل اذان و اقامت 4) اسلامی نام (غالباً طبع نہ ہو سکی)۔

ان کتب کے علاوہ آپ مضامین وغیرہ بھی ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور اور ماہنامہ "الصدیق" براہمہ ٹیکسلا وغیرہ میں چھپواتے رہے۔

جامعہ تعلیم الاسلام مسجد عثمان غنیؓ ٹیکسلا:۔

پہلے آپ اپنی محلّہ کی مسجد المعروف بوہڑ والی جو روایات کے مطابق پہلی دفعہ 1650ء میں تعمیر ہوئی میں امامت و تدریس قرآن کرتے رہے۔ مسجد کی تعمیر تو 1982ء میں مکمل ہوئی اس کے بعد 1992ء سے حفظ و تجوید کا سلسلہ شروع کیا اور ساتھ ہی مسجد میں ہی کمرے تعمیر کر کے مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ اس مدرسہ میں مختلف اساتذہ قاری حبیب الرحمٰن صاحب، قمر عباس صاحب، عرفان علی صاحب، قاری ظفر اقبال صاحب، قاری امداد اللہ صاحب، قاری محمد تاج صاحب، قاری نجم الحسن صاحب، حافظ اسامہ صدیق صاحب اور قاری محمد رمضان صاحب وغیرہ حفظ و ناظرہ اور تجوید کی تدریس کرتے رہے۔

پہلے مدرسہ میں مقیمی طلبہ کا داخلہ نہیں ہوتا تھا قاری محمد تاج صاحب کی تقرری کے بعد مدرسہ کو ہمہ وقتی کر دیا گیا اور قاری صاحب موصوف کے علاوہ آپ کے بھتیجے حافظ محمد اسامہ صدیق اور عالم دین قاری معاویہ حسن صاحب بھی تدریس کے لئے مقرر کر دیئے گئے اور اب اول الذکر قاری معاویہ حسن صاحب کے اہتمام میں مدرسہ ان خدمات کیلئے مصروف عمل ہے۔

طالبات کیلئے دینی علوم اور درس نظامی کی تعلیم کا انتظام:۔

ٹیکسلا شہر کی طالبات کیلئے پہلے دینی تعلیم کا جز وقتی سلسلہ روزانہ دو گھنٹے کی کلاس کی صورت میں شروع کیا جس کا انتظام ہائی سکول ختم ہونے کے بعد مرکزی جامع مسجد سے متصل عمارت میں ہی کیا گیا تھا۔ بعد ازاں یہ نظام وسعت پذیر ہوتا گیا اور اب مسجد عثمان غنیؓ کے ساتھ ملحقہ عمارت نے باقاعدہ درس نظامی کی تعلیم کے تکمیلی درجہ تک پہنچ گیا ہے۔ اس کا نظام بھی قاری صاحب موصوف اور آپ کی اکلوتی صاحبزادی چلا رہے ہیں۔

جامعہ عائشہ صدیقہؓ للبنات ڈھیاں نزد ٹیکسلا شہر:۔

ٹیکسلاشہر کی مشرقی حصہ کی آخری آبادی "ڈھبیاں" میں پہلے "اسلامیہ سکول" کی پرائمری شاخ یکم اپریل 1986ء میں شروع کی گئی جو طلباء وطالبات کیلئے تھی جو غالباً چار پانچ سال مصروف عمل رہی بعد میں مقامی احباب نے کسی نہ کسی درجے میں سلسلہ جاری رکھا۔اور جناب اقبال اعوان صاحب نے "مشعل سکول سسٹم" کے تحت ایک سکول شروع کر دیا۔ساتھ ہی طالبات کے حفظ وناظرہ مع تجوید کیلئے مدرسہ خدیجۃ الکبریٰؓ کے نام سے ایک ادارہ غالباً1995ء میں قائم کیا گیا جو تین سال بعد ایچ آئی ٹی کینٹ کے قریب منتقل ہوگیا۔

اس انتقال مدرسہ کے بعد احباب نے جناب حافظ محمد رفیق صاحب سے مشورہ کر کے یکم مارچ1999ء سے "جامعہ عائشہ صدیقہؓ للبنات" کے نام سے طالبات کی دینی تعلیم کیلئے نیا ادارہ شروع کیا جس کی منتظمہ کے صدر اور مہتمم جناب سید مستاجر حسین شاہ صاحب تھے جن کی تین بیٹیاں اس مدرسہ کی معلمات تھیں، ناظم عمومی جناب رفیق صاحب کو بنایا گیا۔اور خازن جناب غلام رسول کو جن کی صاجزادی بھی معلّمہ تھی۔ابتدائی مجلس شوریٰ وعاملہ آٹھ ارکان پر مشتمل تھی جن میں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا رہا۔ادارہ کی دو جز وقتیں شاہین ریلوے سٹیشن کے قریبی محلّہ اور موضع جولیاں ضلع ہری پور ہزارہ میں بھی بنائی گئیں۔وفاق المدارس سے الحاق بھی کرایا گیا۔حضرت مولانا عبدالغفور صاحب نے سرپرستی قبول فرمائی۔سالانہ تقاریب بھی منعقد ہوتی رہیں۔مہتمم صاحب کی وفات کے بعد غالباً ان کے صاجزادے مولانا سید نعیم اللہ عبداللہ صاحب کو یہ ذمہ داری دی گئی ۔کاروائی رجسٹر میں 11 جولائی2003ء تک اجلاسوں کے روداد تحریر ہے اور پھر 10 اکتوبر 2008ء کی جب صاحبزادہ صاحب کو نیابت دی گئی۔یہ مدرسہ تا حال مصروف عمل ہے۔

شہر اور اہل محلّہ کی خدمت:۔

ٹیکسلاشہر کا تقریباً ڈیڑھ سوسالہ قدیم ہنجیرہ قبرستان جو گھیلا خورد کے ساکنان کیلئے شروع کیا گیا تھا۔اس کا انتظام بغیر کسی باضابطہ انتظامیہ کمیٹی کے صرف موجودہ مسجد امیر معاویہؓ کے خادم "بابا ابراہیم" عرف "شیرا" کے ذمہ تھا۔جو حسب ضرورت اہل محلّہ یا شہر سے چندہ کر کے ضروریات پوری کرتے رہتے تھے۔آبادی بڑھنے اور دوسرے علاقوں اور شہروں سے نقل مکانی کر کے آنیوالے لوگوں کے اس قبرستان سے متعلقہ محلوں میں آباد ہونے سے قبرستان پر بوجھ زیادہ ہوگیا اور وقف شدہ زمین کم محسوس ہونے لگی تو ذمہ دار حضرات کو اس ضرورت کا احساس ہوا کہ اب کوئی ضابطہ اور طریق کار طے کر دیا جائے تا کہ صرف مستحق لوگ ہی دفنائے جاسکیں اور اس مقصد کے لئے ایک انتظامیہ کمیٹی بنادی جائے۔

دوچار نا کام کوششوں کے بالاخر 1997ء میں "انتظامیہ کمیٹی" ہنجیرہ قبرستان تشکیل پا گئی جس کا جنرل سیکرٹری جناب حافظ محمد رفیق صاحب کو بنایا گیا۔آپ نے بڑی محنت شاقہ ریکارڈ مرتب کیا، سروے کرایا، قبرستان سے ملحق آبادی کا تعین کرایا، باقاعدہ رکنیت کا نظام بنا کر رکنیت کارڈ جاری کئے، جنازہ گاہ کیلئے جگہ حاصل کی اور پانی کی نکاسی کیلئے سرکاری امداد کا انتظام کیا غرضیکہ ہمہ نوگراں قدر خدمات تا حیات انجام دیں۔

اسی طرح مرکزی عید گاہ کیلئے بھی از سرنو 2000ء میں ایک منتظمہ کمیٹی تشکیل ہوئی آپ کو اس کا بھی جنرل سیکرٹری بنایا گیا۔آپ نے عید گاہ کی حدود ونشاندہی کا انتظام کرایا اور اپنے آخری حج سے پہلے حلقہ کے ممبر قومی اسمبلی چوہدری نثار علی خان صاحب کی وساطت سے ملے ہوئے فنڈ سے عید گاہ توسیع کا منصوبہ بنا کر متعلقہ انتظامیہ کے سپرد کیا اور یہ ذمہ داریاں بھی آپ آخری سفر پر روانہ ہونے تک نبھاتے رہے۔

چونکہ آپ کی وفات کے بعد یہ خدمات راقم السطور کے سپرد کر دیں گئیں اس لئے تفصیلی حالات انشاء اللہ اگلے مرحلے پر قلم بند کر دیں جائیں گیں اس لئے کہ یہ موضوع تفصیل طلب بھی ہے اور اہم بھی۔

عمرے اور حج:۔

آپ نے پہلے عمرے کی سعادت 1989ء میں دو تا اٹھارہ فروری حاصل کی اور واپسی میں ایک ہفتہ دوبئی میں عزیز واقارب کے پاس قیام کیا۔پھر 1991ء میں بذریعہ سپانسر پہلا حج ادا کیا۔دوسرے عمرے کی سعادت 1994ء میں 7 تا 22 جنوری حاصل ہوئی۔تیسرا عمرہ دوران رمضان المبارک 1996ء میں کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اس سفر میں اہلیہ، بھائی سلیم، تین شاگرد بھی رفیق سفر تھے۔چوتھا عمرہ دورہ لندن سے واپسی پر اٹھارہ اگست 1998 سے 2 ستمبر 1998ء میں کیا۔اسی طرح چار سال بعد 2002ء میں پانچواں عمرہ بھی نصیب ہوا جو 30 جون سے 28 جولائی تک کی مدت میں تھا۔آپ نے وفات سے چند ماہ قبل 2011ء میں دوسرا حج بطور "حج بدل" اپنے شیخ زادہ حضرت قاضی محمد ارشد الحسینی صاحب کے قافلہ کے ہمراہ ادا کیا۔

سیر وسیاحت:۔

آپ کے ذوق سیر وسیاحت کے کچھ اشارے "شب وروز" میں کر دیئے گئے ہیں۔مذکورہ مدت کے بعد آپ نے جون، جولائی 1996 میں کراچی اور کوئٹہ کا دس روزہ سفر کیا۔اس

سفر میں پاکستان کے اس علاقہ میں واقع شہروں کا تعارف حاصل کیا۔ پھر اسی سال سوات، دیر اور چترال بھی گئے۔ فروری 1998ء میں "حرکت الانصار" کے مقامی مجاہدین کے قافلے میں پشاور سے ہوتے ہوئے جلال آباد اور کابل کا سفر کیا۔ اسی سال اکتیس جولائی سے اٹھارہ اگست تک انگلستان کا دورہ کیا جہاں لندن، گلاسکو، ایڈنبرا، برمنگھم اور ڈیوز بری کے شہروں میں مشہور مقامات دیکھے اور وہاں کی سالانہ ختم نبوت کانفرنس میں شرکت بھی کی اور مدارس کا دورہ بھی کیا۔ اس کے علاوہ ساؤتھ ہال، ہیتھرو ایئرپورٹ، برطانوی میوزیم وغیرہ اکثر قابل دید مقامات کی سیر بھی کی۔

جناب حافظ محمد رفیق صاحب کے اوصاف اور مقام:۔

اگر چہ یہ موضوع بہت تفصیل طلب ہے۔ آپ کو زندگی میں بہت سے مبارک خوابیں نظر آئیں جن میں سے اٹھائیس فروری 1981ء میں جیل کی اسارت کے دوران حضور انور ﷺ کی خواب میں زیارت پھر 25 مارچ 1986ء کو دوسرے احباب کے ہمراہ آپ ﷺ سے ملاقات کے خواب۔ 24 جنوری 1995 کو آپ ﷺ سے خواب میں ترجمہ قرآن پڑھنے اور گیارہ اگست 2002ء کو آپ ﷺ کے علاوہ حضرت موسیٰؑ کی زیارت والی خواب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

8 جون 1987 اور 8 مئی 1989ء کو دو خواب اپنے شیخ حضرت قاری صاحبؒ کے حوالے سے دیکھے دونوں بہت مبارک تھے جن کا تذکرہ حضرتؒ سے بھی کیا اور 1997ء میں حضرت قاری صاحبؒ کے وصال کے بعد آپ کو خواب میں حضرت نے پانچ کھجوریں عطا فرمائیں اور بتایا کہ یہ حضور انور ﷺ کی طرف سے ہیں۔

جناب حافظ محمد رفیق صاحب کی وفات پر ان کے تعزیتی پروگرام میں بڑے بڑے علمائے کرام اور مشائخ نے تفصیل سے آپ کے اوصاف بیان فرمائے، دوست احباب نے اخباری کالم بھی لکھے، راقم السطور نے بھی اختصاراً کچھ تحریر کر دیا ہے لیکن میرے خیال میں اصل اور وقیع خیالات ایک "شیخ طریقت" کے اپنے "سالک" کے بارے میں ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ام الزاہدین، ولی کامل، حضرت قاضی محمد زاہد الحسینی صاحبؒ نور اللہ مرقدہ کے جناب رفیق صاحب کو ارسال کئے گئے مکتوبات سے ان کے منتخب ارشادات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

1) روحانی تعلق قائم کرنے کے پانچ چھ ماہ بعد ایک عریضہ کے جواب میں دسمبر 1981ء کو تحریر فرمایا "باقی آپ کے سب حالات ماشاء اللہ بہتر ہیں"۔

2) تقریباً آٹھ، نو سال بعد 1990ء میں لکھا "چونکہ آپ کا دل، قلم اور زبان اخلاص سے کام کرتے ہیں اس لئے حضرت حق جلّ مجدہ میں قبول فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں"۔

3) اگلے سال 1991ء میں تحریر فرمایا کہ "چونکہ آپ کا سینہ پہلے سے صاف ہے اس لئے کلام اللہ اور ذکر اللہ کا اثر بہت ہو رہا ہے۔ مبارک ہو"۔

4) اس سے بعد والے سال 1992ء میں ارشاد فرمایا "ٹیکسلا میں آپ اور عزیزم صلاح الدین اکابر کے علم اور روحانیت کے امین ہیں، اللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ فہم و فراست سے کام لینے کی سعادت بخشے۔ آمین۔"

5) دو سال بعد 1994ء میں مشورہ طلب کرنے پر تحریر فرمایا "آپ جس قدر کر سکتے ہیں اپنی حیثیت کے وہ کریں۔ بات لمبی نہ کریں۔ بدعات و فواحش کے ازالہ کیلئے درود شریف کی کثرت مجرب ہے۔ اس کی برکات سے ان فواحش کا خود بخود ازالہ ہو جاتا ہے۔ روزانہ ایک ہزار بار درود شریف پڑھ لیا کریں۔ بس یہی کافی ہے۔ تبلیغ حنفیت سے علماء غافل ہیں اور یہ ان ہی کا فریضہ ہے۔ آپ سے کوئی پوچھے تو مسئلہ بتا دیا کریں "و ما انت علیھم بمصیطر" پیش نظر رہے۔"

6) حضرتؒ نے وصال سے دو تین ماہ قبل 22 فروری 1997ء کے ایک مکتوب میں لکھا "الحمد للہ آپ احباب کی محنت سے ٹیکسلا جیسی بستی کے نوجوانوں میں سیرت اور صورت کے لحاظ سے اتباع سنت کا دن بدن اضافہ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مزید توفیق عطا فرمائے آمین"۔ مکتوب کے آخر میں تحریر فرمایا "آپ سب احباب باہمی اتفاق اور محبت سے رہیں تاکہ یہ دینی کام تعطل کا شکار نہ ہو۔ خندہ پیشانی اور وسعت قلبی سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ نے محنت سے کام کر کے کامیابی حاصل کی ہے۔"

ان ارشادات کی علاوہ جناب محمد رفیق صاحب کی کتابوں کے بارے میں حضرت کے ارشادات چونکہ ان کتابوں میں چھپ چکے ہیں اس لئے یہاں درج نہیں کئے جا رہے۔

ذاتی ندامت، اظہار افسوس اور وضاحت:۔

جیسا کہ ابتداء میں "فعال زندگی کے شب و روز" کی تمہید میں تحریر کر چکا ہوں کہ میں ایک "بگڑا ہوا نوجوان" تھا جس کے بگاڑ نے "کالج لائف" میں جناب رفیق صاحب کو بھی متاثر کیا۔ لیکن مجموعی طور پر آپ "سلیم الفطرت" تھے جیسا کہ حضرتؒ کے ارشادات سے واضح ہے۔ آپ کے حالات زندگی کی تفصیل سے آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ جب 1989 میں ان پر میرے "سایہ بوم" کے اثرات ختم ہوئے تو انہوں نے "ترقیات" کی منزلیں تیزی سے طے کرنی شروع کر دیں۔ حج و عمرہ کے اسفار، حفظ قرآن، درس قرآن، طول طویل اسفار، مدارس دینیہ کا قیام، تصنیفات، الیکشن میں امیدواری، حلقہ احباب کی توسیع، شہر کی مذہبی قیادت غرضیکہ یہ سب کامیابیاں انہوں نے یہ سایہ ووٹ جانے کے بعد حاصل کیں۔ البتہ میں ان کے "سایہ ہما" سے محروم ہو کر اگر اپنے محسن اعظم حضرت قاضی صاحبؒ کے "سایہ عاطفت" میں پناہ نہ لیتا تو شاید دنیا و عاقبت کے عظیم

"خسران" سے دوچار ہوتا۔ مجھے ندامت اورافسوس ہے کہ میں 1992ء میں حضرتؒ کے اس مشورہ پرعمل نہ کرسکا کہ "محمد رفیق صاحب میرے خیال میں مخلص ہیں، آپ دونوں بچپن کے ساتھی ہیں، ہم جماعت ہیں اس لئے "رحماء بینھم" کا منظر پیش نظر ہو۔ان سب بیماریوں کی جڑ اپنے آپ کو بڑا بنانا اور بڑا سمجھنا ہے۔اگر اپنے آپ کو چھوٹا سمجھا جائے تو کوئی خلفشار نہیں۔سید دوعالمﷺ نے تعلیماً للامت فرمایا "اللھم اجعلنی فی عینی صغیراً وفی اعین الناس کبیراً"۔

اگرچہ راقم السطور نے حضرت قاضی صاحبؒ کے سایہ سے محرومی کے بعد اپنی "اصلاح" کے لئے 1999ء کے اوائل میں دیرینہ ہمدم اور ذاتی محسن جناب رفیق صاحب کو ہی تحریراً ہدایات ومشورہ دینے کی درخواست کی جس کا انہوں نے شفقت فرماتے ہوئے مجھے چار صفحوں (فل اسکیپ) پر مشتمل تفصیلی جواب دے کر اور میری کمزوریوں کو بے لاگ طریقہ سے بیان کرکے مجھ پر بہت احسان کیا بلکہ مجھ سے بھی اپنے بارے میں رائے اور مشورہ طلب کیا جو میں نے اپنی وضاحتوں، کمزوریوں کے اعتراف، دور کرنے کی وعدوں کی جوابی تحریر میں مخلصانہ جذبہ سے ایک جملے میں دے دیا۔مذکورہ دونوں تحریریں اس وقت تک ہم دونوں کے درمیان "ایک خفیہ دستاویز" کی حیثیت رکھتی ہیں البتہ دونوں کیلئے "ایک آئینہ" کی طرح ہیں جو "عیوب" کو بلا کم وکاست ظاہر کردیتا ہے۔

جوابی تحریر میں راقم السطور نے ان پر واضح کیا تھا کہ آپ کی طرف سے ذکر کردہ میری کمزوریوں کا علاج اب بھی "تفرد" اور "خاموشی" میں ہے جو پہلے بھی حضرتؒ کے حکم کے مطابق اختیار کی تھی۔چنانچہ میں نے اس پالیسی پر عمل شروع کردیا البتہ 2012ء میں ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا عبدالغفور صاحب اور مولانا مسعودالرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کے حکم اور اسرار پر جناب محمد رفیق صاحب کی نیابت کیلئے قبرستان اور عیدگاہ کی انتظامیہ کمیٹی کی ذمہ داری لے لی اور مجبوراً فعال بن کر خاموشی بھی توڑنی پڑی اور "تفرد" بھی ختم کرنا پڑا۔البتہ یہ میں ان کی "کرامت" سمجھتا ہوں کہ کمیٹی کے سلسلہ میں ان کے کچھ "اجتہادی اقدامات" جن کی حکمت وہ خود ہی سمجھتے تھے کسی غیر پر ظاہر ہوکر نقصان موجب بنتے جن کو الحمدللہ میں نے شب وروز کی مسلسل محنت وکاوش کرکے حکمت عملی سے حل کرالیا۔خاص طور پر مرکزی عیدگاہ کی سرکاری نشاندہی کراکے کافی "مقبوضہ رقبہ" کو عیدگاہ کی ملکیت ظاہر کرادیا جو گزشتہ دور میں غلط نشاندہیوں، غلط بیانی اور دھوکے سے عیدگاہ کی حدود سے خارج قرار دلواکر ملحقہ اراضی کے مالکان وغیرہ نے اپنی ملکیت قرار دے کر قبضہ کرلیا تھا۔

سفر آخرت کی تیاری:۔

عموماً دیکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور نیک بندے اپنے سفر آخرت کی تیاری کچھ عرصہ پہلے شروع کردیتے ہیں۔راقم السطور نے 2010ء میں حج پر جانے سے پہلے جناب حافظ محمد رفیق صاحب سے تفصیلی ملاقات کی تھی جس میں حج کے ارکان کی ادائیگی وسفر وغیرہ کے متعلق مشورے کے علاوہ بھی چند ضروری باہمی معاملات پر تبادلہ خیال ہوا۔حج سے واپسی پر پھر اسی طرح کی ایک نشست ہوئی۔اس کے دوتین ماہ بعد بیک وقت ہم دونوں کے ذہن میں ایک ہی خیال آیا کہ پرانے ساتھی آہستہ آہستہ ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دیتے جارہے ہیں تو کوشش کرلی جائے کہ موجود پرانے دوستوں کو بالخصوص "انجمن شبان اسلام" سے متعلق احباب کو ایک جگہ جمع کرکے "معافی تلافی" کی صورت پیدا کرلی جائے لیکن اس ارادے کا ہم نے ایک دوسرے اظہار نہیں کیا۔راقم السطور نے سید محمود حسین شاہ صاحب سے ملاقات کرکے اس مقصد کیلئے انہیں انتظام کرنے پر آمادہ کرلیا تو اس دوران جلد ہی مجھے جناب رفیق صاحب فون پر اپنے اس خیال سے آگاہ کرکے مشورہ طلب کیا تو میں نے بتایا کہ میں یہ قدم اٹھا چکا ہوں۔چنانچہ مارچ 2011ء میں شاہ صاحب موصوف کے دولت خانہ پر ان کی طرف سے بلائے گئے پرانے احباب کا اکٹھ ہوا اور بڑے جذباتی انداز میں سب نے ایک دوسرے کے حقوق کی معافی کا اظہار کیا تاکہ اختلاف رائے اور عمل کے بعد ایک دوسرے کے خلاف کی جانیوالی باتیں اور اقدامات کی وجہ سے جو "حقوق العباد" جانبین کے ذمہ ہوگئے ہیں وہ ساقط ہوسکیں۔

جناب محمد رفیق صاحب نے غالباً اس سال حج پر جانے کا سوچا ہوا تھا اور ہمارے علاقہ میں روایت بھی ہے کہ آدمی حج پر جانے سے پہلے رشتہ داروں، دوستوں، اہل محلّہ اور دیگر متعلقین سے اپنے معاملات صاف کرلے اور حقوق معاف کرالے۔میری خیال میں انہوں نے اسی جذبہ سے یہ اقدام دونوں اسفار (سفر حج اور دارالبقاء کا سفر) سے پہلے اٹھالیا اس لئے کہ آپ آخری حج کے تین چار ماہ بعد دنیا سے رخصت ہوگئے۔حج سے واپسی پر میری آخری ملاقات میں غالباً میری تسلی اور دلجوئی کیلئے مجھے فرمادیا تھا کہ "تم نے اچھا کیا کہ پہلے ہی خود کو ان غیر اہم دنیاوی مصروفیات وغیرہ سے الگ کرلیا" گویا میری اختیار کردہ پالیسی جو حضرت قاضیؒ صاحب کی ہدایت پر تھی کی جاتے جاتے توثیق کردی۔بالکل آخری ملاقات جو بے ہوش ہونے سے پہلے اور وفات سے تقریباً اٹھارہ گھنٹے قبل ہوئی وہ صرف نظروں کے ذریعے آخری پیغامات اور مسکراہٹوں کے تبادلہ تک محدود رہی اس لئے کہ ان کی خواہش کے باوجود میں نے باتیں نہیں کیں کہ اس حالت میں ہسپتال کے سٹاف کی طرف سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔

جناب حافظ محمد رفیق صاحب کا سفر آخرت:۔

جیسا کہ اوپر تحریر کیا جاچکا ہے کہ آپ نے تقریباً سال بھر پہلے ہی غیر محسوس انداز میں اپنی دائمی سفر کیلئے تیاری شروع کردی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش کے مطابق آخری "حج" حج

بدل کے طور پر کرنے کا انتظام کرا دیا۔ حج سے قبل راقم السطور سے سفر وغیرہ کے حالات معلوم کئے اس لئے کہ میں 2010ء میں یہ فریضہ ادا کیا تھا۔

حج سے واپسی پر اگر چہ روحانی مسرت حاصل تھی لیکن مجھے محسوس ہوا کہ کچھ "دل گرفتگی" بھی تھی جس کا مختصراً اظہار مجھ کر دیا تھا۔ افسوس کے میں عدیم الفرصتی کی وجہ سے تفصیلی ملاقات کر کے حقائق نہ پوچھ سکا۔ حج سے اس واپسی کے تقریباً تین ماہ بعد 9 ربیع الاول 1433 بمطابق 2 فروری 2012ء بروز جمعرات دل کے جان لیوا دورہ کی تکلیف ہوئی، فوراً ہسپتال پہنچایا گیا اور عصر کے راقم السطور حاضر ہوا تو ہوش میں تھے۔ میرے واپس آنے کے ایک دو گھنٹہ بعد ایک دورہ پڑا اور دنیا سے لاتعلق ہو گئے۔ دوسرے دن صبح میری حاضری ہوئی تو آکسیجن پر بھی سانس چل رہے تھے جمعتہ المبارک کی مبارک ساعتوں کا انتظار تھا اسی لئے چاشت کے وقت تقریباً ساڑھے دس بجے جسم سے روح کا تعلق ختم ہو گیا۔

اپنے چھوٹے بیٹے حافظ نعمان مرحوم کی اطلاع پر جسے میں صبح وہاں چھوڑ آیا تھا فوراً ہسپتال روانہ ہوا، جسم خاکی کو ٹیکسلا لاکر مشورہ کے بعد نماز عصر پڑھ کے جنازہ کرنے کا اعلان کر دیا گیا چنانچہ وقت مقررہ پر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کے خلیفہ مجاز پیر طریقت حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی نے جنازہ پڑھایا جس میں سینکڑوں کی تعداد میں مشائخ عظام، علمائے کرام، حفاظ وقراء، صالحین، سیاسی رہنماؤں، علاقہ بھر کے احباب، آپ کے شاگردوں اور معزز شہریوں نے شرکت کی۔ ٹیکسلا کی تاریخ میں یہ بہت بڑے جنازوں میں سے ایک تھا۔

ایک اخباری نمائندہ نے آپ کی وفات کی خبر یہ عنوان دے کر لگائی کہ "اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا" اور یہ واقعی ایک حقیقت ہے کہ آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور بیک وقت بہت سے محاذوں پر کام کر رہے تھے۔ آپ کے بعد یہ تحریر کرتے وقت جبکہ تقریباً ساڑھے پانچ سال گزر چکے ہیں سارے ہی کام "ادبار" کا شکار ہیں اور بحالی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب سے کوئی انتظام فرما دیں اور "نعم البدل" عطا کر دیں تا کہ مزید بدحالی سے بچ سکیں۔

آپ کی اولاد اور صدقات جاریہ:۔

جناب حافظ محمد رفیق صاحب کی صرف ایک لخت جگر بیٹی ہے، نرینہ اولاد نہ تھی۔ راقم السطور نے اخبار "اسلام" میں بہت سے قسطوں میں شائع شدہ ہی اس عنوان کا ایک مضمون پڑھا تھا کہ رب العالمین "خلف الرشید بیٹا" نہ دے کر نعوذ باللہ کوئی زیادتی نہیں کرتے اس میں حکمتیں پوشیدہ ہوتیں ہیں البتہ اس کے بدلے میں انسان کو دنیا میں بڑا مقام، نام، شہرت اور ایسا کردار ادا فرما دیتے ہیں کہ اس کی شخصیت دینی و دنیاوی اعتبار سے "شہرہ آفاق" ہو جاتی ہے اور بہت سے صدقات جاریہ والے کام اس سے کرا دیئے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اس مضمون میں دنیا کی بہت سی مشہور شخصیات کے ذاتی حالات تفصیل سے بیان کیئے گئے تھے بالخصوص امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ کا تذکرہ مجھے اچھی طرح یاد ہے اس لئے کہ وہ بھی لاولد تھے۔

رفیق محترم بھی اس کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے جن کے نام کو روشن کرنے والا "خلف الرشید" ایک بیٹے کی شکل میں نہیں ہے تو "ہزاروں شاگرد" روحانی اولاد کی حیثیت سے موجود ہیں۔ اسی طرح جن بھتیجوں کو حافظ، قاری اور عالم بنایا ہے انہوں نے آپ کے سلسلہ ہائے خیر کو اسی طرح جاری رکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ مساجد، مدارس، دینی تصنیفات، سلسلہ سلوک، مجالس ذکر غرضیکہ لاتعداد صدقات جاریہ ذریعہ آخری کی شکل میں نظر آتے ہیں اللہ تعالیٰ قبولیت عطا فرما کر درجات کو بلند فرمائے اور کمزور انسان ہونے کے ناطے ہونے والی "سیئات" اور بے اعتدالیاں بالخصوص حقوق العباد معاف فرمائیں ان حقوق والوں کو اپنی طرف سے بدلہ دے کر مرحوم کا معاملہ صاف فرما دیں۔ دعا ہے کہ اللہ جل شانہ آپ کے جانشینوں کو فہم وفراست سے اور خلوص نیت سے ان کے جاری کردہ دینی کاموں کو سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں جو ان کی نیک نامی میں اضافہ کریں۔

حرف آخر:۔

مجوزہ کتاب کے اس پہلے حصہ میں 1964ء کے حالات اجمالاً تحریر کئے ہیں جو سب "شنیدہ" ہیں صرف حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کے حالات کو ان کی اگست 1973ء سے عملاً گوشہ نشینی تک وسعت دی ہے تا کہ ان کی سرگرمیوں کا مبارک تذکرہ کسی حد تک مکمل ہو جائے۔ "انجمن شبان اسلام کے قیام "1964ء سے اب تک کے حالات چونکہ "ذاتی، شعوری، دور" کے چشم دید اور ایک قسم کی آپ بیتی ہیں اسلئے وہ انشاءاللہ تفصیل سے کتاب کی دوسری جلد میں اشاعت پذیر ہوں گے۔

ٹیکسلا کے دیگر قابل ذکر خاندان، ذاتیں و شخصیات

کتاب کی ابتداء میں اپنے خیال کے مطابق قدیم خاندانوں کا ذکر ہی کیا گیا ہے جو پندرہویں صدی اور اس کے بعد ٹیکسلا شہر میں آباد ہوئے اور اب بھی زیادہ تعداد ان سے منسوب لوگوں کی ہے یعنی گوجر، سادات اور کشمیری۔ گوجروں کی گوتوں یا طرفوں کے لحاظ سے تقسیم بھی ذکر کر دی گئی ہے۔اسی طرح سادات کے متعلق بھی دستیاب تفصیل بیان ہوگئی ہے۔ کشمیریوں کے ضمن میں شیخ، بٹ اور میر ذیلی قبیلوں کا اجمالی تذکرہ ہوگیا ہے جبکہ ان کے مزید قبیلے لون، ڈار، بھٹی وغیرہ بھی ہیں جن کا "پنجاب کی ذاتیں" کتاب میں بھی ذکر ہے اور یہاں بھی لوگ اپنے نام کے ساتھ لکھتے ہیں۔البتہ جو کشمیری "مغل" کہلاتے ہیں ان کو مذکورہ کتاب والے نے کشمیریوں میں شمار نہیں کیا لیکن ٹیکسلا میں وہ کشمیری ہی شمار ہوتے ہیں۔

چند ذاتیں، قبیلے اور نام کے ساتھ لگائے جانے والے "سابقے" اور "لاحقے" ایسے ہیں جن کو "دیہہ شاملات" کہا جا سکتا ہے اس لئے کہ جس کا جی چاہتا ہے خود کو اس ذات یا قبیلے سے منسوب کر دیتا ہے اور نام کے ساتھ بھی وہ شناخت لکھنا شروع کر دیتا ہے مثلاً اعوان، راجپوت، قریشی، شیخ، خان، مغل، ملک وغیرہ۔ راقم السطور نے اس رجحان سے تعرض نہیں کیا بلکہ جس نے جو دعوٰی کیا ہے اسے تسلیم کر لیا گیا ہے۔

آئندہ صفحات میں ٹیکسلا کی مذکورہ تین ذاتوں کے علاوہ باقی ذاتوں، قبیلوں، خاندانوں اور شخصیات کا ذکر کیا جا رہا ہے جو 1964ء سے پہلے ممتاز حیثیت کی حامل تھیں۔

اعوان خاندان:۔

ٹیکسلا میں بہت سے مالکان زمین، زراعت پیشہ، ہنر مند، خدمتگار، دستکار اور تجارت پیشہ خاندان "اعوان" ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ "اعوان" پنجاب کی بڑی ذاتوں میں شمار ہوتے ہیں۔1880ء میں مردم شماری کے بعد انگریز حکمرانوں کی مرتب کردہ کتاب "پنجاب کی ذاتیں" کے صفحہ 389 پر اعوانوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد افغانستان کے علاقہ "ہرات" سے آکر پہلے پشاور میں آباد ہوئے (غالباً سلطان محمود غزنوی کی فوج کے ساتھ)۔ یہ لوگ خود کو حضرت علیؓ کی دوسری بیوی کی اولاد قرار دیتے ہیں یعنی "علوی سید"۔ مصنف کتاب کے مطابق "قطب شاہ"1035 عیسوی میں پشاور میں رہائش پذیر تھے۔ نیاز احمد اعوان ایڈووکیٹ صاحب (حال ٹیکسلا) کے مطابق "اعوان" کا لقب سلطان محمود غزنوی نے دیا تھا جس کا معنیٰ "مددگار" ہے۔ بعض اہل علم کے مطابق یہ "حضرت عون" کے حوالہ سے ہے جو حضرت علیؓ کی چوتھی پشت میں تھے۔

بہرحال پشاور کے علاقہ سے پنجاب میں ان کی آمد "شہاب الدین غوری" کے لشکر کے ہمراہ (1173ء کے بعد) ثابت ہے جس کی فتح کے بعد ان لوگوں کو پنجاب میں وسیع علاقہ دے دیا گیا۔ کوہستان نمک کے اضلاع میں اب بھی "اعوان" قبیلہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ کوہ سکیسر اور کالا باغ ان کے قبائلی مرکز ہیں۔ مصنف نے "کھٹڑ" اور "کھوکھر" ذاتیں ان ہی کی شاخیں قرار دی ہیں۔

اس وقت ملکی سطح پر ان کی دو تنظیمیں "تنظیم الاعوان" کے نام سے متوازی طور پر مصروف عمل ہیں جو ایک دوسرے کو "جعلی اعوان" قرار دیتے رہتے ہیں۔ اس بحث سے قطع نظر ٹیکسلا میں دو تین معروف اعوان خاندانوں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے جن کے بارے میں معلومات حاصل ہوسکی ہیں۔

گھیلا خورد میں سابق ناظم یونین کونسل جناب نورالٰہی اعوان صاحب کا خاندان بھی اعوان ہے اور چند ماہ قبل انہوں نے بھی اپنی برادری کی ایک تنظیم بنائی ہے۔ موصوف کے بڑے بھائی جناب حاجی محبوب الٰہی اعوان صاحب شہر کی معزز شخصیت تھے۔ زمینوں کی ملکیت بھی تھی، ٹرانسپورٹ کا کام بھی تھا اور مین بازار میں دکانیں بھی کرتے تھے۔ مذہبی مصروفیات میں قابل قدر تعاون کرتے اور حصہ لیتے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد نے 1880ء کے بعد کافی زمینیں اور مکان خریدے بالخصوص نزدیکی دیہات " کولیاں" کی گوجر برادری سے۔

ان کی برادری کے بابا شیر احمد مرحوم کا خاندان بھی قابل ذکر ہے جن کے ایک فرزند حاجی ظہیر الدین اعوان صاحب کونسلر بھی رہے ہے، سیاسی طور پر بھی مختلف جماعتوں کے فعال معاون رہے، مذہبی طور پر بھی دینی جماعتوں سے تعاون کرتے رہے اور اپنی زمینوں میں ایک مسجد بھی بنائی۔ خاندان کے نوجوان مذہبی وسیاسی طور پر متحرک رہے ہیں اور عرف عام میں اس خاندان کو مذہبی سمجھا جاتا ہے۔ دیگر بھائیوں میں سے ایک حاجی نذیر احمد اعوان صاحب" تنظیم اہلسنت ٹیکسلا" کے اساسی اراکین میں سے تھے۔

گلی پٹواریاں میں آباد پٹواری خاندان بھی "اعوان" ہونے کا دعوے دار ہے۔ آباؤ اجداد کے حوالہ سے ان کے موجودہ دور کے تعلیم یافتہ سپوت پروفیسر راشد خان صاحب کے مطابق ان کے آباؤ اجداد سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ایک دستہ کی سالاری کرتے ہوئے آئے تھے اور اٹک کے قریب آباد ہوئے۔ پہلے یہ حضرات "شاہ" کہلواتے تھے اور بعد میں "خان" اور "ملک" کہلوانا شروع کیا (یہی دعویٰ کھٹڑ خاندان کا بھی ہے)۔ پروفیسر صاحب کے مطابق ان کے پردادا کے والد عطاء محمد غالباً 1780ء میں ٹیکسلا آکر باقاعدہ طور پر آباد ہوئے۔

ان کے دادا غلام محمد مرحوم عرف گھیبہ نے 1857ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیا جس

کی پاداش میں انگریزوں نے ان کو کچھ سال بعد شہر بدر کر دیا۔ موصوف علمی شخصیت تھے اور کتابیں لکھتے تھے۔ جن میں سے کچھ قلمی نسخے خاندان کے پاس موجود ہیں اور پرانے اوزار بھی۔ بقول پروفیسر صاحب ان کے پردادا مرحوم کو زہر دلوایا گیا اور ان کی اولاد کو بعد میں انگریز حکمرانوں نے اپنے قریب کرلیا۔ ان کے بیٹے فوج میں بھرتی کر لیئے گئے۔ خدا بخش مرحوم میجر تھے اور چھوٹے بھائی بھی فوج میں ملازم تھے۔ اسی خاندان کے ملک شیر بہادر مرحوم محکمہ مال میں افسر تھے، اسی حوالے سے وہ "پٹواری" مشہور ہو گئے جن کے دو صاحبزادے شیر افگن اور شیر افضل معاشرے کے معزز افراد ہیں۔ ٹیکسلا میں زمینوں کا کافی رقبہ اس خاندان کی ملکیت تھا۔ بیچنے کے باوجود اب بھی قابل ذکر جائیداد موجود ہے۔

محلّہ مجاور میں آباد دو خاندان بھی "اعوان" ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ایک ملک اکبر مجاوری مرحوم کا اور دوسرا حیدر بخش مرحوم کا۔ موخر الذکر کے پوتے اور جمعہ خان مرحوم کے صاحبزادے ملک اللہ دتہ اعوان صاحب "میونسپل کمیٹی ٹیکسلا" کے موجودہ کونسلر ہیں۔ آپ 1985ء سے سیاست میں حصہ لے رہے ہیں۔ چوہدری نثار علی خان صاحب کے بھرپور سپورٹر تھے اور ابھی تک ان ہی سے منسلک ہیں۔ اس خاندان کے ملک شفیع اعوان مرحوم 1983ء سے بلدیاتی انتخابات میں حصہ لیتے رہے اور 1992ء میں کونسلر بھی بنے۔ ان سے پہلے 66-1965ء کے بلدیاتی انتخاب میں ملک اکبر مجاوری مرحوم بھی کونسلر منتخب ہوئے اور شیخ بابو خورشید احمد مرحوم کے گروپ کی حمایت کی تھی۔ موصوف کے خاندان سے ان کی چچازاد کا رشتہ دلزاک خاندان کے عزیز خان مرحوم سے ہوا تھا۔ یہ خاندان بھی محلّہ مجاور میں آباد تھا۔

ہنر مند خاندانوں میں سے محلّہ گھیلا خورد کی گلی کشمیریاں میں آباد "لوہار" خاندان کی ایک قابل ذکر شخصیت (جناب نور الٰہی مرحوم) دوسری جنگ عظیم میں انگریز فوج میں بھرتی

ہوئی اور لیفٹیننٹ کرنل کے عہدہ سے ریٹائر ہوئی تھی "اعوانوں" میں سے بھی اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

لیفٹیننٹ کرنل نور الٰہی اعوان مرحوم:۔

آزادی سے کچھ عرصہ بعد غالباً ٹیکسلا کے آپ واحد آرمی آفیسر تھے او 19-09-1919ء کو پیدا ہوئے۔ میٹرک کے بعد پہلے اٹک آئل کمپنی میں نوکری کی، پھر فوج میں بھرتی ہو گئے، پاکستان بنتے وقت صوبیدار میجر تھے بعد میں "کورسز" کر کے لیفٹیننٹ، کیپٹن اور لیفٹیننٹ کرنل بنے اور اسی عہدے سے 1969ء میں ریٹائر ہوئے۔ آپ ٹینک ایکسپرٹ تھے اور امریکہ سے 1953ء میں ٹریننگ کی تھی۔ دوران ملازمت رسالپور، نوشہرہ، پشاور، کھاریاں، کوئٹہ اور راولپنڈی میں رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد راولپنڈی میں ہی رہائش اختیار کر لی اور وہیں فوت ہو کر مدفون ہوئے۔ پہلی شادی سے آپ کے دو فرزند اختر عالم، اشتیاق احمد ہیں اور باقی دختران ہیں۔ ان کے بھتیجے "نجیب" بھی قابل ذکر ہیں جو ائیر فورس میں ایک اچھے عہدے پر فائز رہے ہیں۔ اسی طرح ایک بزرگ میاں رحمت دین مرحوم جو "ملا رحمت دین" کے نام سے مشہور تھے بھی قابل ذکر ہیں جو بلدیاتی انتخابات میں امیدوار بھی بنے اور شہر کے بااثر افراد کے قریبی ساتھی بھی رہے۔

ایک اور پہلے "دستکار" اور بعد میں تاجر پیشہ خاندان جس کے سربراہ سیٹھ غلام محی الدین مرحوم تھے بھی "اعوان" ہونے کا دعویدار ہے۔ ان کے علاوہ بھی اکثر دستکار، ہنرمند، محنت کش، راج، معمار، نجار وغیرہ بھی خود کو "اعوان" شمار کراتے ہیں۔

کھٹڑ خاندان:۔

اعوان خاندان کے سلسلہ میں مذکور کتاب کے صفحہ 393 پر اس خاندان اور ذات کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ اعوانوں کیساتھ قرابت داری کا دعویٰ کرتے ہیں البتہ کچھ

" کھٹڑ "راجپوت ماخذ بھی بتاتے ہیں۔اعوان ان کو اپنا کم تر قبیلہ ظاہر کرتے ہیں۔یہ اصل میں خراسان کے باشندے ہیں جو سلطان محمود غزنویؒ کے ہمراہ ہندوستان میں آئے اور کچھ خاندان دریائے اٹک کے کنارے غازی بروٹھہ کے قریب آباد ہو گئے۔بعد میں پرتھوی راج کے دور میں ہندوؤں نے ان کو افغانستان کی طرف دھکیل دیا اور اسی طرح "نیلاب" میں آباد کھٹڑوں کو بھی بھگا دیا۔افغانستان میں جب شہاب الدین غوری نے غزنی صوبہ فتح کر لیا اور ہندوستان پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا تو اس قبیلہ کے سردار " کھٹڑ خان " نے غوری کی ملازمت اختیار کر لی۔یہ قبیلہ غوری کے ہمراہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا، قلعہ نیلاب فتح کرنے میں مدد دی تو غوری بادشاہ نے نیلاب سے موجودہ ترنول تک کا علاقہ ان کو انعام میں دے دیا جو " کالا چٹا پہاڑ " سے شمال اور جنوب میں دس دس کوس تک پھیلا ہوا تھا۔یہ علاقہ تقریباً سوڈیڑھ سو دیہات پر مشتمل تھا۔

ان کے اجداد میں سے ایک "عبداللہ شاہ" نے خود کو "عبداللہ خان" کہلوانا شروع کر دیا اور اب تک سب کھٹڑ "خان" ہی کہلواتے ہیں۔ان کے ذیلی شاخیں سرہال، جنڈال وغیرہ کہلواتی ہیں۔اس علاقہ کے کھٹڑوں نے بعد میں باہمی لڑائیاں شروع کر دیں۔کسی نے سکھوں کو ساتھ ملا کر دوسرے بھائی کو قتل کرا دیا اور دوسروں نے انگریزوں سے مدد لے کر پہلے کی نسل ختم کر دی۔آزادی کے بعد بھی اسی طرح علاقہ کے طاقت ور دھڑوں سے ملکران لڑائیوں کو جاری رکھا۔

ٹیکسلا میں آباد ڈاکٹر تاج صاحب کا خاندان بھی جھنگ باہتر سے جبراً نکالا گیا اور وہ پہلے ٹیکسلا سے مشرق میں "خرم" کے قریب آباد ہوئے اور پھر ٹیکسلا شہر آ گئے۔

دلزاک خاندان:۔

"پنجاب کی ذاتیں" نامی کتاب کے صفحہ 184 پر لکھا ہے کہ یہ فارس کے باشندے

ہیں پانچویں چھٹی صدی سے پہلے پشاور کے باشندے تھے اور ان صدیوں کے دوران " جاٹوں " کے ہمراہ پنجاب آئے اور جلد ہی طاقت اور اہمیت حاصل کر لی۔ دریائے سندھ و شمالی پہاڑیوں کے دامن تک ساری وادی پر حاکمیت قائم کر لی۔ غزنوی دور میں اس کے ساتھ بھی تعاون کیا اور بعد میں شہاب الدین غوری کے ہمراہ بھی جنگیں کیں، جہلم تک کا علاقہ فتح کیا اور اٹک سے جہلم تک مقیم ہو گئے۔ تیرہویں صدی کے نصف اول میں یوسفزئیوں نے ان کو دریائے سندھ سے پار علاقہ چھچھ اور ہزارہ میں دھکیل دیا جہاں یہ سولہویں صدی تک قابض رہے۔

وادی ٹیکسلا میں بھی ان کو "غوریوں" نے زمینوں کا مالک بنایا تھا جو " ملکیت " بعد کے مشکل دور کے باوجود ابھی تک مختلف مقامات پر " محکمہ مال " کے کاغذات میں موجود ہے۔ غوریوں کے بعد کے ادوار میں بھی یہ خاندان اس علاقہ میں موجود رہا۔ اس دوران جب " دلزاکوں " نے اپنے مقبوضہ علاقے دوبارہ حاصل کرنے کیلئے بار بار حملے کر کے بدنظمی اور گڑبڑ پیدا کی تو اس وقت کے مغل بادشاہ جہانگیر نے کابل جاتے ہوئے حسن ابدال کے قریب ایک گاؤں "ہرو" میں اپنے ایک سردار ظفر خان کوکا کو حکم دیا کہ میرے واپس آنے سے پہلے "دلزاکوں" کو اس علاقہ سے بھگا دو۔ چنانچہ سترہویں صدی کے ابتداء میں ان کے ہزاروں افراد کو گرفتار، کچھ کو قتل اور ہزاروں لوگوں کو بھگا دیا گیا۔ چند خاندانوں نے صوابی، مردان وغیرہ میں پناہ لی اور کچھ خاندان ایبٹ آباد، ہری پور وغیرہ میں آباد ہو گئے۔

پیر شاہ فتح خان مرحوم کے خدام کے طور پر آنے والے "دلزاک" جن کا ایک فرد " کالا خان " پیر صاحب کے ساتھ مدفون ہے۔ غالباً اس کے خاندان کے زیادہ لوگ بھی ہزارہ جا کر مقیم ہوئے تھے اور بعد میں حالات بہتر ہونے پر ٹیکسلا لوٹ آئے۔ ان کو مجاوری کہا جاتا ہے اور پورا ایک محلہ ان کے نام سے آباد ہے۔ مجاوریوں یعنی دلزاکوں کے بقول " پیر شاہ فتح خان مرحوم " بھی دلزاک تھے لیکن اس موضوع پر ان کا یہ نکتہ نظر متنازعہ ہے۔

ویسے بھی پیر شاہ فتح خان مرحوم کے آنے کے بارے میں تین مختلف روایات ہیں۔نور محمد نظامی صاحب نے تقریباً دس کتابوں کے حوالہ سے ان کی ٹیکسلا آمد کا سال 1440ء کے لگ بھگ لکھا ہے جس وقت دہلی میں سادات خاندان کے "محمد شاہ" کی حکومت تھی (1440 تا 1451ء)۔انہی کے پاس موجود سادات کے شجروں کی کتاب میں سولہویں صدی کا سال 1543ء تحریر ہے جبکہ تازہ ترین بھابڑہ کی طرف سے شائع کردہ سال 1637ء درج کیا گیا ہے۔اسی طرح کھٹڑوں کا دعویٰ ہے کہ وہ "کھٹڑ" تھے اور شادی بھی اسی خاندان سے کی تھی جبکہ سادات کہتے ہیں کہ وہ بھکھر (سکھر سندھ) کے سید تھے۔واللہ اعلم بالصواب۔

ڈھبیاں اور موہڑہ ملیاراں (گانگو بہادر) کا ملک خاندان:۔

ٹیکسلا شہر کے مشرق میں خانپور روڈ کے دائیں بائیں آباد ڈھبیاں اور موہڑہ ملیاراں میں ایک "ملک برادری" آباد ہے جو اپنے دعویٰ کے مطابق ایران کے شہر "ایرا" سے تعلق رکھتے ہیں جہاں سے ان کے آباؤ اجداد افغانستان کے علاقہ غزنی میں آئے اور پھر پیر شاہ فتح خان مرحوم کے ہمراہ ٹیکسلا آکر آباد ہوئے۔

ابتدائی طور پر ان کا پیشہ ملیار کا کام تھا اور موہڑہ شاہ ولی شاہ سے موہڑہ مرادو تک کی زمینوں میں کاشت کا کام کرتے تھے۔بعد میں خوشحال ہونے پر اپنی زمینیں خرید لیں پھر ٹرانسپورٹ کا سلسلہ بھی شروع کردیا اور پنڈی ہزارہ ٹرانسپورٹ کے انتظامی بورڈ کے ممبر بھی ہے۔

خاندان میں سے مشہور ہوجانے والی معزز شخصیت "ملک بابو شفیع مرحوم" کے والد الٰہی بخش مرحوم مذکورہ بورڈ میں شامل تھے۔ان کی وفات کے بعد بابو شفیع مرحوم بورڈ کے ممبر بن گئے۔الٰہی بخش مرحوم کے دو اور بھائی منشی جمعہ اور نور بخش تھے۔ان تینوں بھائیوں کو خدا نے چار چار فرزند عطا کیے اور اب تک ان کی اولاد میں باہمی اتفاق و اتحاد ہے۔اس اولاد کو والدین نے زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کیلئے راولپنڈی پر کرایہ پر مکان لے کر رہائش اختیار

کی اس لئے کہ اس وقت ٹیکسلا میں ہائی سکول نہ تھا اور میٹرک کیلئے راولپنڈی یا حسن ابدال کے سکولوں میں داخلہ لینا پڑتا تھا۔

اب مذکورہ معزز شخصیت کا تفصیلی ذکر کیا جاتا ہے اس لئے کہ آپ دو دفعہ یونین کونسلوں کے چیئرمین رہے اور علاقہ کیلئے بہت خدمات انجام دیں۔

بابو ملک محمد شفیع مرحوم:۔

آپ نے راولپنڈی میں ڈینیز ہائی سکول سے میٹرک کیا اور گارڈن کالج سے 1956ء میں بی اے کی ڈگری لینے کے بعد ایف سی کالج لاہور سے 1958ء میں ایم اے اکنامکس کیا۔ تعلیم مکمل ہونے پر انتہائی پرکشش نوکری ٹھکرا کر آپ نے علاقہ سے "سرداری" کے غلامانہ نظام کو ختم کرانے کیلئے جدوجہد کو اپنا مقصد زندگی بنا لیا۔ پہلے بلدیاتی انتخاب سے قبل پنڈی ہزارہ ٹرانسپورٹ نے انتظامی عہدہ پر فائز ہو گئے اور 1960ء سے مذکورہ انتخابات کیلئے تیاری شروع کر دی۔ اس وقت "یونین کونسل ڈھیری شاہاں" ٹیکسلا شہر کے غالب حصہ اور جنوبی دیہاتوں پر مشتمل تھی جبکہ شہر کے مشرقی حصہ اور اس سے ملحق مشرق اور شمال میں واقع دیہاتوں پر مشتمل "یونین کونسل عثمان کھٹڑ" الگ تھی جو جنوب میں بھڑ ماؤنڈ اور خرم سے لے کر شمال میں موہڑہ مرادو اور شمال مغرب میں بھلڑ توپ تک کے علاقہ تک پھیلی ہوئی تھی۔

اسوقت اس یونین کونسل کے نامزد اراکین سمیت کل 17 ممبر تھے۔ جب چیئرمین کا انتخاب ہوا تو بابو ملک محمد شفیع مرحوم کو 14 ووٹ ملے جبکہ مخالف "سردار" خاندان کے امیدوار غلام مصطفیٰ شاہ کو اپنے علاوہ دو نامزد اراکین کے دو ووٹ۔

جناب بابو محمد شفیع مرحوم نے علاقہ کے لئے بھرپور خدمات انجام دیں۔ موہڑہ ملیاراں، خرم، موہڑہ مرادو اور بھلڑ توپ میں چار سکول شروع کرائے۔ خرم کیلئے پختہ راستہ اور کنواں بنوایا۔ امریکی وزیر زراعت مسٹر فری مین کے 1961ء کے ٹیکسلا کے دورہ کے موقع پر اس سے موہڑہ ملیاراں والے سکول کے طلبہ کیلئے مفت لنچ منظور کرایا جو اپنی مثال آپ ہے۔ یہ

لنچ کا سلسلہ طویل عرصہ تک چلتا رہا۔

آپ ضلعی سطح پر قتل کے مقدمات کے حوالے سے بنائے گئے سرکاری "جرگہ" کے بھی ممبر تھے جس کے دوسرے اراکین میں سے جناب چوہدری نثار علی خان صاحب کے والد گرامی ریٹائرڈ بریگیڈیر فتح خان مرحوم قابل ذکر ہیں۔

آپ 1979ء کے بلدیاتی انتخابات میں "یونین کونسل ٹیکسلا" کے منتخب ممبر بنے اور چیرمین کے خلاف تحریک عدم اعتماد کامیاب ہونے کے بعد بقیہ عرصہ کیلئے آپ چیئرمین منتخب ہو گئے۔ اس دورانیہ میں بھی آپ نے قابل تحسین خدمات انجام دیں بالخصوص 80-1980ء میں مسلکی بنیاد پر ہو جانے والے دو قتل کے مقدمات کو ختم کرانے کیلئے مصالحت کے عمل میں بہت بھرپور کردار ادا کیا اور اس سلسلہ میں تشکیل کردہ شہر کی امن کمیٹی کے رکن بھی رہے۔

گانگو جمعہ کا قریشی خاندان:۔

گانگو بہادر کے ملک خاندان کے تذکرہ کے بعد ضروری ہے کہ اس سے ایک ڈیڑھ کلومیٹر شمال مشرق میں واقع گانگو جمعہ کے ایک مشہور، معزز، تعلیم یافتہ اور قابل فخر خاندان کا ذکر بھی کر دیا جائے جو اگرچہ موجودہ دور میں ٹیکسلا سے ہجرت کر کے شہروں میں آباد ہو چکا ہے اس لئے کہ اس کے نامور سپوت فوج اور سول سروسز میں اچھے عہدوں پر فائز رہے اور ہیں۔

گانگو جمعہ کے گاؤں میں دو صدیاں قبل قریشی خانوادے کا کنبہ آباد ہوا۔ اس کے سربراہ کا نام میاں محمد نعیم تھا۔ یہ ان قافلوں کا حصہ تھا جو دہلی سے اس وقت نکلے جب نادر شاہ اس عروس البلاد پر حملہ آور ہوا۔ چونکہ ابتلاء کا دور تھا یہ لوگ اپنی جان کے تحفظ کیلئے کابل جانا چاہتے تھے لیکن حالات کے جبر نے انہیں راولپنڈی کے قریب ایک گاؤں بیول میں قیام کرنے کیلئے روک لیا۔ بیول سے میاں محمد نعیم اپنے بھائی میاں محمد امین کے ساتھ خانپور چلے گئے۔ خانپور پر گکھڑوں کی حکمرانی تھی۔ یہ دونوں بھائی دینی تعلیم کے حامل تھے۔ گکھڑوں نے ان کی پذیرائی کی اور انہیں قریب کے گاؤں کٹھڑا بھیج دیا۔ میاں محمد امین نے وہاں

مستقل سکونت اختیار کر لی لیکن میاں محمد نعیم نے وہاں سے گانگو جمعہ کا رخ کیا۔ کٹھڑا میں ان کی قابل ذکر شخصیت پیر صدر الدین تھے۔

گانگو جمعہ میں میاں محمد نعیم کے خاندان نے ترقی کی اور پھر ایسا وقت آیا کہ وادی ٹیکسلا میں قریشی خانوادہ ایک منفرد حیثیت کا حامل بن گیا۔ اس کی آنے والی نسلوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ سول اور فوج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ ان کی تعداد بھی کافی بڑھ گئی اور یہ ایک بڑے خانوادے کی شکل اختیار کر گیا لیکن مستقبل میں ملازمت اور دوسرے امور کی مجبوریوں کی وجہ سے اس خانوادے کے بیشتر کنبے بتدریج ایک ایک کر کے شہروں میں رہائش پذیر ہو گئے۔ گانگو میں ان کی آٹھویں نسل پروان چڑھ رہی ہے لیکن زیادہ تر وہی لوگ گاؤں میں رہ گئے ہیں جو کاشت کاری سے وابستہ ہیں یا پھر گاؤں کے قریب ملازمتیں مل جانے سے گاؤں میں رہنا ان کے لئے سہولت بخش ہے۔ گاؤں میں بزرگوں کے بنائے ہوئے گھر بدستور موجود ہیں جن کی دیکھ بھال کیلئے اُن کے افراد گاؤں آتے رہتے ہیں۔ قریشی خانوادے کا گاؤں میں اپنا ایک الگ قبرستان ہے۔

اس خانوادے کے جن بزرگوں نے سروس سے ریٹائر ہونے کے بعد گاؤں میں مستقل سکونت اختیار کی اور یہیں پیوستہ خاک ہوئے ان میں تیسری نسل سے میاں محمد غوث اور چوتھی نسل سے بابو فضل حق قریشی قابل ذکر ہیں۔ گانگو جمعہ کے قریشی خانوادے کا عثمان کھٹڑ کے قریشی خانوادے سے قریبی تعلق ہے جہاں کی قابل ذکر شخصیت محمد شفیع قریشی تھے۔ عثمان کھٹڑ میں مدفون شیخ کریم الدین مرحوم سے بھی ان خانوادوں کا قریبی تعلق تھا۔ شیخ کریم الدینؒ کا مقبرہ مرجع خاص و عام ہے۔ وہ اپنے وقت کی برگزیدہ ہستی تھے، صاحب تصوف و صاحب کرامات تھے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلفاء اور قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ سے بھی ان خانوادوں کا قریبی رشتہ تھا۔ ان بزرگ ہستیوں کے رشتے اور قرب کی بدولت ان خانوادوں کو روحانی فضیلت حاصل ہوئی اور لوگ ان کے حلقہ

ارادت میں شامل ہونے لگے۔ بیعت کا سلسلہ بھی لوگ ان سے قائم کرنے لگے اور وہ پیر کہلائے لیکن پرانی نسلوں کے معدوم ہونے جانے کے بعد یہ سلسلہ بتدریج ختم ہوگیا۔

جیون روڈ ٹیکسلا کے بٹ، میر اور شیخ خاندان:۔

موجودہ میونسپل کمیٹی کے وائس چیئر مین عزیزم ذیشان صدیق بٹ کا خاندان بھی قابل عزت نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ خاندان کے سربراہ بابا جیون مرحوم بالائی شجرہ کے حساب سے خلیفہ بلا فصل حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تقریباً اکیسویں پشت بنتے ہیں جبکہ سولہویں پشت کے شاہ میر (سلطان شمس الدین) غالباً تصوف کے سلسلہ قادریہ راشدیہ کے انیسویں خلیفہ تھے (البتہ یہ موقف تحقیق طلب ہے)۔

شاہ میر کے والد کے پردادا بارک شاہ المعروف غیاث الدین ملک بادشاہِ ترکستان تھے۔ ایک روایت کے مطابق یہ میر قوم ترکستان کے مغل قبائل سے تعلق رکھتی ہے اور یہ زراعت اور تجارت پیشہ تھے۔ مغل ذات کی نسبت "منگولوں" سے ہے اور ہندوستان پر پہلا مغل حکمران ظہیر الدین بابر تھا۔

ٹیکسلا شہر میں اس خاندان کی اہمیت موجودہ وائس چیئر مین بلدیہ کے ددھیال اور شیخ محمد انور صاحب ایم پی اے کے والد، ٹھیکیدار محمد یعقوب صاحب سابق وائس چیئر مین بلدیہ ٹیکسلا، شیخ طارق محمود مرحوم سابق چیئر مین بلدیہ ٹیکسلا کے ہمشیرہ کے سسرال خاندان ہونے کی وجہ سے بھی ہے۔ یہ سب شہر کی معروف شخصیات ہیں۔

اس خاندان کے ٹیکسلا آکر سب سے پہلے آباد ہونے والے لعل دین میر شاہ میر مرحوم کے پوتے تھے جو خود تو لاولد تھے البتہ ان کے بھائی اعظم میر کی اولاد بہت پھلی پھولی، ان کے ایک پڑپوتے کا نام جیون میر تھا جن کی نسبت سے مسجد بابا جیون اور جیون روڈ نام ہیں۔ بابا جیون مرحوم کے 8 بیٹے اور 3 بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے میر جمعہ خان مرحوم انگریز دور میں سڑکوں وغیرہ کی تعمیر کے ٹھیکے لیتے تھے۔ روایت ہے کہ مانسہرہ سے آگے گڑھی حبیب

اللہ تک بڑا اسی روڈ کی تعمیر کا ٹھیکہ بھی ان کے پاس تھا۔

بابا جیون مرحوم کے ایک اور فرزند فتح محمد کی اولاد میں سے بابا علی حیدر بٹ ٹیکسلا کی مشہور اور معزز شخصیت تھے جن کو خدا نے چار بیٹے اور چار بیٹیاں عطا فرمائیں۔ ایک بیٹے بچپن میں فوت ہو گئے باقی تینوں بیٹوں کو اچھی تعلیم دلوائی جس کی وجہ سے وہ بھی معاشرے کے قابل احترام افراد بن گئے۔

بابا علی حیدر بٹ مرحوم نے محنت مزدوری کر کے خوشحال ہونے پر ٹرانسپورٹ کا کام شروع کر دیا۔ پہلی گاڑی 1932ء میں خریدی۔ لارنس پور رولن ملز میں حصص بھی خرید لئے۔ ٹرکوں کے علاوہ پنڈی ہزارہ ٹرانسپورٹ میں بھی حصہ تھا آپ اور آپ کے دو دوستوں حاجی محبوب الٰہی اعوان مرحوم اور گوجر برادری کے محمد عرف گھمن (جو کوہستان گروپ کے مالکان کے تایا تھے) کا سہ رکنی گروپ شہر میں بہت معروف تھا یہ عموماً ہر وقت اکٹھے رہتے تھے اور شہر کے شرفاء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

بابا جیون مرحوم کے تین بیٹے لاولد تھے البتہ باقی پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں کثیر الاولاد تھیں۔ جیون روڈ کے علاوہ گھیلا خورد کے محلّہ پھلائیاں، محلّہ عید گاہ، گلی مسجد اہلحدیث وغیرہ میں ددھیالی و ننھیالی خاندان کافی تعداد میں آباد ہیں۔

ٹیکسلا کے مغل خاندان:۔

ٹیکسلا میں بہت سے خاندان "مغل" ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بعض کشمیری بھی خود کو مغل کہلواتے ہیں جبکہ پچھلے صفحات میں مذکور "کتاب پنجاب کی ذاتیں" میں کشمیری ذات کی شاخوں میں مغل مذکور نہیں ہیں۔ بہر حال سب سے مشہور مغل فیملی جناب فرخ محمود مغل صاحب کی ہے جن کی تین چار مغل مارکیٹیں پورے علاقہ میں مشہور ہیں۔ موصوف کا تفصیلی ذکر تو انشاءاللہ دوسری جلد میں کیا جائے گا البتہ ان کے والد مرحوم کا ذکر خیر یہاں کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ 62-1960ء کی یونین کونسل کے نامزد ممبر اور قائم مقام چیئرمین

رہے۔اس کے علاوہ بھی ان کی شہر کے لئے بہت خدمات ہیں۔

حاجی احمد دین مرحوم المعروف "حاجی صاحب بدھووالے":۔

آپ غالباً 06-1905 میں بدھو گاؤں میں حاجی جمال دین ٹھیکیدار مرحوم کے ہاں پیدا ہوئے۔آپ کے آباءواجداد میں سے سب سے پہلے غالباً "حیات میر" کشمیر سے آکر اس علاقہ میں آباد ہوئے۔ان کے بیٹے کمال میر اور پوتے عمر میر تھے۔موخرالذکر حاجی جمال دین مرحوم کے والد گرامی تھے۔حاجی جمال دین مرحوم گورنمنٹ کنٹریکٹر تھے اور انگریز کے زمانے میں ٹیکس دہندہ رہے جواس دور میں ایک اعزاز تھا۔ایسے لوگوں کو فلیگ ہولڈر کہا جاتا تھا۔اسی وجہ سے جب حاجی احمد دین مرحوم 1936ء میں حج پر گئے تو شاہ عبدالعزیز مرحوم کی طرف سے دی گئی شاہی دعوت میں شریک ہوئے جس میں آپ کو " غلاف کعبہ " کا ٹکڑا تحفہ کے طور پر دیا گیا۔

عصری تعلیم غالباً میٹرک یا مڈل تک تھی لیکن ذہانت کی وجہ سے انگریزی زبان پر بہت عبور تھا اور تعلیم یافتہ افراد میں شمار ہوتے تھے۔1939ء میں والد صاحب کی وفات کے بعد ان کے ٹھیکوں کے کاروبار کو بھی سنبھالا اور 36-1935 میں ٹیکسلا کی کافی زمینیں اور دکانیں خریدیں۔آپ کی والدہ کا تعلق ٹیکسلا سے تھا۔آپ آزادی سے دو چار سال پہلے ٹیکسلا آگئے تھے۔سیاسی طور پر مسلم لیگ ٹیکسلا کے جنرل سیکرٹری اور خزانچی بھی رہے۔اس کے علاوہ حکومت کی مختلف کمیٹیوں میں بھی بحثییت رکن کام کیا۔یونین کونسل ڈھیری شاہاں کے قائم مقام چیئر مین کی حیثیت سے امریکی وزیر زراعت کی ٹیکسلا آمد پر اس کو کسانوں کی طرف سے مطالبات بھی پیش کیئے۔

خوشحال ہونے کی وجہ سے کافی رفاہی کام بھی کیئے۔اپنے گاؤں بدھو کی مسجد کی تعمیر کروائی اور ٹیکسلا کی موجودہ مدنی مسجد فیصل شہید روڈ کی توسیع کیلئے بھی شمالی طرف کی جگہ خرید کر مسجد میں شامل کی اور خود بلا معاوضہ تاحیات اس مسجد میں امامت وخطابت کے

فرائض سرانجام دیئے۔ ضلع پنڈی کے گوجر خان شہر کے نزدیک ڈھوک محمد شاہ میں ایک بڑا کنواں کھدوایا اور اس سے ملحقہ زمین خرید کر لوگوں کے استفادہ کیلئے وقف کی۔

روحانی طور پر آپ کا حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے تعلق تھا۔آپ کا انتقال 10 جنوری 1974ء کو ہوا۔آپ کے ورثاء میں تین بیٹے خالد محمود مرحوم عرف علامہ صاحب، طارق محمود مغل صاحب اور فرخ محمود مغل صاحب ہیں۔ موخر الذکر کی والدہ کا تعلق موضع گڑھی افغاناں کے دینی خاندان سے ہے جبکہ اول الذکر صاحب زادگان کی والدہ ٹیکسلا سے ہی ہیں۔

ٹیکسلا کے ہنر مندودستکار خاندان:۔

کسی بھی معاشرے کی ضروریات پوری کرنے کیلئے ہنر مند اور دست کار افراد کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی بھی قوم کے افراد یہ پیشے اختیار کر لیتے ہیں۔ قدیم دور میں ایسے پیشہ ور لوگوں کو نقد رقم کے بجائے فصلوں کے موقع پر اجناس دی جاتی تھیں یا زمینوں کا مالک بنا دیا جاتا تھا۔ انگریز کے زمانے میں مردم شماری کے موقع پر مذکورہ لوگوں نے معاشرے کی طرف سے دیئے ہوئے ناموں کو اپنی ذات کے طور پر لکھوا دیا حالانکہ یہ ذاتیں نہیں بلکہ پیشے تھے اور متعلقہ کام کی نسبت سے معاشرہ ان کو ایسے ناموں سے پکارتا تھا ان کی موجودہ نسل تعلیم یافتہ اور باشعور ہونے کے بعد اب خود کو مشہور ذاتوں سے منسوب کرتی ہے۔ مثلاً اعوان، راجپوت وغیرہ۔

گزشتہ صفحات میں مذکور کتاب "پنجاب کی ذاتیں" میں شمار کئے گئے پیشے اور نام درج ذیل ہیں۔

سنار (زرگر)، ترکھان (بڑھی یا نجار)، لوہار (آہن گر یا حداد)، راج (مستری یا معمار)، کمہار (کوزہ گر یا ظروف ساز)، موچی (کفش دوز)، جولاہا (پارچہ باف)، درزی (پارچہ ساز)، ملیار (مزارع)، چرم ساز (دباغ)، نائی (حجام)، تیلی، دھوبی، قصاب، پینجہ، سنگتراش وغیرہ۔

کسی بھی جگہ نئے آباد ہونے مالکان زمین ان ہنر مند خاندانوں کو مختلف علاقوں سے بلوا کر اپنے پاس آباد کرتے تھے تا کہ ضروریات زندگی مہیا ہو سکیں۔ موجودہ دور میں تعلیم عام ہونے پر ٹیکسلا کے ان ہنر مند خاندانوں کے کئی سپوت فوج اور سول کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ معلومات مل جانے پر انشاء اللہ اگلی جلد میں ان کا تفصیلی تذکرہ کر دیا جائے گا۔

☆......☆

کتاب کے مواد کے متعلق چند باتوں کی وضاحت اور ذاتی تجزیہ

کتاب کی ترتیب کے دوران حاصل ہونے والی معلومات اور ان کے اندراج کے متعلق ذیل میں چند وضاحتیں اور کچھ ذاتی تجزیہ درج کیا جاتا ہے تا کہ ذہنوں میں اٹھنے والے چند سوالات کا جواب مل سکے۔

1) سب سے پہلے گوجروں کے آباد ہونے کے ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ انگریزوں کی طرف سے 1880ء کی مردم شماری کے بعد شائع کردہ کتاب "پنجاب کی ذاتیں" میں اس قوم کو یہاں کی قدیم ترین آباد "ذات" لکھا گیا ہے جو ایک صدی قبل مسیح آباد ہوئی اور مسلمان حملہ آوروں کے قبضہ کے بعد اسلام بھی قبول کیا۔ اگرچہ موجودہ نسل کا تسلسل "سترہویں صدی" میں مغل بادشاہوں ہمایوں، جہانگیر اور شاہجہان کے عہد تک مل سکا ہے جب یہ "گھیلا کلاں" سے یہاں آکر گھیلا خورد آباد کر کے مقیم ہوئے لیکن ظاہر ہے کہ یہ یہاں پہلے سے آباد "ہم ذاتوں" کے پاس ہی آکر آباد ہوئے ہونگے ورنہ یہ کوئی غیر آباد علاقہ تو نہیں تھا اور نہ ہی ان کے لڑائی کر کے قبضہ کرنے کے شواہد ملتے ہیں۔

گوجروں میں سے چونکہ زیادہ خاندانوں کا تعلق کتاب کی ابتداء میں مذکور چار طرفوں سے ہے اس لئے ان کو ذرا تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ان کے علاوہ "چیچی" گوت اور دوسری متفرق گوتوں کے خاندان بھی یہاں آباد ہے جن کی تفصیل نہیں مل سکی البتہ ایک چیچی خاندان اور دوز ہی خاندانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ بھی ہندوستان سے ہی آ کر آباد ہوئے۔

2)"سادات "برادری کے سربراہ "پیر شاہ فتح خان مرحوم" کی یہاں آمد کا سال تین دستیاب شجروں اور دستاویزات کے مطابق مختلف ہے اور ایک ایک صدی کا فرق ہے۔ بالائی شجرہ مدنظر رکھیں تو آپ تقریباً بتیسویں پشت بنتے ہیں یعنی آٹھ سو سال بعد یعنی (پندرہویں صدی) اور زیریں شجرہ سے شمار کریں تو موجودہ نسل سے اوپر بارہویں پشت اس طرح تو اٹھارہویں صدی بنتی ہے۔آپ کے خادم کالا خان دلزاک کا شجرہ پڑھنے سے وہ بھی اٹھارہویں صدی کے پشت بنتے ہیں۔اسی طرح ان کی ذات کے متعلق بھی تین دعوے ہیں یعنی سید، دلزاک، کھٹڑ۔ بہرحال ہم نے اس سے تعرض نہیں کیا حالانکہ مذکورہ شجروں میں بھی بالائی اور زیریں پشتوں میں دو دو اور تین تین نام مختلف ہیں۔

3)" کالا خان "نامی کردار بھی متنازعہ ہے جس کے نام پر "سرائے کالا"،"نالہ کالا" وغیرہ ہیں اور مارگلہ کے مقام پر انگریزوں سے تصادم، جنگ آزادی میں "نکلسن "کے قتل وغیرہ کے واقعات اس کردار سے منسوب کئے جاتے ہیں مثلاً" گوجروں کے عروج و زوال " کتاب کے مصنف "رائے محمد اشرف گوجر" لکھتے ہیں کہ

" ٹیکسلا کو مرکز بنا کر سردار کالا خان گوجر نے حریت پسندوں کو متحد کیا اور صوبہ سرحد میں انگریزوں کے دانت کھٹے کئے۔۔۔۔۔۔۔۔اور جب جنرل نکلسن کو سردار کالا خان گوجر کے ایک مجاہد حریت نے گولی کا نشانہ بنایا تو وہی شخص (ایک مزارع) موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا جنرل کو اٹھا کر انگریزوں کے مورچوں تک لے کر گیا۔آج اس جگہ ٹیکسلا کی حدود کے آغاز ہی میں جنرل نکلسن کی یادگار کے طور پر ایک مینار ہے"۔

یہ واقعہ 1857ء کی جنگ آزادی کے آغاز کا ہے۔ ایک دوسری روایت ہے کہ اسی جنگ آزادی کے دوران دہلی شہر میں "کالا خان" نامی شخص نے ہی مذکورہ جنرل نکلسن کو قتل کیا اور وہ یہی "سردار کالا خان گوجر" تھا۔ تیسری روایت شیخ عارف محمود عثمان ایڈووکیٹ کی ہے کہ انہوں نے پشاور یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران اس موضوع پر ایک مقالہ لکھا تھا اور تحقیق کے مطابق "کالا خان" مغل شاہی خاندان کا شہزادہ یا ان کا داماد تھا اور پہاڑوں پر قیام پذیر ہو کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ "چھاپہ مار کاروائیاں" کرتا تھا اور اسی نے نکلسن کو پہلے زخمی اور بعد میں قتل کیا۔

چوتھی روایت کا ثبوت تو "پیر شاہ فتح خان مرحوم" کے ساتھ بنی قبر ہے جس کی لوح پر کالا خان، دلزاک تحریر ہے اور اسے خادموں میں شمار کیا گیا ہے۔ پیر صاحب موصوف کی وفات پر "مجاوری" کے عنوان سے جھگڑے ہونا بھی بیان کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

4) جن خاندانوں کے "سپوتوں" نے شجرات مہیا کئے ہیں میں ان کا ممنون ہوں "سادات" کے حوالہ سے مشکل پیش آئی ہے کہ "بھابھڑہ" والوں نے جناب شاہ فتح خان مرحوم کے فرزند جعفر کی اولاد کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور خود کو ان کی نسل شمار کیا ہے۔ جبکہ دوسرے بیٹے "قطب شاہ" کی اولاد تحریر نہیں کی۔ اسی طرح موہڑہ شاہ ولی شاہ کے جن خاندانوں نے شجرات دیئے ہیں وہ باہمی مربوط حوالہ نہیں بن سکے۔ بہر حال میں نے بڑی عرق ریزی کر کے سب شجرات کو "گرافک" شکل دی اور مذکورہ خاندانوں کو کسی حد تک مربوط کر دیا ہے۔ باقی محلوں میں آباد سادات کے شجرے مہیا نہیں ہو سکے۔ اسی طرح "گوجر خاندانوں" کا معاملہ بھی "گنجلک" رہا ہے۔ موجودہ نسل اپنا تسلسل "گھیلا خورد" آباد کرنے والے آباؤ اجداد تک مہیا نہیں کر سکی پھر بھی میں نے ان کے کچھ خاندانوں کے شجروں کو "گرافک" شکل دے دی ہے۔ "ہرج ملک" دو خاندانوں کا بھی اسی طرح دو شجروں میں ریکارڈ بنا دیا ہے۔ آخری دنوں میں "میر خاندان" جو جیون روڈ پر آباد ہے کا

تفصیلی شجرہ مل گیا جو خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ اسے بھی گرافک شکل دے دی ہے اور خاندان کے پہلے کشمیر کے مسلمان حکمران "شاہ میر" عرف سلطان شمس الدین (تخت نشین 1329ء) کے متعلق تاریخی کتابوں سے تصدیق بھی کر لی ہے۔ یہ خاندان دو اڑھائی سو سال کشمیر میں برسر اقتدار رہا۔

کچھ مزید خاندانوں کے شجرات بھی میرے پاس محفوظ ہیں جو متعلقہ افراد دیکھ بھی سکتے ہیں اور لے بھی سکتے ہیں۔ شجرات کی کتاب میں اشاعت کی یہ دستاویز متحمل نہیں ہو سکتی اس لئے کہ یہ تفصیل طلب امر ہے۔

حرف آخر اور اظہار حقیقت:۔

آخر میں ایک بار پھر یہ گزارش ضروری ہے کہ اس کتاب کے مندرجات کو تاریخی حقائق کا درجہ حاصل نہیں ہے البتہ اپنی طرف سے یہ کوشش کی ہے کہ حقائق کے منافی باتیں درج نہ کی جائیں۔ اس لئے اگر کوئی کمی رہ گئی ہو یا غلط لکھا گیا ہو تو قارئین ضرور متوجہ فرمائیں تاکہ ازالہ کیا جا سکے۔

دوسری جلد کے حوالہ سے یہ اپیل بھی کرنا چاہتا ہوں کہ جو خاندان یا شخصیات اپنا تذکرہ کرانا چاہتے ہوں، وہ خود مجھے معلومات فراہم کر دیں۔ میں انشاء اللہ ان کو مناسب مقامات پر تحریر کر دوں گا۔ اس مقصد کے لئے شاید اب میں ذاتی طور پر رابطے نہ کر سکوں اس کے لئے پیشگی معذرت۔